

افغانستان

آخری صلیبی جنگ کا نقطہ آغاز

عابد اللہ جان



مکتبہ خدام القرآن لاہور

The Last Crusade

Most people think the crusades are a thing of the past—
over forever. But they are wrong. Preparations are being
made for a final crusade, and it will be the bloodiest of all!

BY GERALD FLURRY

SEE INNER SIDE OF THE BACK COVER REGARDING THIS PICTURE

افغانستان

آخری صلیبی جنگ کا

نقطہ آغاز

مصنف:

عابد اللہ جان

مترجم:

محمد فہیم



مکتبہ خدام القرآن لاہور

36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور، فون : 3-35869501

نام کتاب _____ افغانستان: آخری صلیبی جنگ کا نقطہ آغاز
 مصنف _____ عابد اللہ جان
 ترجمہ و تفہیم _____ محمد فہیم
 طبع اول (مئی 2015ء) _____ 1100
 ناشر _____ ناظم نشر و اشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
 مقام اشاعت _____ 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور
 فون: 3-35869501
 مطبع _____ شرکت پرنٹنگ پریس لاہور
 قیمت _____ 300 روپے

ISBN: 978 - 969 - 606 - 037 - 6

email: publications@tanzeem.org
 website: www.tanzeem.org

فہرست مضامین

5	حرفے چند
9	کچھ مصنف کے بارے میں
13	مقدمہ
17	تعارف منصوبہ بندی سے کی گئی جارحیت
35	باب اول: جنگ کے پس پردہ جذبہ محرکہ
61	باب دوم: جنگ کے خالق
70	☆ صلیبی جنگ کا اہم ترین سبب
74	☆ جس کی لاشیں اس کی بھینس
77	☆ دہشت گردی نہیں، خلافت کا ڈر
85	باب سوم: حقیقی چیلنج
111	باب چہارم: جہاد سے صلیبی جنگ تک
123	☆ آخری صلیبی جنگ کی ابتداء
130	☆ صلیبی جنگجو بمقابلہ طالبان
132	☆ اسلام سے ٹکراؤ
143	☆ طالبان فوجیا کے پس منظر میں اصل حقائق
151	☆ اصل مسئلہ سے صرف نظر
161	☆ طالبان کے حقیقی ”برائے“
163	باب پنجم: منصوبہ بند صلیبی جنگ شروع ہوتی ہے!

- ☆ جنگ میں ہش کا کردار 174
- ☆ نائن الیون: تجزیہ کاروں کی نظر میں 176
- ☆ ہش انتظامیہ کا غیر معمولی رد عمل 181
- ☆ عقل عام نہیں مانتی! 183
- ☆ طالبان پر بے بنیاد الزامات 185
- ☆ پہلے سے سوچے سمجھے نتائج 200
- ☆ اندرون خانہ کارروائی بے مقصد نہ تھی 207
- باب ششم: جنگ اور قبضہ کا جواز؟ 211
- ☆ صلیبی جنگجوؤں کے ایجنڈا کو تقویت 215
- ☆ حقائق اور افسانے کے درمیان گم شدہ حقیقت 219
- ☆ قبضہ کی بنیاد انسان دوستی نہیں 222
- ☆ طالبان کی بے دخلی کی راہ ہموار کرنا 228
- ☆ غیر قانونی جنگ 232
- باب ہفتم: حد درجہ عدم برداشت: مذہب دشمنی کا شاخسانہ 249
- ☆ غیر قانونی اسلحہ کا استعمال 255
- ☆ جنگی جرائم مذہب اور مسلمان قیدی 265
- نتیجہ: اصل جرائم بے نقاب ہو گئے! 269
- ☆ عقدہ کھلتا ہے 277
- نتائج و اثرات 289
- حواشی 295

حرفے چند

زیر نظر کتاب ”افغانستان: آخری صلیبی جنگ کا نقطہ آغاز“ معروف کالم نگار اور باخبر صحافی جناب عابد اللہ جان کی معرکہ آرا تصنیف Afghanistan: The Genesis of the Final Crusade کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب نائن الیون اور اس کے فوری بعد افغانستان پر امریکی حملے کے پس پردہ اصل حقائق سے بہت عمدگی سے بحث کرتی ہے۔ فاضل مصنف نے ناقابل تردید شواہد اور محکم دلائل سے یہ بات ثابت کی ہے کہ افغانستان پر حملہ کے لئے اصل جذبہ محرکہ اسلام دشمنی تھا، جس کا اظہار اُس وقت کے امریکی صدر ریش نے ”کروسیڈ“ اور کولن پاول نے ”اسلام کے خلاف جنگ“ کے الفاظ استعمال کر کے کیا تھا۔

افغانستان پر امریکا اور نیٹو کی یلغار، جسے دہشت گردی کے خلاف جنگ کا نام دیا گیا، درحقیقت اسلام اور اسلامی دنیا کے خلاف آخری صلیبی جنگ کا آغاز تھا۔ اس جنگ میں ”مذہبی“ جذبات رکھنے والے وارلارڈز کے لئے جذبہ محرکہ اس کا آخری ہدف تھا، جو جرمن اخبار کے مطابق یہ تھا کہ اس ”جاریت پسند مذہب“ (اسلام) کو روکا جاسکے اور ساتھ ہی عیسائی مذہب کو پھیلنے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ گارڈین اخبار کے سوزمینی گولڈ برگ نے کہا تھا کہ ”(مقصد یہ ہے کہ) وہاں پر ایک اصلی عالمی اسلامی ریاست قائم کرنے کے طالبان کے تجربے کو ناکام بنایا جاسکے۔“

مصنف لکھتے ہیں کہ ”تمام صلیبیوں کا ہدف اسلام ہے۔ باقی جو کچھ ہم سنتے ہیں، مثلاً بنیاد پرستی، سیاسی اسلام، اسلام ازم وغیرہ یہ صرف بہانے ہیں، جو دنیا کو بے وقوف بنانے اور استعمال کرنے کے لیے بنائے جاتے ہیں، تاکہ اپنے ہدف کو حاصل کیا جاسکے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے خلاف صلیبیوں کی اکیسویں صدی کی جنگ کا پہلا نشانہ طالبان بن گئے ورنہ یہ جنگ بہت طویل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آخری صلیبی معرکہ برپا کرنے والے اسلام کا پھیلاؤ روکنا چاہتے ہیں اور ان تمام امکانات کو ختم کرنا چاہتے ہیں جو مسلمانوں کو اسلامی طرز حکومت کا

ماڈل قائم کرنے کے لیے مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ تاہم اسلام سے خائف یہ عناصر بر ملا اپنی مذموم خواہش کا اظہار نہیں کر سکتے کہ طالبان ایک اسلامی ماڈل سوسائٹی قائم نہ کریں اور وہ طریقہ نہ اپنائیں جو اسلامی قانون کے مطابق حکومت کرنے میں مدد دیں۔ انھیں بعض سسٹمک طریقے اپنانے تھے اور خصوصی ذرائع استعمال کر کے طالبان حکومت کو بدنام کرنا تھا اور مسلمانوں کو عموماً اور افغانوں کو خصوصاً تقسیم کرنا اور یہ ثابت کرنا تھا کہ (نعوذ باللہ) اسلام کے اصولوں کے ذریعے حکومت کرنا زندگی کا سب سے بڑا سفاکانہ طریقہ ہے، اور ”متمدن“ دنیا میں اس طرز حکمرانی کے لیے کوئی جگہ نہیں۔“

یہ انداز فکر اور طریقہ واردات یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ خفیہ نو قدامت پسند جو آج میڈیا، تعلیم اور سیاست کے میدانوں پر قابض ہیں، سیکولر ڈیموکریسی اور ماور پدر آزادی کے پیچھے چہرے چھپا کر اسلام کے خلاف مصروف عمل ہیں۔ طالبان کی حکومت امریکی پشت پناہی میں قائم حکومت سے کہیں زیادہ وسیع البیاد تھی، اور اس میں زیادہ سے زیادہ شرکت یقینی بنائی گئی تھی، پھر بھی ناقابل برداشت تھی۔ انہیں اقتدار کے ایوانوں سے نکال باہر کرنا ضروری تھا، جس کے لئے ”جمہوریت“ اور شخص آزادیوں کے دفاع کا نعرہ لگایا گیا۔ صلیبی جانتے تھے کہ اگر وہ اس جنگ کو علانیہ اسلام کو مغلوب کرنے اور عیسائی مذہب کا جھنڈا گاڑنے کے نام پر شروع کرتے تو پھر یہ امکان نہ تھا کہ ساری دنیا اس جنگ میں کود پڑتی۔

نام نہاد ”آسمانی بادشاہت“ قائم کرنے والے بنیاد پرست عیسائیوں کی یہ جنگ کہیں سے تو شروع ہوئی تھی۔ اس کے آغاز کے لیے افغانستان موزوں ترین جگہ تھی کہ 1924ء میں عالمی راہزنوں کی سازش سے ترکی میں خلافت کا چراغ گل ہو جانے کے بعد وہاں ایک مرتبہ پھر اس چراغ کے روشن ہونے کا امکان پیدا ہوا تھا، جس کا بے عیب اجالا ماحول کو پورے طور پر منور کر دیتا۔ خطہ خراسان جس کا بیشتر حصہ افغانستان پر مشتمل ہے، دجالی قزاقوں کے لئے خطرہ کی سب سے بڑی علامت ہے۔ غالباً وہ احادیث کے ذخیرہ پر گہری نظر رکھتے ہیں، جس میں یہاں سے ناقابل شکست اسلامی لشکر کی یروشلم روانگی کی خبریں آئی ہیں۔ پھر یہ کہ طالقان (افغانستان) کو اللہ کے فرزانوں میں سے ایک خزانہ قرار دیا گیا ہے۔ ایسے میں یہ شریقتیں افغانستان سے اسلامی خلافت کا احیاء کیونکر برداشت کر سکتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے سرزمین افغانستان سے ابھرنے والی خلافت سے مغربی تہذیب اور نیو ورلڈ آرڈر کو لاحق

ممکنہ (بلکہ یقینی) خطرات کے پیش نظر نائن الیون کا ڈراما رچایا، تاکہ اس کی آڑ میں افغانستان پر یلغار کر کے خلافت کے یقینی ”خطرے“ کا سد باب کیا جاسکے۔ مصنف کے بقول: طالبان امریکہ کے لیے کوئی چیلنج اور عسکری خطرہ نہیں تھے۔ انھوں نے تو ابھی اپنے لئے کوئی واضح لائحہ عمل بھی متعین نہیں کیا تھا۔ بات صرف یہ تھی کہ انھوں نے اسلام کے مطابق اجتماعی زندگی گزارنے کا ایک مصمم ارادہ کیا تھا۔ طالبان کے اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کے عزم نے ایک مباحثہ کو جنم دے دیا تھا جس سے اسلام دشمن قوتوں کو تشویش لاحق ہو گئی، جس کا اظہار برطانوی ہوم سیکرٹری چارلس کلارک کے اس بیان سے ہوتا تھا کہ ”خلافت کے از سر نو زندہ ہونے، قانون شریعت کے اجراء، مساوات مرد و زن کے خلاف کسی اقدام اور آزادی اظہار خیال پر قدغن جیسی باتوں کی کوئی اجازت نہیں دی جاسکتی اور ان ایشوز پر کوئی بحث و مباحثہ خارج از امکان سمجھا جائے۔“

مصنف نے صاف لکھا کہ 9/11 کے بعد ”دہشت گردی کے خلاف جنگ“ کو تمام اسلام مخالف کوششوں کے لئے مختصر عنوان کے حیثیت سے ایک سلوگن کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ دانشورانہ حملے، قانونی رکاوٹیں، جنگی مہمات، دوسرے ملکوں پر قبضہ، قید و بند کی مشقتیں، تشدد و تلذیب اور خلافت کو بحیثیت ایک اعلیٰ ادارہ بدنام کرنے کی سازشیں تمام ایسے عنوانات ہیں جو اسلام مخالف کوششوں کا حصہ ہیں۔ اس شیطانی تدبیر میں ”خلافت“ کو ”دہشت گردی“ کے ہم معنی (مترادف) قرار دیا گیا ہے۔ یہ چیزیں آسانی سے ان مختصر اعلامیوں میں بھی نوٹ کی جاسکتی ہیں جو ان دنوں کسی کانفرنس یا اجلاس کے اختتام پر جاری کئے جاتے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ دنیا میں ”دہشت گردی“ کے سوا اور کوئی کام نہیں ہو رہا۔..... ان تمام حربوں کا لب لباب اس پیغام کی شکل میں ظاہر ہوتا تھا کہ ”ہم دہشت گردی کے مقابلے میں ایک ہیں اور ہم نے پختہ ارادہ کیا ہے کہ ”دہشت گردوں“ کو یہ جنگ جیتنے نہیں دیں گے۔ وہ ہماری اقدار اور طرز حیات کے مخالف ہیں۔“

یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ آج بھی زبان اور لب و لہجہ مسلم ممالک کے حکمران اپنا چکے ہیں جسے دیکھ کر ہمیں پیٹرک بکانن کی بات یاد آتی ہے، جو صاف کہتا ہے کہ ”عراق اور افغانستان کی جس جنگ میں ہم کود پڑے ہیں، یہ ایک سول مذہبی معرکہ ہے جس کے نتیجے میں یہ بات طے ہوگی کہ اسلامی دنیا پر کون حکمرانی کرے؟ یعنی ایسے لوگ جن کی وفاداریاں امریکہ

کے ساتھ ہیں یا وہ جو صہیونیوں، کفار، عیسائیوں اور ان کے معاونین سے اپنی سر زمین خالی کرانا چاہتے ہوں۔ مسلمانوں اور عربوں کے دل و دماغ جیتنے کے لیے جو کوشش جاری ہے اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ گویا یہ معرکہ کسی ”اتاکرک“ اور ”آیت اللہ“ کے درمیان چل رہا ہے۔“

ایک حقیقت بین انسان کے طور پر مصنف یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ یہ نام نہاد ”مسلم دہشت گردی“ اس قتل عام، تشدد و تعذیب، قید و بند کی صعوبتوں اور استحصالی حربوں کے مقابلے میں کیا حقیقت رکھتی ہے جو آپ نے مسلمانوں کو منظم اور متحد ہونے سے روکنے کے لیے اختیار کر رکھے ہیں؟ اس سے اس بات کے پایہ ثبوت تک پہنچنے میں دیر نہیں لگتی کہ یہ جنگ درحقیقت کسی اور چیز کے خلاف ہے، صرف دھوکا دہی کے لیے اس پر ”دہشت گردی کے خلاف جنگ“ کا لیبل لگا دیا گیا ہے۔ اس جنگ کی باقاعدہ عملی شروعات افغانستان پر حملہ اور قبضہ سے ہو چکی ہیں۔

کتاب ہذا بزبان انگریزی پہلی بار 2006ء میں ”پریگیٹک پبلشنگ“ کے زیر اہتمام اولٹاوا (کینیڈا) سے شائع ہوئی، جسے بعد ازاں نومبر 2007ء میں پاکستان سے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شائع کیا۔ کتاب کے مندرجات اور انکشاف انگیز حقائق کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر 2009ء میں ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور میں اس کے اردو ترجمہ کی اشاعت کا آغاز کیا گیا، جس کی نومبر 2010ء میں تکمیل ہوئی۔ کتاب کا ترجمہ تنظیم اسلامی کے بزرگ رفیق، محترم محمد فہیم صاحب نے کیا ہے، جسے ندائے خلافت میں اشاعت کے دوران راقم نے ایڈٹ کیا۔ کتابی صورت میں اس کی اشاعت سے قبل اس پر قرآن اکیڈمی کے شعبہ انگریزی کے سکالر جناب رضاء الحق نے نظر ثانی کی۔ اس کام میں ہمیں میجر سید حیدر حسن (ریٹائرڈ) کا بھی تعاون حاصل رہا۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

”دہشت گردی کے خلاف جنگ“ کے اصل حقائق کو بے نقاب کرتی یہ مستند تحقیقی

کتاب اس قابل ہے کہ دین و ملت کا درد رکھنے والا ہر مسلمان اس کا مطالعہ کرے۔ بالخصوص افغانستان اور پاکستان کے حالات کو صحیح تناظر میں سمجھنے کے لئے اس کا مطالعہ بے حد مفید ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ دقت نظر سے کتاب کا مطالعہ کریں اور کتاب کے مصنف، مترجم ناشر اور راقم کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

احقر
محبوب الحق عاجز

کچھ مصنف کے بارے میں

عابد اللہ جان کئی کتابوں کے مصنف ہیں، جو درج ذیل ہیں:

War on Islam (2001ء)

The End of Democracy (2003ء)

The Musharraf Factor: Leading Pakistan to
Inevitable Demise (2005ء)

From BCCI to ISI: The Saga of Entrapment
Continues (2006ء)

The Ultimate Tragedy : Colonialists Rushing to Global war
to save the Crumbling Empire (2006ء)

وہ پاکستان سے تعلق رکھنے والے سیاسی تجربہ کار اور صحافی ہیں، جو آج کل کینیڈا میں قیام
پزیر ہیں، اور انڈی پینڈینٹ سینٹر فار سٹریٹجک سٹڈیز اینڈ اینالیزس (Independent
Center for Strategic Studies and Analysis (www.icssa.org))
سے منسلک ہیں۔ عابد اللہ جان عالمی سیاسی صورت حال پر تبصروں کے حوالے سے شہرت رکھتے ہیں
اور ان کے مضامین بین الاقوامی سطح کے بڑے بڑے جرائد میں شائع ہو رہے ہیں۔

ان کی پیدائش اور نشوونما افغانستان کی سرحد سے ملحقہ پاکستان کے قبائلی علاقے میں
ہوئی۔ طالبان حکومت میں انہوں نے UNDP کے ایک مشن کے تحت افغانستان میں مختلف طبقات
کے افراد اور طالبان اہلکاروں کے ساتھ گفتگوئیں کیں، تاکہ اس امر کا اندازہ لگا سکیں کہ طالبان
حکومت کی پالیسیاں کس حد تک مقامی ترقیاتی کاموں پر اثر انداز ہو رہی ہیں۔ پیش نظر یہ تھا کہ طالبان
قیادت کے تحت وہاں پر کمیونٹی کے لئے مخصوص ترقیاتی منصوبوں کے لئے کام کے امکانات سے
آگاہی حاصل کریں۔

عابد اللہ جان نے نائن الیون واقعہ سے چند ہی ہفتے قبل دہشت گردی سے متعلق اپنی ایک

زیر تصنیف کتاب کے سلسلہ میں اسامہ بن لادن اور ایمن الزواہری سے انٹرویو کئے۔ اس کتاب میں مصنف نے پہلی دفعہ بعض انکشافات پر بحث کی ہے، جنہیں وہ پاکستان میں پریس یا میڈیا میں نشر کروانے سے عاجز رہے، کیونکہ اندیشہ یہ تھا کہ اس مضمون کو وسیع تر تناظر میں نہ سمجھنے کی وجہ سے اسامہ کے ہمدردوں کی طرف سے منفی رد عمل سامنے آجائے گا۔ نائن الیون سے پہلے اُن کے اسامہ اور ڈاکٹر ایمن کے ساتھ انٹرویو خصوصی اہمیت کے حامل ہیں، کیونکہ اس سے بعض افراد کی حقیقت کھل گئی ہے۔ مثلاً یہ کہ طالبان دور حکومت میں عرب Proxy (نیا بت) کے ذریعے افغانستان کی حکومت چلا رہے تھے اور یہ کہ اسامہ بن لادن اس قابل تھے کہ وہ افغانستان میں بیٹھ کر نائن الیون دہشت گردانہ کارروائی کے لئے منصوبہ بندی کریں اور اُسے روبہ عمل لائیں۔ اس کتاب میں مصنف بتاتا ہے کہ کس طرح اسامہ کو یہ بیان دینے پر تیار کیا گیا تھا ”کہ ہم بہت جلد ہی کچھ کرنے والے ہیں۔“ یہ بات نہ صرف اسامہ نے مصنف کو کہی بلکہ ممکن ہے اور لوگوں سے بھی کی ہو۔

عابد اللہ جان نہ صرف یہ کہ دیگر سیاسی تجزیہ کاروں سے مختلف نقطہ نظر رکھتے ہیں، بلکہ وہ متوازن سرمایہ دارانہ بلکہ نوآبادیاتی نظام کے متعلق ناقص اور مشکوک تجزیوں کو اپنی گہری تحقیق و تجزیہ کے ذریعے رد کر کے اپنا موقف پیش کرتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ مرکزی دھارے میں شامل میڈیا اور دانش گاہوں (Academies) کے اندازے اور تجزیے ان مخصوص لوگوں ہی کے لئے بامعنی ہیں جو ایک مخصوص ذہنی و فکری دُنیا کے باسی ہیں اور یکساں زاویہ نگاہ اور انداز فکر رکھتے ہیں۔ اس دائرہ سے باہر کے کسی بھی فرد کے لئے وہ انداز اور تجزیے وہ معنی نہیں رکھتے۔ کیونکہ وہ اس دائرہ سے باہر کے لوگوں کی دولت اور ان کی طرز زندگی کو بدلنے کے لئے کئے جاتے ہیں۔

نوآبادیاتی دُنیا اور اس کے سابقہ اور نئے نوآبادیاتی آقاؤں کے ساتھ تعلق کے حوالہ سے عابد اللہ جان کے 17 سالہ گہرے مطالعہ نے ایک نئے انداز فکر کو جنم دیا ہے۔ آپ کو نوآبادیاتی تاریخ کی صورت حال یا اختتام جمہوریت (The end of History) اور اسلام پر کارپوریٹ امپائر کی جارحیت کے متعلق ایسا مواد اُن کی تحریروں کے سوا کہیں بھی پڑھنے کو نہیں مل سکتا۔ اسی طرح آپ کو بھی ایسا مواد کہیں نہیں مل سکتا جس میں مغربی طبقات کے براہ راست نوآبادیاتی نظام کی بنا پر پھسلنے پھولنے اور حقیقی طور پر نوآبادیاتی نظام کے بل بوتے پر رہنے کو ”تہذیب یافتہ“ (Civilized) قوتوں کی نشانی بتایا گیا ہو۔ پھر آپ کو ایسے تجزیے اور تبصرے کہاں سے مل سکتے ہیں جن میں نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ کو دوسری قوموں کی دولت پر قبضہ کرنے اور اُن پر جارحانہ اور کٹہ پتلی

حکومتیں مسلط کرنے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہو۔ اسی طرح ایسے تجزیے اور تبصرے آپ کو کہاں ملیں گے جو اس حقیقت کو آشکارا کریں کہ مغربی استعمار کی جنگوں اور دوسرے ملکوں پر قبضہ کا ہدف یہ ہے کہ پٹرول اور مروجہ معاشی نظام کے تحفظ اور تسلسل کو یقینی بنایا جائے۔ ان حقائق کو طشت از بام کرنے کا عمل عالمی حالات کو صحیح طور پر سمجھنے اور مغربی دنیا اور صیہونیوں کی حکمت عملی کے ادراک کے لئے ایک نئی بنیاد فراہم کر دیتا ہے۔

نوآبادیاتی تاریخ اور اس کی گود میں پلٹنے والی اقتصادی اجارہ داری ہمیں عابد اللہ جان کی مغربی ”جمہوریتوں“ کی توضیح کو سمجھنے کی طرف لے جاتی ہے، جن کی اٹھان جاگیر داری (Feudalism) پر ہوئی تھی اور جس نے آج ایک امپائر کے اتحادیوں کی شکل اختیار کر لی ہے جو قدرتی وسائل پر بلا شرکت غیرے قبضہ برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ یہ چاہتے ہیں کہ غریب اور مملوک دنیا وہ طرز زندگی اختیار کرے جو ان قابضین کی مرضی اور خواہشات کے مطابق ہو۔ اسی طرح کمزور طبقات کو اپنے جائز حصے اور حق خود ارادیت سے محروم کرتے ہوئے ان اجارہ داریوں کو جاری رہنے کی راہ کھلی رکھی جاتی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس جدید تحقیق کی رو سے مسلم دنیا میں جمہوریت اور آزادی کے نام پر جو آوازیں اٹھتی ہیں، اُن کے ذریعے دھوکا دہی کے ایک نظام قانون کی حکمرانی (Rule of Law) کے نام پر زندہ رکھا جاتا ہے۔ اور جس کے قیام کے لئے مغربی ایجنٹوں (power brokers) نے 700 سال سے زیادہ کا عرصہ لیا۔ مختصر آئیہ کہ مختلف ناموں کے تحت جو فلسفے اور نظام وجود پذیر ہو چکے ہیں، وہ کسی بھی درجے میں محروم اور استحصال زدہ طبقات کے مفاد میں نہیں، بلکہ ان کے ذریعے نوآبادیاتی فسطائی نظام کو جاری رکھا جا رہا ہے۔

عابد اللہ جان مغربی طبقات کے ان عقائد کا گہرائی میں مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مغربی طبقات نے صدیوں سے جاری رواج اور قانون کے ذریعے طاقت کے مراکز، فریب کاری اور چوری سے دوسروں کی دولت پر قبضہ جمائے رکھا ہے۔ وہ کسی بھی صورت اس بات پر آمادہ نہیں ہو سکتے کہ ایک ترقی پذیر اور آزاد سوسائٹی وجود پذیر ہو۔ کیونکہ انہیں خوف ہے کہ انھوں نے جو نسل کشیاں کی ہیں اور ختم نہ ہونے والے قبضے کر رکھے ہیں، ان کا مداوا کرنے کے لئے انہیں معاوضہ دینا اور تاوان ادا کرنا ہوگا۔ لہذا ان کا فوکس اسی نکتہ پر رہتا ہے کہ غریب کو غریب تر اور کمزور طبقات کو کمزور تر بنا کر ہمیشہ زیر تسلط رکھا جائے۔

عابد اللہ جان واضح کرتے ہیں کہ بعض افسانوی اصطلاحات مثلاً اسلام ازم

(Islamism) اور اسلامی دہشت گردی، جو عوام الناس کو دشمن سے خوف میں مبتلا رکھنے کے لئے گھڑی گئی ہیں، کا ہوا کو دور کیا جائے تو اس سے وہ رکاوٹیں دور ہو جائیں گی جو مسلمانوں اور دیگر اقوام کے حق خود ارادیت کے استعمال کی راہ میں حائل ہو چکی ہیں۔ اس سے مساوات، امن اور اقتصادی خوشحالی بڑھ جائے گی اور متعلقہ شعبوں میں برابر ترقی ہوگی۔ وہ مصائب جو موجودہ اقتصادی نظام اور استحصالی آمرانہ نظام حکمرانی کو برقرار رکھنے کے خاطر اختیار کردہ پالیسیوں اور اقدامات کے نتیجے میں پیدا ہو چکے ہیں، ان کے اثرات اکیلے مقبوضہ اقوام تک محدود نہیں رہے ہیں، بلکہ یورپی اور امریکی عوام بھی ان کا نقصان اٹھا رہے ہیں۔ اگر نوآبادیاتی نظام میں جکڑی ہوئی اقوام کو حق خود ارادیت دیا جائے اور سامراجی بالادستی کے طوق توڑ دیے جائیں تو اس سے تمام دنیا کے باسیوں کو ایک خوشحال زندگی میسر آئے گی۔ یہی وہ کام ہے جس سے روشنی کی کرنیں پھوٹی ہیں اور اسی کو لے کر ہمیں ایک پُر امن اور خوشحال دنیا کی از سر نو تعمیر کرنے کے لئے کام کرنا ہوگا۔

بہت سے لوگ یہ بات سمجھتے تو ہیں لیکن انھیں جبر، قبضہ اور جارحیت جیسے عناصر کے باہمی تعلق اور اس کے توڑ کی ترکیب نہیں سمجھتی۔ عابد اللہ جان کی تحقیق پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے اُس راستے اور اُن ذرائع کی نشاندہی ہوتی ہے، جنہیں اپنا کر ان قوتوں کے مقابلہ کیا جاسکتا۔ جو بیرونی دنیا میں نوآبادیاتی نظام مسلط کرنے اور اپنے ملکوں کے اندر ظالمانہ پولیس سسٹم اور مستقل خوف کی کیفیات کو جاری رکھنے کی ذمہ دار ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے کہ ایک دفعہ عوام اور ان کے نمائندے اپنے آپ کو سچائی کے ہتھیار سے آراستہ کر لیں تو پھر یہ مباحثہ ایسا ہوگا، جسے power brokers (طاقت کے ایجنٹ) اور ان کے نمائندے ہرگز جیت نہیں سکتے۔ عابد اللہ جان بھی کہتے ہیں کہ وہ جیتنے والے نہیں۔ انسان مکمل طور پر آزاد پیدا ہوا ہے۔ اس لئے اسے حق حاصل ہے کہ وہ اپنی پسند کی طرز پر زندگی بسر کرے اور ساتھ ہی اسے جو معاشی وسائل میسر ہیں ان سے یکساں طور پر استفادہ کرے۔ اگر نوآبادیاتی مقبوضہ خطوں کے عوام آپس میں یہ معلومات بہم پہنچائیں اور خصوصاً مقبوضہ علاقوں کی یونیورسٹیاں ان (جھوٹے) فلسفوں کو نکھیرنے کا بیڑا اٹھائیں، جو نوآبادیاتی قابضین نے اپنی دہشت اور بالادستی کے لئے گھڑ لئے ہیں تو جھوٹا پروپیگنڈا اور گیدڑ بھکیاں دنیا کے محروم طبقات کو ان کے حقوق کی بازیابی اور عدم مساوات اور ظلم کے اس خونی چکر سے نکلنے سے کبھی نہیں روک سکیں گی۔

مقدمہ

پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں عراق پر بزور قوت قبضہ پر مذمتی بیانات شہ سرخیوں کے طور پر رونما ہو رہے ہیں، جبکہ افغانستان اہم میڈیا ذرائع، جنگ مخالف تنظیم اور آزاد ویب سائٹس کی نظروں سے غائب ہو کر پس منظر میں چلا گیا ہے۔ امریکی پالیسیوں کے ناقدین کی اکثریت بھی جن کا تعلق زیادہ تر بائیں بازو سے ہوتا ہے، 9/11 کے واقعہ کے متعلق امریکہ کی سرکاری توجہ اور نتیجے میں افغانستان پر حملہ اور قبضہ کے جواز کی توثیق کرتی آئی ہے۔

قوی ریاستوں کی تاریخ میں شاید یہ پہلا واقعہ ہے کہ کسی خود مختار ملک پر بزور قبضہ کے عمل کو عالمی سطح پر جائز گردانا گیا ہو۔ امریکہ کے افغانستان پر قبضہ کو جس قدر قانونی حیثیت دے کر اس پر خاموشی اختیار گئی ہے، اسی تناسب سے طالبان کی حیثیت کو ناجائز تسلیم کرنے کے علاوہ 9/11 کے واقعات کو سرکاری وضاحت کے مطابق مانا گیا ہے۔ بہت سے محققین اس کام میں مصروف عمل ہیں کہ وہ اس واقعہ کی سرکاری توضیح کے پس پردہ اصل حقائق پر سے پردہ ہٹائیں۔ تاہم ایک بھی محقق ایسا نہیں ملے گا جو اس بات پر تیار ہو جائے کہ وہ تحقیقی طور پر ان بنیادوں کا کھوج لگائے، جن کی بنا پر طالبان کی حیثیت کو غیر قانونی اور ناجائز مانا اور تسلیم کرایا گیا (کیونکہ ایسی کوئی بنیاد ہے ہی نہیں)۔ مخصوص میڈیا اور مفاد پرست گروہوں نے لوگوں کے اذہان کو افغانستان پر قبضہ کے عمل کو ایک قابل تحسین کام کے طور پر تسلیم کرنے کے لئے تیار کیا۔

بنظر غائر دیکھا جائے تو (امریکی قبضہ) سوویت قبضہ کے مقابلہ میں فوجی تر عمل ہے، اس لئے کہ روسی قبضہ کی یو این او کے فورم سے عمومی طور پر مہینہ میں ایک بار تو مذمت کی جاتی رہی ہے۔ آج ہمیں ایک عجیب قسم کی صورت حال کا سامنا ہے۔ عراق پر لٹش کے حملہ کو جو بھی تائید حاصل تھی وہ جنگ مخالف تحریک کے مسلسل دباؤ کی وجہ سے کم ہوتی جا رہی ہے جبکہ افغانستان میں جنگ کسی بھی طرف سے کسی قسم کے اعتراض کے بغیر جاری و ساری ہے۔ وہ طبقات جو عراق جنگ کے لئے کبھی گئی ڈھیروں جھوٹ اور غلط بیانیوں کو ہدف تنقید بناتے آرہے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو ایسا دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ جیسے وہ افغانستان پر حملہ کا جواز گھڑنے کے لئے جھوٹ اور غلط بیانی سے بالکل بے خبر رہے ہوں۔

آزاد محققین 9/11 کی سرکاری توضیح کی صحت کو تو چیلنج کرتے ہیں، لیکن کوئی بھی ان ٹرپوں کو ملانے کی

کوشش نہیں کرتا جن سے عیاں ہے کہ 9/11 کا خونی ڈراما افغانستان پر حملہ کرنے کے لئے بہانے کے طور پر سٹیج کیا گیا تھا، بالکل اُسی طرح جیسے بعد ازاں عراق کے ضمن میں صدام حسین کے متعلق بڑے پیمانے پر تباہی والے اسلحہ (WMD) کی جھوٹی کہانی گھڑی گئی تھی۔ نائن ایون اور عراق کے جوہری ہتھیار دونوں ہی ان دو ملکوں پر جنگ مسلط کرنے کے لئے بہانہ تھے، ورنہ ان ملکوں پر قبضہ کا منصوبہ بہت ہی پہلے بنایا جا چکا تھا۔

بد قسمتی یہ رہی ہے کہ بہت سارے محققین کے یہ نتیجہ اخذ کر لینے کے باوجود کہ 9/11 کا کھیل ایک اندرونی سازش تھی، ان میں کوئی ایسی تحریک دکھائی نہیں دیتی جس سے ظاہر ہو کہ یہ لوگ 9/11 کے واقعہ کو ایک بہت بڑے منصوبے کا ایک چھوٹا سا حصہ سمجھ رہے ہوں۔ تجزیہ کار ورلڈ ٹریڈ سنٹر (WTC) کے ٹاورز کی نہایت سر بستہ تباہی اور نارتھ امریکن ایئر ڈیفنس کمانڈ (NOHAD) کے اپنی حالت میں ایسا دہرہ جانے کے متعلق تھاق کا تجزیہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تاہم وہ اس بات کو بھلا دیتے ہیں کہ 9/11 حادثہ کے ”کیوں“ کا پہلوا تباہی اہم ہے جتنا کہ اس کا ”کیسے“ کا پہلوا ہیبت کا حامل ہے۔

نظر ثانی مملکت سے بڑھ کر ”عملی“ مملکت کے خلاف جنگ عراق پر حملہ کے پیچھے کار فرما جذبہ انسانیت، انتقام اور لالچ سے مل کر ابھرا تھا، جبکہ افغانستان کے خلاف کروسیڈی جذبہ کار فرما تھا، جو کسی بھی صورت مسلمانوں کے دین اسلام کو بطور نظام زندگی اختیار کرنے کا روادار نہ تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی توضیح ہو ہی نہیں سکتی۔ کبھی بھی صحیح الدماغ لوگ 9/11 جیسا ظالمانہ اقدام اپنے ہی لوگوں کے خلاف کبھی نہیں کریں گے، جب تک کہ انھیں پورا یقین نہ ہو کہ ایسا کرنے سے وہ ایک عظیم تر مفاد حاصل کر سکیں گے۔ 3000 امریکی جانوں، قیمتی عمارتوں اور پٹنا گون جیسے قیمتی قومی ادارہ کو داؤ پر لگانا، محض تیل اور پائپ لائن کے منصوبے کو آگے بڑھانے کے لئے نہیں ہو سکتا۔

یہ کتاب تھاق پر ت پردہ اٹھا کر 9/11 کے پیچھے اصل مقاصد کو سامنے لانے کے علاوہ ان خطرناک نتائج کی نشاندہی کرتی ہے جو افغانستان پر قبضہ کو جائز اور قانونی تسلیم ہونے کی صورت میں رونما ہو سکتے ہیں۔ اور تو اور وہ لوگ بھی جو 9/11 کی سرکاری توضیح کو مانتے ہیں، اس کے قائل ہیں کہ امریکی انتظامیہ کو اس حادثہ کے وقوع پذیر ہونے کا پورا علم پہلے ہی سے تھا۔ ایسا سوچنے والے اس بات سے صرف نظر کر جاتے ہیں کہ پھر امریکی انتظامیہ کیوں جھوٹ کا سہارا لیتی تھی، جبکہ اسے اپنے ہی لوگوں کے خلاف اتنی وحشیانہ کارروائی کے سلسلہ میں پہلے سے آگاہی حاصل تھی؟ اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ وہ افغانستان پر حملہ کرنے اور قبضہ جمانے کے لئے راہ ہموار کرنا چاہتی تھی، جس کے

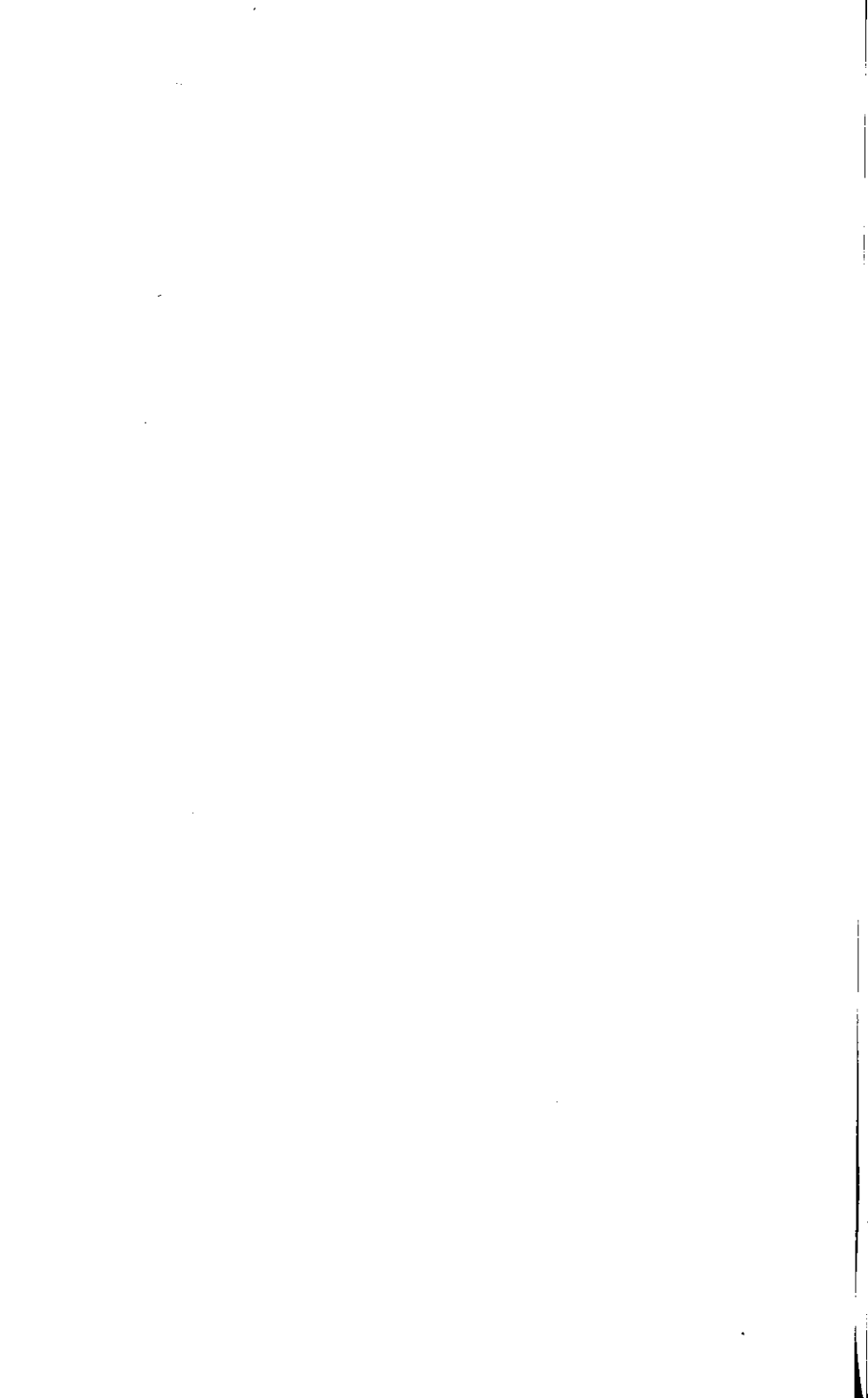
لئے اس کے پاس کوئی اور مناسب جواز نہیں تھا۔ اس سوال کا جواب کہ اس مقصد کے لئے افغانستان بھی کا انتخاب کیوں کیا گیا؟ اس کی پوری وضاحت ان شاء اللہ آپ اس کتاب کے صفحات پر پا سکیں گے۔
 بعض محققین جیسے اے ایس ایڈلر اب اس نتیجہ تک پہنچ رہے ہیں کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ طالبان کو سمجھنے میں غلطی کے مرتکب ہوئی اور یہ کہ ان کی حکومت کو ختم کرنے کا اسے کوئی حق نہیں تھا۔ اپنی تصنیف "As Thou Goest By the Way" کے تعارفی مکتوب میں وہ رقمطراز ہیں:

”گلتا ہے طالبان کے قول و فعل میں کوئی تضاد دکھائی نہیں دیتا۔ وہ مخلص مسلمان ہیں، جن کی امریکہ پر حملہ کرنے یا اس کے کسی مخالف کی میزبانی کرنے میں نہ کوئی دلچسپی ہے اور نہ کوئی مفاد۔ بحیثیت ایک اسلامی مملکت طالبان پابند تھے کہ وہ کسی نامزد ملزم کو سزا دینے کی غرض سے کسی دوسری طاقت کے حوالے کرنے سے پہلے اسلامی نظام عدل کے تحت اس کو مجرم ثابت کر سکیں۔ ترغیب و ترہیب کے جن طریقوں کو آزمایا گیا، وہ ایسے تھے جیسے کہ ان ذرائع کو استعمال کر کے طالبان سے یہ مطالبہ کیا جاتا، کہ وہ کھلے بندوں سور کا گوشت کھانا شروع کر دیں۔“ (بھلا ایسا کب ممکن تھا!)

حقیقت کی تہہ تک پہنچنے کے باوجود یہ محققین اس بات میں شک کرتے آرہے ہیں کہ طالبان کے خلاف پابندیاں عائد کرنے، ان پر براہ راست حملہ اور ان پر جنگ مسلط کرنے کے پیچھے مذہبی جذبہ ہی اصل محرک تھا۔ اس کتاب میں دستاویزی ثبوت فراہم کئے گئے ہیں کہ طالبان مخالف رویہ میں مذہبی جذبات کا عمل دخل اور شدت اتنی زیادہ اور وسیع ہے کہ اس کے مقابلے میں دیگر وجوہات کی حقیقت چھ معلوم ہوتی ہے۔

طالبان مخالف دیگر ذیلی عوامل میں وسط ایشیائی مغربی دست نگر ریاستیں، سیکورٹی کونسل میں امریکہ کے پشتیبان، اسلام تو حش گروہ، سیکورقوتیں، حقوق نسواں کے نام نہاد علمبردار، جنسی آزادی پسند، مجسموں کے دلدادگان، فشیات کے کاروباری اور ان کے سرکاری سرپرست تمام ایسی قوتیں شامل تھیں جن کو طالبان مخالف تحریک میں بھرپور طریقے سے استعمال کیا گیا۔ یہ کتاب اس بات کو پایہ ثبوت تک پہنچاتی ہے کہ یہ گروہ اور عناصر اپنے طور پر اتنے مؤثر کبھی نہ ہوتے اگر ان کی پشت پر امریکی مذہبی صلیبی، مرکزی میڈیا، سیاسی قوتیں، تحقیقی مراکز اور فوجی قوتیں کا فرمانہ ہوتیں۔

طالبان کے ذمہ داران اور القاعدہ کے رہنماؤں کے ساتھ مکالمہ اور طالبان حکومت کے براہ راست مشاہدہ کی بنیاد پر اس کتاب کے ذریعے کوشش کی گئی ہے کہ طالبان کی کردار کشی، 9/11 کے حادثہ کی ظہور پذیری اور افغانستان پر حملہ اور قبضہ کے پیچھے اصل محرکات اور عوامل پر سے پردہ ہٹایا جائے۔



منصوبہ بند جارحیت

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ افغانستان کے خلاف جنگ نہ صرف یہ کہ ایک زبردست کامیابی تھی بلکہ یہ جنگ جائز بھی تھی۔ اس جنگ میں فتح بہت جلد حاصل کی گئی، طالبان کی حکومت گرائی گئی اور القاعدہ جو 9/11 تک ایک غیر معروف تنظیم تھی، انتشار کا شکار ہو گئی۔ اسی طرح پڑوسی ملک پاکستان کے بنیاد پرست، اسلام پسند عناصر نے اسے بحیثیت شکست قبول کر لیا، اور وہ پست حوصلگی کا شکار ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی طالبان کی کمزوری اور پس ماندگی کی ہنسی اڑائی گئی اور سب باتوں کی ایک بات کہ اب ہر ایک نے یہ تسلیم کیا ہے کہ افغانستان پر حملہ اور قبضہ نیویارک پر حملے اور طالبان کا اپنے ہاں ”دہشت گردوں“ کو بھرانے کا ردِ عمل ہے۔ 9/11 کے واقعات نے امریکہ کے لئے دنیا بھر میں ہمدردی کی فضا پیدا کر دی۔ تقریباً تمام ملکوں کے سربراہوں نے تعزیت کے ساتھ ساتھ مجرموں کے تعاقب میں مدد کا وعدہ کیا۔ موقع کو غنیمت جانتے ہوئے بُش انتظامیہ نے افغانستان پر حملہ کے لئے پہلے سے تیار شدہ منصوبے کو بروئے کار لانے کے لئے یہ روپ دھارا کہ وہ اضافی اعانت اور توثیق کے لئے عالمی سطح پر مشورہ کر رہا ہے۔ کسی حقیقی تحقیق اور تفتیش کے بغیر اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل نے ایک منفقہ قرارداد پاس کی، جس کی رو سے تمام ممبر ملکوں کے لئے لازمی قرار دیا گیا کہ وہ ”دہشت گردوں“ اور ان کے مالی ذرائع پر ضرب لگانے کے لئے ان کا تعاقب کریں۔ آرٹیکل 5 کو درمیان میں لا کر نیٹو نے 9/11 واقعہ کو تمام 19 ممبر ممالک کے خلاف ایک اقدام کے طور پر پیش کیا۔ یہی راستہ امریکی ریاستوں کی تنظیم نے بھی اختیار کیا اور اگلے چند مہینوں میں کوئی ملک ایسا نہ رہا جو امریکہ کی طرف سے تعاون کی درخواست کو رد کر سکتا۔ اس کتاب کے باب ششم میں ان اقدامات کا جائزہ لیا جائے گا کہ وہ کہاں تک جائز اور قانونی ہیں! یہاں یہ بات کافی ہے کہ 9/11 کا واقعہ امریکہ کے لئے بہت بڑی ہمدردی پیدا کرنے کا ذریعہ بنا۔ نتیجتاً بُش انتظامیہ نے فوری طور پر اسامہ بن لادن اور ابھی تک نامانوس تنظیم القاعدہ کو

مجرم^(۱) گردانے میں دیر نہیں کی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ صدر بُش سے تین دن پہلے کولن پاول نے بحیثیت سیکریٹری آف سٹیٹ پہلی مرتبہ اپنی ترجیحات پر خطاب کیا تھا۔ اس نے 20 عنوانات پر تقریر کی جس میں چین اور بلقان سے لے کر اقوام متحدہ اور عراق پر پابندیوں تک کا تفصیلی ذکر کیا گیا۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ اس اہم موقع پر اس نے ”القاعدہ کی دہشت گردی“ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔^(۲) اسی طرح ٹونی کیرون کی ٹائم میگزین کے لئے خصوصی رپورٹ بعنوان "Bin Laden Rides Again : Myth vs Reality" 9/11 سے صرف دو مہینے پہلے شائع کی گئی، جس میں بن لادن کے متعلق بہت کچھ ہونے کے باوجود القاعدہ ”دہشت گرد نیٹ ورک“ کا کوئی ذکر نہیں تھا۔^(۳)

بہر حال اس گرما گرمی میں طالبان کو بھی اُسامہ کے ساتھ باہمی بندھن کی بنا پر شریک جرم ٹھہرایا گیا۔ بُش کا یہ اعلان کہ وہ اُسامہ کو مردہ یا زندہ حالت میں حاصل کرنا چاہتا ہے، اس کے جذبہ انتقام کی عکاسی کر رہا تھا۔^(۴) 9/11 حادثہ تک بُش ایک نکمہ، نابکار صدر اور ایک زراستخزہ ہی خیال کیا جاتا تھا، جس کی شخصیت فلوریڈا کے انتخابی فراڈ کی وجہ سے مجروح اور داغدار ہو چکی تھی۔ اس نے جنگ کی ابتدا کر کے اپنی قوم کو اپنے پیچھے متحد کر لینے میں کامیابی حاصل کی، جس کی بدولت نہ صرف یہ کہ اس نے اپنی صدارت بچالی بلکہ دوسری بار منتخب ہونے کی بھی راہ نکالی۔

15 ستمبر 2001ء کو بُش نے طالبان کو الٹی میٹم دے دیا کہ اُسامہ کو حوالہ کر کے اس کے تربیتی کیمپ بند کئے جائیں، بصورت دیگر وہ نتائج بھگتنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس موقع پر افغانستان کی اعلیٰ ترین اسلامی شورٹی کونسل نے سفارش کی کہ سربراہ مملکت ملا محمد عمر اُسامہ بن لادن کو افغانستان چھوڑنے پر آمادہ کر لیں۔ اس دوران امریکی اور برطانوی سیاست کار اور افغانستان میں موجود شمالی اتحاد سے تعلق رکھنے والے حزب اختلاف کے لوگ مستقل طور پر یہ پروپیگنڈا کرتے رہے کہ طالبان کے اتحاد میں (اُسامہ کے ضمن میں) اختلافات کے آثار شروع ہو چکے ہیں۔^(۵)

18 ستمبر 2001ء کو افغان وزیر خارجہ نے اعلان کیا کہ وہ اُسامہ کو افغانستان سے نکال دیں گے، بشرطیکہ امریکی حکومت اُن کے دہشت گردی میں ملوث ہونے کے متعلق ٹھوس اور قابل یقین شواہد فراہم کرے۔ چونکہ ایسی کوئی شہادت دستیاب نہ تھی، لہذا بُش نے کانگریس کو

بتایا کہ ”کسی قسم کا مکالمہ اور گفتگو نہیں ہوگی..... کسی قسم کی بے گناہی یا قصور واری کو زیر بحث لانے کی ضرورت نہیں..... ہمیں پورا علم ہے کہ وہ (اُسامہ) قصور وار ہے.....“⁽⁶⁾

پاکستان میں متعین طالبان سفیر اور دوسرے رہنما کسی ثبوت کے لئے بار بار درخواستیں کرتے رہے۔ پاکستانی سفارتکاروں، علماء اور طالبان کے درمیان مذاکرات کے دور چلتے رہے۔ یہاں تک کہ طالبان اس پر آمادہ ہو گئے کہ وہ اُسامہ کو پشاور (پاکستان) کی کسی اسلامی عدالت کے سپرد کر دیں گے۔ اس دوران پرویز مشرف نے اعلان کر دیا کہ ”طالبان کی حکومت چند دن کی مہمان ہے۔“

ستمبر کے آخر اور اکتوبر کے اوائل میں پاکستان کی دو مذہبی جماعتوں کے رہنماؤں نے طالبان سے اُسامہ کو پاکستان حوالگی اور مقدمہ کا سامنا کرنے کے سلسلے میں مذاکرات کئے (جو کامیاب نہ ہو سکے)، تاہم ایک امریکی اہلکار اس تشویش کو چھپانہ سکا کہ اگر کسی طرح قبل از وقت اُسامہ ہاتھ لگنے کا موقع ہمیں میسر آ گیا تو اس سے (ہمارا کھیل دھرا کا دھرا رہ جائے گا کیونکہ) طالبان کی حکومت کو گرانے کے لئے اُسامہ کا بہانہ غیر موثر ہو جائے گا اور تمام بین الاقوامی کوششیں رائیگاں جائیں گی۔⁽⁷⁾ امریکی چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف جنرل مائز تو اس حد تک گئے کہ انھوں نے برملا کہا: ”ہمارا ہدف کبھی بھی اُسامہ بن لادن کی گرفتاری نہیں رہا۔“⁽⁸⁾ مشرف نے بھی ایسے کسی ممکنہ معاہدہ کو امریکی دباؤ کے تحت ویڈیو کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔⁽⁹⁾ امریکہ نے بانگ ذیل اعلان کر دیا: ”ہمارے مطالبات غیر مبہم ہیں اور ان پر کوئی مذاکرات نہیں ہو سکتے۔“

9 اکتوبر 2001ء کو نیویارک ٹائمز نے خبر لگائی کہ طالبان لیڈر شپ کے بعض ارکان پاکستانی اہلکاروں کے ساتھ پرسوں خفیہ مذاکرات کر چکے ہیں کہ اُسامہ بن لادن کی حوالگی پر تیاری کی کوشش کریں گے، بشرطیکہ امریکہ دو تین دن کے لئے بمباری کا سلسلہ بند کر دے۔ ٹائمز نے لکھا: ”پاکستانی اور امریکی اہلکار اس معاملہ میں منحصر میں گرفتار ہیں کہ ایسا کرنے سے تو معاملہ سلجھ جانے کے مواقع سامنے آ جائیں گے جبکہ نبش مسلسل دباؤ ڈالتا رہا ہے کہ وہ کسی قسم کے مذاکرات نہیں کرے گا، یہاں تک کہ اُسامہ کی حوالگی کے متعلق کسی قسم کی شرط کو کسی بھی صورت میں زیر بحث نہیں لایا جائے گا۔“ ایف بی آئی کے دریدہ دہن ایجنٹ رابرٹ رائٹ نے اے بی سی نیوز کو بتایا کہ ایف بی آئی ہیڈ کوارٹر کسی قسم کی گرفتاریوں میں دلچسپی نہیں رکھتا۔⁽¹⁰⁾ نومبر 2001ء میں امریکی ایئر فورس کی طرف سے شکایت آئی کہ اس نے

بڑی تعداد میں طالبان اور القاعدہ کے سرکردہ لیڈروں کو نشانہ میں لے لیا تھا، لیکن حملہ اس وجہ سے نہ ہو سکا کہ اُن کو بروقت اور فوری طور پر اجازت نہ مل سکی۔^(۱۱)

یہ واقعاتی شہادتیں امریکی حکومت کے ان دعوؤں کے خلاف پڑتی ہیں جو وہ پہلے ہی دن سے کرتی آرہی ہے۔ درحقیقت جنگ کی منصوبہ بندی تو بہت پہلے ہی کر لی گئی تھی۔ اس کے لئے سٹیج تیار ہو چکا تھا۔ اُسامہ کو صرف اور صرف افغانستان پر حملہ کا بہانہ بنایا گیا۔ امریکہ کا بے لچک رویہ اس کی اس پالیسی کی غمازی کر رہا تھا کہ وہ جارحانہ جنگ کے کسی بھی متبادل کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ منطق کا تقاضا تو یہ تھا کہ امریکہ کی بنیادی غرض اصل مجرموں تک رسائی ہوتی نہ کہ دروازوں کو کسی ایسے حل کے لئے بند کرنا کہ پہلے سے طے شدہ جنگ، خونریزی، جارحیت اور قبضہ کی راہ میں رکاوٹ کھڑی ہو۔ امریکہ کی یہ بھی ذمہ داری تھی کہ اپنے وعدہ کے مطابق شواہد پیش کرنے کے علاوہ مذاکرات کو جاری رکھنے کے لئے مزید وقت دینے پر راضی ہو جاتا۔^(۱۲)

برطانوی پارلیمنٹ میں اعتراضات پر وزیراعظم ٹونی بلیر نے 14 اکتوبر 2001ء کو کاغذات کا ایک بنڈل پیش کیا جس میں شامل مواد ٹھوس ثبوت فراہم کرنے کی بجائے زیادہ تر بہانہ سازی اور جھوٹ پر مشتمل تھا۔ ثبوت تو تب مہیا کیا جاسکتا تھا جب یہ امریکی یا برطانوی انتظامیہ کے پاس موجود ہوتا۔ سیکرٹری آف سٹیٹ کولن پاول ثبوت مہیا کرنے کے اس بنا پر حق میں تھا کہ اس طرح یہ عمل بھی اتحادی ملنے میں معاون ثابت ہوگا۔ سی آئی اے کے ڈائریکٹر جارج ٹینٹ نے مزید یہ بھی کہا تھا کہ اگر ثبوت مہیا کیا جاسکے تو اس سے طالبان کو تقسیم کرنے کی راہ ہموار ہو سکے گی۔ لیکن ڈیفنس سیکرٹری رمزفیلڈ کسی ایسے ڈاکومنٹ کو سامنے لانے کے شدید خلاف تھا، جس سے انہیں اپنی آئندہ مہم جویوں کے لئے ایک مشکل صورت حال کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا، جن کے لئے ثبوت کی دستیابی ممکن نہ ہوتی۔ وہ یہ جانتا تھا کہ افغانستان پر حملہ کے جواز کے لئے کوئی شافی ثبوت موجود نہیں اور یہ کہ کوئی جھوٹا ثبوت گھڑنا بھی کافی وقت کا متقاضی ہوگا۔ اس کا اٹھول کامیاب ہو گیا، خصوصاً اس وقت جب اسلامی ملک ہوتے ہوئے پاکستان نے سب سے پہلے امریکہ کی سرکاری کہانی کو من و عن تسلیم کیا، جس کی وجہ سے ثبوت کی بجائے اسے (امریکہ کی) پشتی مل گئی۔^(۱۳) اس بات کی کوئی اہمیت نہیں کہ طالبان کسی ثبوت کو تسلیم کرتے، اہمیت اس بات کی ہے کہ دنیا خصوصاً مسلم دنیا اس کو تسلیم کرتی اور نتیجتاً ان کا جھکاؤ اور زیادہ امریکہ کے حق میں ہو جاتا۔

بُش کے گزشتہ بیان سے امریکی انصاف کا معیار نکھر کر سامنے آتا ہے۔ امریکہ نے یہ موقف اپنا رکھا تھا کہ ”دہشت گردوں“ کو مروجہ قانون کے تحت نہیں بلکہ سپیشل ملٹری ٹریبونلز میں مقدمات کا سامنا کرنا ہوگا۔ ان کی یہ بات اُن کے دُنیا بھر میں عقوبت خانوں کے قیام سے واضح ہو جاتی ہے، خصوصاً افغانستان میں، جس کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ اسے ”طالبان“ کے ”مظالم“ سے واگزار کیا جا رہا ہے۔ بنا بریں امریکہ کے دعوؤں کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، اور بعد کے واقعات کی روشنی میں یہ بے بنیاد ثابت ہو بھی گئے۔ اگر مذاکرات جاری رہتے تو ضرور القاعدہ لیڈروں کو کسی غیر جانبدار ملک کے حوالے کرنے کی بات بھی بطور مطالبہ سامنے آ جاتی۔ ایسی تمام چیزیں طالبان کی طرف سے تیار کردہ تجاویز میں موجود تھیں۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ایک ”بین الاقوامی ٹریبونل برائے مقدمات دہشت گردی“ کے قیام کا مطالبہ سامنے آتا، لیکن افسوس کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ پُر امن حل کی کسی بھی تجویز نیز بین الاقوامی فوجداری قوانین کی اس معاملہ میں توسیع کی ہر کوشش کو مسترد کرنے پر اُدھار کھائے بیٹھی تھی۔ امریکہ کا موقف حق بجانب اس صورت میں قرار پاتا اگر وہ ثبوت پیش کرتا جس کا خود اس نے وعدہ کیا تھا۔ اگر طالبان تمام شہادتوں (اگر وہ پیش کی جاتیں) کو مسترد کرتے تو اس صورت میں امریکہ کو مسلح اقدام کے لئے اخلاقی جواز ہاتھ آ جاتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مذاکرات اگر ہو بھی جاتے تو وہ بُش کے ملٹری آپشن کو نالے والے نہ تھے۔ اس کا پہلے ہی سے فیصلہ ہو چکا تھا۔ البتہ امریکہ کو اپنی یلغار کے لئے مزید تائید ضرور مل جاتی، اگر وہ محض دکھاوے ہی کے لئے مذاکرات کا ڈھونگ رچانے پر آمادہ ہو جاتا۔ دوسری طرف اگر اُسامہ کو ایک تیسرے فریق (او آئی سی یا پاکستان جیسا کہ طالبان کی تجویز تھی) کی تحویل میں دیا جاتا تو یہ اور بہتر ہوتا۔ اس لئے کہ امریکہ کو طالبان میں کوئی اور دلچسپی سوائے اس کے نہ ہونی چاہیے تھی کہ وہ دہشت گردوں کو ٹھکانہ نہ فراہم کریں۔ کسی بھی قسم کے مذاکرات کو تحارت کے ساتھ ٹھکرا کر امریکہ کے اس دعوے کا پول کھل گیا کہ ان کی طالبان حکومت گرانے میں کوئی دلچسپی نہیں، اور یہ واضح ہو گیا کہ امریکہ کی ہر تدبیر صرف اور صرف اسی ایک ہدف (طالبان حکومت کے خاتمہ) کو حاصل کرنے کے لئے کی گئی تھی۔

ستمبر کے آخر میں 37 ممالک میں ایک گیلپ سروے میں یہ سوال پوچھا گیا تھا کہ اگر دہشت گردوں کی شناخت ایک دفعہ ہو جائے تو امریکی حکومت کو کیا کرنا چاہیے؟ آیا اسے

ان ممالک پر حملہ کرنا چاہیے جہاں ان دہشت گردوں کو پناہ مل رہی ہے، یا امریکہ کو ان (دہشت گردوں) کی حوالگی کا مطالبہ کرنا چاہیے، تاکہ ان پر مقدمہ چلایا جاسکے۔ صرف ریاست ہائے متحدہ امریکہ، اسرائیل اور بھارت (جو پہلے ہی سے ”دہشت گردوں“ کے ساتھ مصروف جنگ تھے) میں اکثریت نے جنگ کے حق میں رائے دی۔ 80 فی صد یورپین، 90 فی صد ساؤتھ امریکن، 80 فی صد بوسنیائی اور 69 فی صد پاکستانیوں نے حوالگی اور مقدمہ چلانے کے حق میں رائے دی۔ پاکستان اور بوسنیا صرف دو مسلمان ملک تھے، جن میں یہ سروے کیا گیا۔ یہ وہ مناسب، قابل فہم اور منطقی رد عمل تھا جو ایک پہلے سے طے شدہ جنگ کے مقابلے میں سامنے آنا چاہیے تھا۔ امریکہ نے زیادہ سے زیادہ ہمدردی حاصل کرنے کے لئے جھوٹ اور افتر پردازی کا ایسا طوفان برپا کیا کہ طالبان کے ساتھ مذاکراتی حل کسی بھی صورت میں ترجیحی حیثیت حاصل نہ کر سکا۔ نہ صرف اتحادیوں کی اکثریت بلکہ بعض حریفوں (جیسے روس اور بھارت) نے بھی اپنے اپنے ایجنڈے کی وجہ سے امریکہ کو حمایت کا یقین دلایا۔ اور تو اور چین اور دیگر علاقائی قوتوں جیسے وسطی ایشیائی ریاستوں، سعودی عرب اور ترکی نے بھی امریکہ کو غیر مشروط طور پر اپنے اڈوں اور فضا کو استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔ بعض مسلم حکمرانوں کو ترغیبات کے ذریعے اور بعض (جیسے پرویز مشرف) کو جنگ کی دھمکی کے ذریعے ڈرا دھمکا کر امریکہ نے اپنا ہمنوا بنالیا۔

طالبان کے متعلق بے تحاشا کذب بیانی کے ذریعے پہلے ہی سے عوام کے ذہن کو مگد رکھا جا چکا تھا۔ چند ادھر ادھر کے معمولی حادثات اور کوتاہیوں کو بھونڈے انداز میں اور بڑھا چڑھا کر اچھالا گیا۔ بہت سے لوگ خصوصاً وہ جو طالبان کے ساتھ اس غرض سے سکونت پذیر ہو گئے تھے کہ وہ ان کے خلاف لگائے گئے الزامات کا خود مشاہدہ کر سکیں، اس حقیقت کی گواہی دے رہے ہیں کہ طالبان کے متعلق اکثر و بیشتر بہت ہی ”مصدقہ“ دعوؤں کی بھی درحقیقت کوئی بنیاد موجود نہیں۔ حوالگی اور مقدمہ جیسے متبادل کو پس پشت ڈال کر جب جنگ شروع کی گئی تو مغربی ملکوں کے بہت سے وہ لوگ جو پہلے جنگ کے حق میں تھے، عام شہریوں کے بے تحاشا جانی نقصان پر چیخ اٹھے۔ جن قوتوں نے امریکہ کی عملی طور پر فوجی امداد کی، ان کی اکثریت مغربی ملکوں پر مشتمل تھی۔ تاہم جن ملکوں کی مسلح افواج نے سب سے زیادہ سرگرمی دکھائی، وہ امریکہ، برطانیہ، کینیڈا، اور آسٹریلیا ہی کی فوجیں تھیں۔

امریکہ کی جانب سے جابر مسلم حکمرانوں کی طرف داری، عراقیوں کی ہلاکتوں، مسلم ممالک میں امریکی فوجوں کی موجودگی اور فلسطینیوں کے مقابلے میں اسرائیل کی بے جا حمایت کے خلاف اُسامہ کے اعلانات سے مسلم دُنیا آگاہ بھی تھی اور مشوش بھی۔ یہ مسلم حقائق تھے جو ٹھوس شواہد پر مبنی تھے۔ ان حالات میں ٹوئی بلیئر نے اُسامہ کے پیغام کو غیر موثر بنانے اور طالبان پر حملہ کے لئے سازگار ماحول پیدا کرنے کے لئے نہ صرف مشرق وسطیٰ امن مذاکرات کی دوبارہ بحالی کی وکالت شروع کی، بلکہ امن کے خاطر ایک فلسطینی ریاست کے قیام کو بھی ناگزیر قرار دیا۔⁽¹⁴⁾ 15 اکتوبر 2001ء کو یاسر عرفات کے ساتھ ملاقات کے بعد ٹوئی بلیئر نے اعلان کیا کہ ”ہمارا مقصد انصاف کی بنیاد پر ایک ایسے امن کا قیام ہے جس میں اسرائیلی اور فلسطینی اپنی اپنی ریاست میں محفوظ و مامون رہ کر ترقی کی منازل طے کر سکیں۔ اس کے لئے ایک پاسدار فلسطینی ریاست کا قیام ہونے والے ممکنہ معاہدے کا حصہ ہونا چاہیے۔“⁽¹⁵⁾ ان بیانات کی حقیقت ان جھوٹے وعدوں سے زیادہ ثابت نہ ہو سکی، جو 1991ء کی میڈرڈ کانفرنس میں امریکہ اور اس کے حواریوں نے فلسطینیوں اور دیگر مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے کئے تھے۔

بعض مسلمانوں کی جانب سے 9/11 کے متعلق امریکہ کی سرکاری کہانی کو تسلیم کر لینے کے باوجود دوسرے بہت سے لوگوں نے جو اُسامہ اور ان کے ساتھیوں کی استعداد اور اس قسم کے حملوں کے لئے درکار مہارت کی باریکیوں کی شدہ رکھتے تھے، ان الزامات کو یکسر مسترد کر دیا۔ 9/11 مہم کی کامیاب تکمیل سے شہ پاکر بُش اب اپنی پہلے سے طے شدہ جنگ کے لئے لفظ ”کروسید“ استعمال کرنے لگا، جو بہر حال بُش کے مسلمانوں (مسلم حکمرانوں) کے ساتھ جوڑ پیدا کرنے کے حوالے سے ایک نقصان دہ اصلاح تھی۔ امریکی میڈیا اصل ایٹوز کو زیر بحث لانے کی بجائے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جذبات اُبھارنے کے عمل میں مصروف رہا۔ ”وہ ہم سے کیوں نفرت کرتے ہیں؟“ قسم کے سوالوں کو سامنے لا کر اسلام اور 1.2 بلین مسلمانوں کے فطری جذبوں پر انگشت نمائی کی جاتی رہی۔ نیویارک ٹائمز جیسے مرکزی اخبار نے پے در پے جو سرخیاں لگائیں وہ کچھ اس طرح تھیں ”یہ مذہبی معرکہ ہے، 11 ستمبر صرف شروعات تھیں“⁽¹⁶⁾ ”ہاں، یہ اسلام ہی کے متعلق ہے“⁽¹⁷⁾ ”اسلامی تشدد کی اصل حقیقت“⁽¹⁸⁾ ”جہاد 101۔“⁽¹⁹⁾ ”اسلامی دہشت گردی کی گہری جڑیں“⁽²⁰⁾ ”مذہبی اور سیکولر ریاست“⁽²¹⁾ ”رکپلنگ وہ سب کچھ جانتا تھا جو امریکہ اب سمجھے گا“⁽²²⁾ ”الجزیرہ جسے مسلم دُنیا

دیکھتی ہے (23) ”اسلام کی بغاوت (24)“ ”واحد سچا مذہب (25)“ ”مقدس جنگجوؤں کی نئے محاذ پر اُرنی جنگوں کا پھیلاؤ (26)“ ”مغرب کے خلاف بیجان انگیز احتجاج جو قدیم و جدید مٹا صہوں کو بے نقاب کرتا ہے۔ (27)“

ایسے شواہد موجود ہیں جو 9/11 دہشت گرد حملوں کے متعلق سرکاری توجیہ کو ناقابل یقین بنانے کے لئے کافی ہیں۔ سرکاری توجیہ کی تیاری اعلیٰ سطح پر نہایت پیچیدہ اور باریک فنی مہارت کے ساتھ افغانستان پر پہلے سے طے شدہ حملے کے بہانہ کے طور پر کی گئی۔ اس کتاب کے باب سوم میں وہ بنیادی مقصد زیر بحث لایا جائے گا جو اس کے موا اور کچھ نہ تھا کہ طالبان کی یہ تحریک کہیں آگے بڑھ کر مسلم دنیا کو نوآبادیاتی قبضہ سے (جو مختلف شکلوں میں اب بھی موجود ہے) چھٹکارا دلانے کے لئے ایک عالمی اسلامی تحریک نہ بن جائے۔ سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ امریکہ نے 25 دن کی قلیل مدت میں افغانستان پر حملہ آور ہونے کا معجزہ کر دکھایا، جبکہ اور جنگی مہمات خصوصاً کویت کی ”مد“ کے لئے عراق پر حملہ آور ہونے کے لئے اُسے ساڑھے چار مہینے لگے۔ یہ حقیقت اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ افغانستان پر حملہ کا منصوبہ بہت پہلے تیار ہو چکا تھا۔ یاد رہے کہ افغانستان پر 17 اکتوبر 2001ء کو حملہ کیا گیا، جو 9/11 سے صرف 25 دن بعد تھا۔ بُش انتظامیہ نے 25 دن کے اس وقفے کو اس بہانہ کے لئے استعمال کیا کہ وہ اس مشکل مسئلہ کا کوئی سفارتی حل ڈھونڈ نکالنا چاہتی ہے، مگر یہ دیر صرف اس لئے لگائی گئی کہ بقیہ فوجی یونٹس اور سامانِ حرب کو متعین جنگی محاذوں پر منتقل کیا جاسکے۔ نیز یہ وقفہ تعاون میں پس و پیش کرنے والے بعض ملکوں جیسے ازبکستان اور تاجکستان کو آنکھیں دکھانے کے لئے استعمال کیا گیا، تاکہ زمینی ٹھکانے اور فضائی حدود کو استعمال کرنے کے حقوق حاصل کئے جاسکیں۔ امریکہ کو مسلم ممالک پر قابض اپنے ”حلیفوں“ کے غیر مستحکم ہونے کی بھی فکر دامن گیر تھی۔ جس کے لئے وہ کچھ پیش بندی کرنا چاہتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ بُش انتظامیہ کا کسی قسم کی سفارت کاری کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس نے مسلسل یہ رٹ لگائے رکھی کہ کوئی بھی مکالمہ نہیں ہوگا۔

9/11 کے بعد امریکہ کا افغانستان سے جو مطالبہ تھا اصولی طور پر وہ کسی بھی خود مختار ملک کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتا تھا، خصوصاً جب امریکہ اُسامہ کے 9/11 میں ملوث ہونے کے متعلق ثبوت پیش کرنے کے وعدے سے منحرف ہوا۔ (28) اس کے باوجود طالبان اُسامہ کو کسی غیر جانبدار فریق کو حوالے کرنے پر باہم گفت و شنید کے لئے راضی تھے۔ ایک ایسا بندوبست کیا

جا چکا تھا کہ اُسامہ کے خلاف پاکستان میں ایک ٹریبونل میں مقدمہ چلایا جائے اور وہ یہ فیصلہ کرے کہ آیا اُسے امریکہ کے حوالہ کیا جائے یا نہیں۔ تاہم امریکی حکومت اس پر بھی راضی نہ ہوئی۔ اس کی ”سفارت کاری“ صرف اور صرف طالبان کو ہٹانے اور جنگ کا راستہ ہموار کرنے کے لئے تھی۔ اس کے باوجود امریکی جنگ کو ”دہشت گردی“ کے خلاف جنگ کا نام دے دیا گیا۔ شمالی اتحاد جس کے ساتھ امریکہ نے طالبان حکومت کے خاتمہ کے لئے رفاقت کر لی، خود دہشت گردوں کا ایک ایسا گروہ ہے جو تشدد، خونریزی اور عورتوں کی آبروریزی کے لئے شہرت رکھتا ہے۔⁽²⁹⁾

سب سے زیادہ مضحکہ خیز چیز جو افغانستان پر طے شدہ منصوبہ کے مطابق حملہ کرنے کے حوالے سے سامنے آئی، وہ 9/11 کے وقوع پذیر ہونے کے چند ہی لمحوں بعد مجرموں کی نشاندہی تھی۔ یہ بات تو قابل فہم ہے کہ ایسے حالات میں مشکوک لوگوں کی ایک فہرست ذہن میں آجائے، لیکن کسی مخصوص فرد کو اتنے یقین کے ساتھ مجرم نامزد کرنا، محل نظر معلوم ہوتا ہے اور یہ کام اس لئے کیا گیا کہ کسی دوسرے ملک پر حملہ کے لئے جواز پیدا کیا جاسکے۔ حملہ کے چند منٹوں بعد ہرٹی وی چینل پر ”سیاست کاروں“ اور دہشت گردی سے متعلق ”ماہرین“ کی قطاریں لگی ہوئی نظر آنی شروع ہوئیں، جن میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ یہ حملہ اسامہ بن لادن ہی کی کارستانی ہے۔ چند ہی گھنٹوں کے اندر ایف بی آئی کے ایجنٹوں نے فلوریڈا میں ایک نامزد ملزم کے گھر چھاپہ مارا اور چند ہی دنوں میں تمام 19 کے 19 ہائی جیکروں کی مکمل ”شناخت“ کا اعلان کر کے ٹی وی سکرین پر ان کے چہرے دکھانا شروع کر دیئے گئے۔ یہ سب کچھ بہت ہی نامعقول لگتا ہے۔ اگر صحیح معلومات کا حصول اتنی جلد ممکن تھا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر امریکی حکومت نے ان حملوں کے تدارک کے لئے اقدامات کیوں نہیں کئے؟ پرویز مشرف نے بھی امریکہ کی طرف سے دیئے ہوئے شواہد کا ذکر کیا تھا، جس کی بنا پر وہ عدالتی کارروائی کو حق بجانب سمجھتا تھا۔⁽³⁰⁾ تاہم کئی سال گزرنے کے باوجود ابھی تک ان شواہد کا ایک شوشہ بھی کہیں نظر نہیں آیا۔ چند ہی دنوں بعد امریکی اہلکار اُسامہ کے ”جرم“ کے سو فی صد یقینی ہونے کا دعویٰ کرنے لگے، جس کے لئے وہ یہ مضحکہ خیز دلیل دے رہے تھے کہ ”اس کی فنگر پرنٹس“ ہر جگہ موجود ہیں۔⁽³¹⁾

امریکی دعویٰ کی نامعقولیت اُس وقت اور بھی عیاں ہو کر سامنے آ جاتی ہے جب اسے اس وقفہ کے حوالہ سے دیکھا جائے جس میں فرد جرم عائد کی گئی۔ اتنا قلیل وقت تو اس قسم

کے پیچیدہ معاملہ کے لئے تفتیشی کارندے اور بنیادی عوامل مہیا کرنے کے لیے کمیٹی کے قیام کی خاطر گفتگو کے لئے بھی کفایت نہیں کرتا۔ یہ واضح ہے کہ امریکی حکمران 9/11 سے نہ صرف یہ کہ خوش تھے بلکہ وہ 9/11 کے واقعات کو بہانہ بنا کر افغانستان پر حملہ کرنے کے لئے بالکل تیار تھے۔ افغانستان پر حملہ (اور طالبان کی اسلامی حکومت کے خاتمہ) کے منصوبے کے پہلے سے طے شدہ ہونے کے متعلق بہت ہی قابل یقین معلومات دستیاب ہیں، جن کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

"Janes Intelligence Review" کے مطابق انڈیا نے مارچ 2001ء میں امریکہ کے افغانستان کے خلاف منصوبوں میں شرکت اختیار کی تھی۔⁽³²⁾ راہول بیدی کی رپورٹ "India Joins Anti Taliban Coalition" کے مطابق "افغانستان میں طالبان حکومت کے خلاف روس، امریکہ اور ایران کے متحدہ محاذ میں بھارت کی شرکت یقینی امر ہے"

شیریں مزاری نے جو اسلام آباد میں انسٹی ٹیوٹ آف سٹریٹجک سٹڈیز میں بطور ڈائریکٹر کام کرتی ہیں، (اب اپنے بے لاگ تجزیوں کی بنا پر انہیں وہاں سے فارغ کر دیا گیا ہے۔ از مترجم) "دی نیوز" کی اشاعت بابت 23 اگست 2001ء میں لکھا "..... امریکہ دھیرے دھیرے طالبان حکومت کے خلاف فوجی کارروائی کی طرف گامزن ہے۔ اس کی اُسامہ کو حاصل کرنے کی پہلے کی گئی کوشش بُری طرح ناکام ہونے کا اُسے سخت صدمہ ہے۔ کیوں نہ ہو، وقت کی واحد سُرپا اور چند بد حال افغانوں کی ٹولی سے جو اپنے آپ کو طالبان کہلاتے ہیں، اُسامہ کو حاصل نہ کر سکی۔ اب امریکہ اس جال کو وسیع کر کے اُسامہ کی بجائے طالبان پر ہاتھ ڈالنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ یہ عمل طالبان پر پابندیاں لگانے کے ساتھ ہی شروع ہوا، جبکہ فرانس، روس اور بھارت نے شمالی اتحادیوں کو پوری طرح مسلح کرنا شروع کر دیا ہے۔ پابندیوں کے ساتھ ساتھ امریکہ نے افغان شہریوں کو امداد براہ راست دینا شروع کر دی ہے، تاکہ طالبان حکومت کو اندر سے متضلل کیا جاسکے۔ یہ تمام اقدامات امریکہ کے لئے طالبان کو بے دخل کرنے میں بار آور ثابت نہ ہو سکے۔" ⁽³³⁾

امریکی منصوبوں کے آثار بہت پہلے سے نمایاں تھے۔ 7 فروری 2001ء کو سی آئی اے کے ڈائریکٹر جارج ٹینٹ نے انٹیلی جنس سلیکٹ کمیٹی کو بتایا:

”ہمارا گزشتہ سال کے دوران مشاہدہ بتاتا ہے کہ افغانستان اندرونی توڑ پھوڑ اور بربادی کی طرف جا رہا ہے، کیونکہ افغان سول وار مستقبل میں جاری رہے گی۔ دوسرے فرقوں اور شیعہ اقلیت کی مخالفت کے باوجود طالبان اپنا ریڈیکل اسلام تمام افغانستان پر ”ٹھونسنا“ چاہتے ہیں۔ یہاں کی افراتفری کا ماحول، منشیات کے کاروبار، عناص اور کشمیر، چینپنیا اور وسطی ایشیائی ریاستوں میں مصروف عمل شدت پسند اسلامی گروپوں کے لئے ایک پناہ گاہ مہیا کر رہا ہے۔“ (34) ٹینٹ کے اور بھی کئی بیانات موجود ہیں۔ طالبان کے خلاف جنگی مہم کو دوام دینے کے لئے ٹینٹ کے ذہن میں کم از کم دو پلان موجود تھے، جنہیں ”نیشنل سکیورٹی پریزیڈنشل ڈائریکٹو“ اور ”80 ممالک پر مشتمل حملہ پلان“ سے موسوم کیا گیا تھا۔ مؤخر الذکر کو ”The World Wide Attack

Matrix“ کا نام بھی دیا گیا۔

جنوری 2002ء کے واشنگٹن پوسٹ نے لکھا کہ ”سی آئی اے ڈائریکٹر جارج ٹینٹ نے احساس فکر مندی کے ساتھ لانگلے (سی آئی اے ہیڈ کوارٹر) میں مصروف عمل رہنے کے بعد شمالی اتحاد کے لئے امداد کی جو سفارش کی، اس میں نقد رقم، انٹیلی جنس سروس، حفاظتی سامان اور سردی کے کپڑے شامل تھے، جن کی مالیت 125 تا 200 ملین ڈالر تھی۔“ (35)

18 ستمبر کے واشنگٹن پوسٹ میں باب ووڈورڈ نے لکھا کہ ”افغانستان میں سی آئی اے کے پیرالمٹری یونٹس گزشتہ 18 مہینوں سے موجود ہیں۔ ان میں سے کچھ جنوبی افغانستان میں طالبان کے زیر اثر علاقوں میں قبائلی اور جنگجو سرداروں کے اشتراک میں اپنے ایک اچھے خاصے نیٹ ورک کے قیام کے لئے کام کر رہے ہیں۔“ (36) یہ بات اس امر کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ امریکہ کتنی طویل اور پہلے سے طے شدہ جنگ کو افغانستان پر مسلط کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

ازبکستان نے بھی بعد میں اعتراف کیا کہ وہ گزشتہ دو تین سال سے (37) امریکہ کے ساتھ مل کر طالبان حکومت کے خلاف درپردہ آپریشن میں مصروف رہا ہے، اور اُس نے امریکی

افواج کی وسط ستمبر 2001ء میں ایک بڑی فوجی مشق کے متعلق بھی بتایا۔⁽³⁸⁾ دراصل 1999ء کے دوران سی آئی اے کو افغانستان میں ایک متروک ہوائی میدان ملا تھا، اور اس نے اس میدان میں اپنے ایجنٹوں کو اُتارنے اور چڑھانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس میدان کو بعد میں جنگ کے ابتدائی عرصے میں آپریشن بیس کے طور پر زیر استعمال رکھا گیا۔ اسی سال سی آئی اے اور این ایس اے نے ایک مشترکہ منصوبے کے تحت افغانستان میں القاعدہ کے کمیونیکیشن سسٹم کی رینج میں سماعتی آلات نصب کر دیئے۔

قابل اعتماد مغربی ذرائع کا کہنا ہے کہ امریکہ نے 2001ء کے موسم گرما کے اختتام پر حملہ کے لئے ایک عارضی پلان تیار رکھا تھا۔⁽³⁹⁾ قابل غور بات یہ ہے کہ جب گرفتار شدہ اُسامہ کو افغانستان سے اُٹھانے کے لئے ہوائی میدان کا تعین اور القاعدہ کے کمیونیکیشن سسٹم کی مانیٹرنگ کا انتظام ہو چکا تھا تو پھر تو اُسامہ کی گرفتاری بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ پھر کیوں اُسے نہ پکڑا گیا اور نہ مارا گیا اور نہ 9/11 کے کچھ نشان بظاہر حاصل کئے جاسکے۔ جواب بالکل سادہ ہے کہ مقصد اُسامہ کی گرفتاری تھا ہی نہیں بلکہ طالبان ہی اصل ہدف تھے۔

1999ء کے اواخر میں سی آئی اے کے ڈائریکٹر جارج ٹینٹ کا بیان آیا تھا کہ سی آئی اے نے افغانستان اور دوسرے ملکوں میں اُسامہ اور اُن کے قریبی ساتھیوں پر ہاتھ ڈالنے کے لئے اپنے ایجنٹوں کا ایک نیٹ ورک قائم کیا ہوا ہے۔⁽⁴⁰⁾ 9/11 کے وقوع کے بعد جارج ٹینٹ نے کہا ”یہ انسولنی نیٹ ورک اور ساز و سامان کی بہم رسانی کے انتظامات دراصل اس لئے ہیں کہ جب (اکتوبر 2001ء) طالبان حکومت گرانے اور القاعدہ کو تباہ کرنے کے لئے فوجی کارروائی کی جائے تو ہمارے پاس تفصیلی معلومات اور ساز و سامان کی پوری کھپت موجود ہو، تا کہ اس سے مہم کی تکمیل میں پوری مدد مل سکے۔“⁽⁴¹⁾ ایک اوسط ذہن کا آدمی بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ اتنی وسیع تیاریاں کسی بھی صورت میں اُسامہ کی گرفتاری کے لیے نہیں ہو سکتیں، جن کا اب تک کوئی ٹھکانہ معلوم نہ ہو سکا، جبکہ اصل مدعا یعنی طالبان حکومت کا خاتمہ حاصل کیا جا چکا ہے۔ وسطی ایشیاء میں اپنے اثر و رسوخ کے نفوذ کے لئے 2000ء کے اوائل میں خاموشی کے ساتھ امریکہ نے گریجزستان، ازبکستان اور قازقستان کے ساتھ فوجی سطح پر مضبوط تعلقات قائم کئے۔ ان ملکوں کے فوجیوں کو امریکہ تربیت دے رہا تھا۔ اس مقصد کے لیے تینوں ملکوں کو تین امریکی ریاستوں کے نیشنل گارڈز کے ساتھ فوجی روابط کے لئے منسلک کیا گیا۔ قازقستان کو اریزون،

کرغیزستان کو موٹانا اور ازبکستان کو لوسیاناسٹیٹ کے ساتھ نتھی کیا گیا۔ ان ملکوں نے نیٹو (NATO) کے ”Partnership of peace programme“ میں بھی شرکت کی۔⁽⁴²⁾

اپریل 2000ء میں امریکہ نے عراق پر اسرئیل حملہ کرنے کے لیے خلیج کی ریاست قطر میں واقع اپنے اہمید ملٹری بیس کی توسیع کے لئے بلین ڈالر کی منظوری دے دی۔⁽⁴³⁾ یہ نیا ہیڈ کوارٹر دراصل متعدد ماڈولر (Modular) عمارات پر مشتمل کمپلیکس تھا، جو جنرل فرینکس کو انہی کاموں کو قطر میں سرانجام دینے کی سہولت دے رہا تھا جو وہ ٹامپا (Tampa) میں کر رہا تھا۔⁽⁴⁴⁾ یاد رہے کہ ٹامپا مغربی فلوریڈا میں خلیج ٹامپا پر واقع بندرگاہ ہے۔ قطر میں یہ چھاؤناں علاقائی ہیڈ کوارٹرز کے طور پر استعمال کی جانے لگیں۔ 1990 کے دوران اس خطے میں اس طرز پر درجنوں سہولیات کا انتظام کیا گیا۔⁽⁴⁵⁾ ان کی اہمیت کا اعتراف بعد میں بش نے ان الفاظ میں کیا تھا۔ ”قطر کی ان چھاؤنیوں نے ہمیں افغانستان میں طالبان اور القاعدہ کے خلاف فیصلہ کن حملوں کے سلسلہ میں اپنی فورسز کو کمان کرنے میں وہی مدد دی ہے جو ہم ٹامپا ہیڈ کوارٹر سے لے رہے تھے۔“⁽⁴⁶⁾

واشنگٹن پوسٹ کی 19 دسمبر 2000ء کی رپورٹ کے مطابق امریکی، روسی اہلکاروں کے ساتھ افغانستان پر فوج کشی کے لئے سلسلہ جہانی شروع کر چکے تھے۔ اس سلسلہ میں اسٹنٹ سیکرٹری آف سٹیٹ کارل انڈر فرتھ بھارتی حکومت میں روسی دوستوں سے اس بات پر مشورہ کر رہے تھے کہ طالبان کی جگہ کس قسم کی حکومت لائی جائے۔ بظاہر افغان مسئلہ کے فوجی حل کی مخالفت کا لبادہ اڑھ کر امریکی حکومت پورے افغانستان کو کنٹرول کرنے والی (طالبان) حکومت کے خلاف ایسی فرضی حکومت قائم کرنے کی سازش کرنے چلی، جس کا کاغذ پر بھی کوئی وجود نہیں تھا۔⁽⁴⁷⁾ امریکہ، بھارت، روس اور ایران کا طالبان کے خلاف گٹھ جوڑ کا تذکرہ جینر انٹیلی جنس ریویو کے حوالہ سے پہلے ہو چکا ہے۔

اٹانٹس فرانس پریس نے جوائنٹ فورسز کے چیف جنرل کرمان کی طرف سے 11 ستمبر 2001ء کے بعد ”آپریشن بحالی آزادی“ کے متعلق دی گئی تفصیلات کی رپورٹ دی، جبکہ مرکزی کمان میں اس رپورٹ کا جائزہ مئی 2001ء میں لیا گیا تھا۔⁽⁴⁸⁾

امریکی جنرل ٹوی فرینکس جو بعد میں قابض افواج کا چیف بنا دیا گیا، تاجکستان کے دورہ کے دوران اُسے فوجی امداد کی پیشکش کر چکا تھا۔ فرینکس اس سے پہلے بھی محکمہ دفاع کے بعض دیگر افروں کے ساتھ ستمبر 2000 میں وہاں کا دورہ کر چکا تھا۔ اخبار ”گارڈین“ کے مطابق کرغیزستان

میں پیشل دتے امریکی رہنبرز کے زیرِ تربیت رہے تھے۔⁽⁴⁹⁾

”نیوز ان سائٹ“ نامی رسالہ کے 28 جون 2001ء کے شمارہ میں بھارتی حکومت کی افغانستان پر امریکہ کے مجوزہ حملہ کی توثیق کا ذکر ہوا تھا۔ مضمون کا نچوڑ یہ تھا کہ اگر اقتصادی پابندیاں افغان بنیاد پرست حکومت کو جھکانے میں ناکام رہیں تو بھارت، ایران اور روس محدود فوجی آپریشن کے لیے امریکہ کی مدد کریں گے۔⁽⁵⁰⁾ اس سے پہلے ”آزاد ریاستوں“ کی کفیلڈریشن کی ایک میٹنگ میں روسی صدر پیوٹن نے بھی اس حملہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس میں ازبکستان اور تاجکستان کے اڈوں اور فوجوں کے علاوہ اپنی (یعنی روسی) شراکت کا بھی تذکرہ کیا تھا۔⁽⁵¹⁾

پاکستان کے ایک سابق سفارتکار نیاز اے نائیک نے بتایا کہ وسط جولائی 2001ء میں انھیں ایک سینئر امریکی اہلکار نے برف باری شروع ہونے سے پہلے زیادہ سے زیادہ وسط اکتوبر تک افغانستان پر چڑھائی کے منصوبہ کے متعلق بتایا ہے۔⁽⁵²⁾ اس نے مزید بتایا کہ افغانستان پر برین سٹارمنگ (Brain Storming) کے سلسلہ میں پس پردہ کانفرنسوں کے سلسلے کا یہ تیسرا اجلاس تھا، جس کا طالبان نے کشیدہ حالات کے مزید بدتر ہونے کے اندیشہ کی وجہ سے بائیکاٹ کیا، جبکہ پہلے دو اجلاسوں میں ان کے نمائندے شرکت کر چکے تھے۔ تاہم پاکستانی آئی ایس آئی اجلاس سے متعلق طالبان کو اطلاعات فراہم کر رہی تھی۔⁽⁵³⁾ اجلاس میں لی کولڈرن نے بُش کے ذمہ داروں کا ایک پیغام بھی پہنچایا۔ بعد میں اس نے بتایا کہ طالبان سے امریکی بیزاری اور اس کے نتیجے میں فوجی کارروائی پر گفتگو کی گئی۔ نیاز اے نائیک کے مطابق امریکہ کسی صورت حملہ کا منصوبہ ترک نہیں کرے گا، خواہ طالبان فوری طور اُسامہ کی حواگی پر تیار ہی کیوں نہ ہو جائیں۔⁽⁵⁴⁾ اس اجلاس میں طالبان کو ایک خصوصی الٹی میٹم یہ دیا گیا کہ وہ کارپٹ گولڈ (ڈھیروں سونا) قبول کریں یا کارپٹ بمبنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔⁽⁵⁵⁾ نیاز اے نائیک کا کہنا ہے کہ یہ بیان ٹام سائمن (Tom Simon) نے دیا، جبکہ ٹام خود یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ”یہ بیان امریکی شرکاء میں سے کسی ایسے شخص کا ہوگا جو زیادہ پینے کی وجہ سے ہوش و حواس کھو چکا ہو“۔ اجلاس کے شرکاء اس سے انکار کرتے ہیں کہ ”پائپ لائن“ اس اجلاس کا کوئی موضوع تھا بھی۔⁽⁵⁶⁾ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ تھیوری ہی غلط ہے کہ امریکہ طالبان حکومت کو گیس پائپ لائن اور معدنی ذخائر تک رسائی کی خاطر گرانا چاہتا تھا۔

2001ء کے موسم گرما کے دوران امریکی ڈیفنس سیکرٹری رمز فیلڈ نے قدیم سلطنتوں میسی ڈوینا، روم اور منگولز کے متعلق ایک سٹڈی کرائی، تاکہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ وہ کس طرح اپنی بالادستی برقرار رکھنے میں کامیاب رہی تھیں۔⁽⁵⁷⁾ 9 ستمبر 2001ء کو القاعدہ کو روئے زمین سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے ایک ”گیم پلان“، بُش کی منظوری کے لیے پیش کیا گیا، جس میں القاعدہ کے خلاف افغانستان میں فوجی کارروائی کے علاوہ سفارتکاری کے مختلف پہلوؤں کا بھی احاطہ کیا گیا تھا۔ این بی سی نیوز رپورٹر جم وکی کے مطابق یہ وہی وار پلان تھا، جسے 9/11 حملوں کے بعد زیرِ عمل لایا گیا۔ امریکی انتظامیہ کا ردِ عمل کے طور پر حملہ اس وجہ سے اتنا فوری طور ممکن ہوا کہ اسے ایک بنے بنائے پلان پر عملی اقدام کرنا تھا اور بس۔⁽⁵⁸⁾

بیان کردہ حقائق سے صاف ظاہر ہے کہ حملہ کا منصوبہ 9/11 سے پہلے تیار ہو چکا تھا، تاہم اس پر عمل درآمد ممکن نہ تھا۔ سینڈی برگر جو کلنٹن کا نیشنل سیکورٹی ایڈوائزر رہ چکا تھا، کا کہنا تھا کہ ”کوئی مجھے ایک رپورٹر، ایک تبصرہ نگار، ایک کانگریس رکن ایسا بتائے جس کا خیال تھا کہ ہم 9/11 سے پہلے افغانستان پر حملہ آور ہوں، تو میں اُسے نیو یارک کے بہترین ریسٹورنٹ میں ڈنڈوں گا۔“⁽⁵⁹⁾

جولائی 2002ء میں ٹونی بلیئر کا یہ (شرمناک) بیان نوٹ کیجئے:

”چکی بات یہ ہے کہ افغانستان کے خلاف اچانک مہم جوئی شروع کرنے پر ہمارے پاس اپنے عوام کی تائید حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ یہ صرف 9/11 کے واقعہ سے ممکن ہوا۔“⁽⁶⁰⁾

اس سے یہ امر یقینی ہو جاتا ہے کہ افغانستان پر یلغار کے معاملے میں عوامی تائید حاصل کرنے کے لیے ایک اور ”پرل ہاربر“ ڈھرانانا گزیر ہو چکا تھا۔

2001 کے موسم گرما کے دوران جبکہ عوام الناس کو میڈیا نے حقائق تک پہنچ پانے سے دور رکھا، امریکی حکومت دوسری حکومتوں کو افغانستان کے ساتھ اکتوبر میں ہونے والی جنگ سے آگاہ کرنے میں مصروف تھی۔ امریکی حکومت کی خوش قسمتی کے کیا کہنے! کہ جب وہ ایک دوسرے ملک پر ایک حکومت کو ہٹانے کے لیے حملہ کی منصوبہ بندی کر رہی تھی، ایک آسان ”دہشت گرد“ حملے نے امریکی عوام کو اس حملہ کی تائید میں لاکھڑا کیا۔

صرف مسلمان اس رائے میں اکیلے نہیں کہ امریکی ایجنسیاں اپنے پہلے سے متعین

کردہ اہداف کے لیے دہشت گردانہ سرگرمیوں کا ارتکاب کرتی رہی ہیں بلکہ بہت سے مغربی تجزیہ نگار بشمول امریکی یہ مانتے ہیں کہ عالمی دہشت گردی کا پروپیگنڈا، بزور طاقت اپنے قبضہ میں لائے گئے ممالک میں ”نام نہاد شورشوں“ اور انٹرکس پارسل بھیجنے جیسے واقعات کے پیچھے ہمیشہ سی آئی اے کا ہاتھ ہوتا ہے۔⁽⁶¹⁾ سابق نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر برزنسکی نے بہت پہلے کہا تھا کہ اپنی عالمی بالادستی کو قائم رکھنے کی خاطر امریکہ کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ کسی بھی حریف قوت کو یوریشیا (یورپ و ایشیا) میں پاؤں جمانے کا موقع نہ دے۔ اس کا قول ہے کہ مختلف الرائے ہونے کے باوجود امریکی قوم بحیثیت مجموعی امریکی قوت کو بیرونی دنیا پر بالادست دیکھنے میں یکسر متفق دکھائی دیتی ہے۔ عوام الناس نے جنگ عظیم دوم میں امریکی مداخلت کی حمایت زیادہ تر جاپان کے ”پرل ہاربر“ پر حملہ کی وجہ سے کی تھی۔ مزید برآں امریکی توسیع پسندی کی عمومی مخالفت کی موجودگی میں بُش کے لیے اپنی وسطی ایشیائی حکمت عملی پر عمل درآمد مشکل ہو جاتا جب تک کہ ایک حقیقی گھمبیر بیرونی خطرہ کا ہوا نہ کھڑا کیا جاتا۔⁽⁶²⁾

9/11 کی مصیبت کے بعد ڈیفنس سیکرٹری رمزفیلڈ نے امریکی قوم اور تہذیب پر بڑے پیمانے پر دہشت گرد حملوں کی پیشین گوئی کی۔ رمزفیلڈ ایسی یقینی پیشین گوئی تب کر سکتا تھا جب 9/11 کے حملوں کے پیچھے اس کے احکام کارفرما ہوں یا پھر دہشت گردوں کے مستقبل کے منصوبے پوری طرح اس کے علم میں ہوں۔ اس ایجنس ٹائم کے دفاعی تجزیہ کار ویلیم ارکن کے مطابق 27 اکتوبر 2002ء کو رمزفیلڈ نے ایک ایسے سپر ایجنس سپورٹ ایکٹیوٹی نیٹ ورک کی بنیاد رکھی جس کے ذریعے سی آئی اے عسکری خفیہ تدابیر، دفاعی اطلاعات اور خبر رسانی اور پُر فریب اقدامات کو مربوط کر کے عالمی سطح پر پھیلتے ہوئے تشدد میں بیجان انگیزی برپا کرے۔⁽⁶³⁾ امریکہ کے افغانستان پر حملہ کی تیاری اور اسی دوران ایک بہت ہی پُر مہارت دہشت گردی کا وقوع محض اتفاقی بات کیسے ہو سکتی ہے؟ بظاہر جنگ کے پیچھے انتقام کا جذبہ تھا اور امریکی قوم اس انتقامی جذبہ کے زیر اثر آچکی تھی، تاہم اصل مقاصد کچھ اور تھے۔ اس سلسلہ میں درج ذیل تین وجوہات قابل غور ہیں۔

پہلی وجہ طالبان کو تباہی سے دوچار کرنا تھا، تاکہ ان کا اسلامی امارت کا خواب چکنا چور ہو جائے۔ (تفصیل کتاب میں آگے آئے گی)۔ دوسری وجہ امریکہ کے سامنے اس کی عالمی استعماری حیثیت کی ساکھ ہے، جسے وہ بہر قیمت برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ توسیع بھی دینا

چاہتا ہے، کیونکہ عالمی سطح پر وہ اقتصادی اور فوجی اعتبار سے ایک بالادست قوت ہے۔ کسی بھی استعماریت کے لیے یہ ضروری ہے کہ اپنی راہ میں آنے والے کسی بھی خطرہ کے مقابلے میں نرمی نہ دکھائے اور اس سے آہنی ہاتھوں نمٹے۔ یہاں حقیقی خطرہ اُسامہ ہرگز نہیں تھا، کیونکہ وہ نہ امریکہ پر حملہ کر سکتا تھا اور نہ اسے فتح کر سکتا تھا۔ اصل خطرہ اسلامی نظریہ تھا، جسے طالبان اپنے ہاں تقویت دیتے جا رہے تھے۔ اُسامہ تو طالبان کو گرانے والے بہانوں میں سے ایک بہانہ تھا۔ امریکہ نے جب محسوس کیا کہ ویت نام میں وہ سیاسی فتح حاصل کرنے کی پوزیشن میں نہیں، تو اس نے آخری نصف جنگ صرف اپنی ساکھ کو بچانے کی خاطر لڑی، تاکہ دوسرے ممالک یہ سبق حاصل کریں کہ اس کے آگے سرتابی کی قیمت کیا ہے؟ افغانستان میں سوویت یونین کی تحلیل کے بعد صورت حال بالکل مختلف تھی۔ طالبان نے جنگجو سرداروں (War lords) کا خاتمہ کر کے یہاں امن اور استحکام بحال کیا تھا۔ بہت سے مسلمان سمجھتے تھے کہ طالبان نے ایک صحیح اسلامی معاشرہ اور طرز حکومت کے نمونہ کی ابتدا کی ہے، گوا بھی یہ چیزیں کسی بھی معیار کے حوالہ سے مکمل نہ تھیں۔ دوسری طرف ”کارپوریٹ دہشت گردوں“ کے سامنے اپنے مفادات تھے۔ لہذا وہ کچھ کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ طالبان کا خاتمہ کیا جاسکے، جن کے خلاف امریکی میڈیا نے بڑھا چڑھا کر ایک امپریل طاقت کے مرکز میں ایک تباہ کن حملہ کے مجرم گردانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ تیسری وجہ وہ مفاد تھا جو کروسیڈ کے نتیجہ میں مال غنیمت یا لوٹ کی شکل میں ممکن الحصول تھا، اور یہ وسطی ایشیائی ملکوں کے تیل اور قدرتی گیس پر اختیار کا حصول تھا۔ افغانستان پر امریکہ اس لئے کنٹرول حاصل کرنا چاہتا تھا، تاکہ ایشیا کی مارکیٹ کی بڑھتی ہوئی کھپت کے لیے تیل کے ذخائر سے بحر ہند تک پائپ لائن بچھائی جاسکے۔ جنگ سے نہ صرف اس کام کے لیے بلکہ خطے کی سابقہ سوویت ریاستوں میں امریکہ کے لیے فوجی اڈوں کی تعمیر کے بھی مواقع مہیا ہونے کی توقع تھی، تاکہ ان کے ذریعے ”سٹیشن کو“ کے خلاف کسی بھی اسلامی متبادل کے ابھرنے کا راستہ روکا جاسکے۔

متعدد امریکی رہنما کہتے ہیں کہ 9/11 حملوں کے ساتھ امریکی حکومت کے کسی تعلق کا کیا سوال! اور اس بنا پر وہ خود منہمکے میں ہے۔ (64) مٹنش کا بیان تھا کہ امریکی قوم اچانک حملوں سے تو آگاہ رہی ہے، تاہم ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ہزاروں شہری ایسے حملوں کی زد میں آچکے ہوں۔ یہ سب کچھ ہمارے اوپر ایک ہی میں نازل کیا گیا۔ اور ہم پر آنے والی رات ایک

بالکل بدلی ہوئی رات تھی جس میں آزادی خطرے سے دوچار معلوم ہوتی تھی۔ (65) اس سب کچھ کے باوجود وہ اسے کسی واحد ملزم پر ہاتھ ڈالنے سے زیادہ طالبان سے چھٹکارا پانے کا ایک بہتر موقع سمجھتے تھے۔ جو لوگ ان حملوں میں امریکی حکومت کے ملوث ہونے کے متعلق شک کرتے ہیں، وہ بھی یہ جانتے ہیں کہ حکومت کو ان حملوں کے ہونے کا پہلے سے علم تھا، لیکن اُس نے ان کے تذکرے کے لیے قصداً کوئی پیش بندی نہیں کی، تاکہ انھیں اپنے مقصد کے لیے پروپیگنڈا کے طور پر استعمال کیا جاسکے۔

گہرائی میں اتر کر تجزیہ کرنے والوں کو یقین ہے کہ بُش انتظامیہ افغانستان میں ہونے والی جنگ کے لیے رچائے گئے ڈرامے 9/11 میں پوری طرح ملوث تھی، جو ایک مکمل جامع منصوبہ کا ایک جزو ہے۔ جب یہ واضح ہے کہ افغانستان پر حملہ کی تیاری پہلے ہی سے کی گئی تھی، تو پھر اس کے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ 9/11 کے حادثہ کو بُش انتظامیہ ہی کی کارستانی قرار دیا جائے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے تعلق رکھنے والے نمایاں مصنفین اور محققین جنہیں نے 9/11 کو پہلے ہی سے ایک ”اندرونی کارروائی“ گردانا ہے، آگے بڑھ کر جزئیات کو ملا کر جوڑنا چاہتے، تاکہ جنگ کے اصل معماروں کو بے نقاب کیا جاسکے۔ یہ چیلنج ابھی ان کو درپیش ہے۔ ان حضرات کو اس پر بھی کام کرنا چاہئے کہ افغانستان میں امریکہ کا برپا کردہ ”جہاد“ کس طرح ”آخری کروسید“ میں تبدیل ہو گیا۔

9/11 سے پہلے افغانستان کے خلاف جنگی منصوبہ بنانے والوں کے پیچھے جو اصل جذبہ محرکہ تھا پہلے باب میں اسی ہی سے ابتدا کرتے ہیں تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ یہ حادثہ ایک پورے منصوبہ کا حصہ تھا، نہ کہ یہ اکیلے میں وقوع پذیر ہونے والا کوئی معاملہ تھا۔

جنگ کے پس پردہ جذبہ محرک

جیمز کیرول نے کہا تھا:

”مذہبی جنگ حقیقی طور پر خطرناک ہوتی ہے۔ یہ شعوری ارادوں کے ساتھ بہت کم شروع کی جاتی ہے۔ اس کا اصل محرک مذہبی عقائد ہوتے ہیں جو جنگجوؤں کو اشتعال دلاتے ہیں۔“ (66)

16 ستمبر 2001ء کو بی بی سی اور دیگر عالمی میڈیا نے تین اعلانات نشر کئے یعنی (ن) بُش کا کردیڈ کا اعلان (ب) اُسامہ بن لادن کا 9/11 میں براہ راست ملوث ہونے سے انکار پر مبنی بیان (67) اور (ج) ڈک چین کا اُن ملکوں کو فوجی قوت کے ساتھ پکڑنے کا انتباہ، جہاں ”دہشت گردوں“ کو پناہ دی جاتی ہے۔ (68) بُش کا اعلان کچھ ایسا تھا: ”یہ کردیڈ جو دہشت گردی کے خلاف جنگ ہے، لمبے عرصے تک جاری رہے گی۔“ اُسامہ نے دُنیا کو مخاطب ہو کر کہا: ”امریکہ میری طرف انگلی اٹھا رہا ہے، لیکن میں غیر مبہم الفاظ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں نے یہ کام بالکل نہیں کیا۔“ (69) بُش نے لفظ ”کردیڈ“ کے استعمال کے ساتھ ساتھ اپنے دوستوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ یہ کام ایک نیا فریضہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسے بطور ایک مشن تفویض کیا گیا ہے۔ بُش کے ساتھ قریبی مراسم رکھنے والے ایک شخص نے نیویارک ٹائمز کو بتایا ”بُش کے خیال میں اس کام کا اللہ نے اُسے حکم دیا ہے اور یہ کہ اپنے (مسلک کے مطابق) عقیدہ کی بنیاد پر وہ اللہ کی مرضی جانتا ہے کہ اللہ بُش سے کیا کرنا چاہتا ہے۔“ (70)

اسرائیل کے معروف اخبار ہارٹیز (Ha,artez) کے کالم نگار ارنان ریگولر کے صدر بُش کی فلسطینی قیادت کے ساتھ ایک میٹنگ کے متعلق کالم کے آخری پیرا گراف کے الفاظ کچھ یوں ہیں: ”محمود عباس کے مطابق بُش نے کہا، اللہ نے مجھے القاعدہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا، میں نے حملہ کر دیا۔ پھر اس (اللہ) نے مجھے صدمہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا، میں نے تعمیل کی۔ اور

اب میں مشرق وسطیٰ کا قضیہ حل کرنے چلا ہوں۔ اگر تم میری مدد کرو تو میں آگے بڑھوں گا اور اگر نہیں تو پھر میں اپنے الیکشن پر فوکس کروں گا۔“ (71)

بُش نے کوشش کی ہے کہ عوام کے سامنے اُس کے اسلام مخالف جذبہ کا اظہار اور لفظ ”کروسیڈ“ کا اعادہ نہ ہو، تاکہ مذہبی عقیدہ کی بنیاد پر اُٹھنے والی جنگ پر زد نہ پڑے۔ (72)

16 ستمبر کے ”کروسیڈ“ کے اعلان کے 5 ماہ بعد بُش نے مسلح افواج سے خطاب کے دوران، آزادی کے تحفظ کے لیے کینیڈا کا ساتھ دینے پر اُس کی تعریف کی۔ سور کے گوشت کے مارکیٹ میں زائد از ضرورت سپلائی کے حوالہ سے بات کرتے ہوئے بُش نے مسلمانوں کے جذبات کا خیال رکھنے کا بھی دعویٰ کیا اور چاہا کہ توازن برقرار رکھنے کے لیے گوشت کو بیرونی مارکیٹوں میں ایکسپورٹ کیا جائے گا۔ یہ بات اس نے اس پس منظر میں کہی جس میں اُس نے کہا تھا کہ ”کروسیڈ“ کی مہم کے جاری رکھ کر ہم وہ سب کچھ حاصل کرنا چاہیں گے جو ہم اپنے بچوں اور ان کے بچوں (آنے والی نسلوں) کے لیے ضروری خیال کرتے ہیں۔“

مارک ملر اپنی کتاب ”Cruel and unusual Bush/ Cheney, s New world order“ کے آخری حصہ میں رقمطراز ہے: بُش واصل دہشت گردی کے خلاف جنگ کو ایک نیا کروسیڈ مانتا ہے۔ اس کے خاندان کے ایک فرد کا قول ہے کہ ”جارج کہتا ہے کہ وہ (مسلمان) عیسائیوں کو قتل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم عیسائی اس کا زیادہ قوت اور سختی کے ساتھ ایسا جواب دیں گے کہ وہ ہمیشہ کے لیے یاد رکھیں گے۔“ (73)

اس پر تقریباً تمام امریکی قوم متفق تھی کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینا گون پر حملوں میں بڑے پیمانے پر ہلاکتوں کے پیچھے کارفرما لوگوں، ان کے معاونین اور تائید کنندگان پر سخت سے سخت ضرب لگائی جائے۔ ان کی سر میں اصل دشمن صرف وہی لگتے تھے جنہیں میڈیا اس غرض سے تیار کردہ سٹیج سے پیش کر رہا تھا۔ اُن کے ذہن پر تو سال بھر سے جاری پروپیگنڈا ہی مسلط رہا، جو افغانستان پر حملہ اور قبضہ کے جواز کے لیے مسلسل کیا جا تا رہا۔ اس ضمن میں اس سوال کا جواب دینے کے لیے کسی نے نہ سوچا کہ کیا یہ طالبان جیسے لوگوں کے بس کا کام ہے؟ اور کیا القاعدہ کی تکنیکی اور دیگر استعداد و مہارت اتنی ہے کہ وہ ایسے پیچیدہ اور پُر مہارت حملے کرا سکے؟

”لفظ کروسیڈ“ (مذہبی جنگ) اپنے اندر ایک اخلاقی پہلو لئے ہوئے ہے، اسی لئے بُش نے اس لفظ کا استعمال کیا۔ اس کے پس منظر میں 9/11 کا حادثہ تھا، جو بہر صورت بدلہ

لینے کے لیے ایک اخلاقی جواز مہیا کرتا تھا۔ بُش اپنی ضد کو پورا کرنے میں پکا تھا۔ کروسیڈ کا الزام مسلمانوں کے سر تھوپنے کے لیے Concise History of the Crusade کے مصنف تھامس ایف ماڈون نے ”نیشنل ریویو“ میں لکھا: ”کروسیڈ تو دشمن (مسلمانوں) کی سوچ پر پہلے ہی سے سوار چلا آ رہا تھا۔ بُش نے تو صرف اپنے طرز عمل سے مسلمانوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔“ ان کروسیڈرز (بُش اینڈ کو) کے ارادے 9/11 سے بہت پہلے ان کے اقوال اور افعال سے صاف چھلکتے تھے۔

میڈیا پر قابض میڈن جیسے ”جنگ پسندوں“ نے بُش کے اس قول کو کہ ”مسلمانوں پر کروسیڈ کا دھن سوار ہے“ نفسیاتی طور پر اور زیادہ راسخ کرنے کے لیے دلائل دینا شروع کئے۔ دعویٰ کیا گیا کہ کروسیڈ تو بہر حال ایک مدافعتی جنگ ہے، اور یہ اُس رد عمل کے طور پر سامنے آیا جو عیسائیوں کی دو تہائی سرزمین پر مسلمانوں کے قبضہ کی وجہ سے ظہور پذیر ہوا۔ اسی طرح افغانستان پر جارحیت کو بھی امریکہ کے اوپر حملہ کا رد عمل قرار دیا گیا۔

بُش کے اکیسویں صدی کے ”کروسیڈ“ کے اعلان کے رد عمل میں مسلم دنیا میں ممکنہ تحریک کی پیش بندی کے لیے، کروسیڈ کی کل تاریخ کو مسلمانوں کی پیش قدمی کے ایک رد عمل کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔ رائے عامہ کو اپنے حق میں دیکھ کر بُش نے دلجمعی کے ساتھ افغانستان پر جارحیت کو کروسیڈ سے موسوم کر کے اس کا کوڈ نام ”لائتنائی“ انصاف (infinite justice) رکھ دیا، جو بلاشبہ خدائی اختیار کے زمرہ میں آتا ہے۔ دنیا میں ان اصطلاحات کے استعمال سے ایک اضطراب تو پیدا ہوا، تاہم دور جدید کے کروسیڈرز نہیں چاہتے تھے کہ تمام مسلمان رد عمل کے طور پر اٹھ کھڑے ہوں جب تک کہ امریکہ اپنے نظریاتی حربوں طالبان پر وار نہ کرے۔ اس وجہ سے امریکہ میں جنگجوؤں (war lords) نے جنگ سے پہلے ہی کروسیڈ کو ”آپریشن انڈیورنگ پیس (Operation Enduring Peace) کی اصطلاح میں بدل دیا۔

اگر قدیم کروسیڈرز کے دور وراز علاقوں پر حملوں اور قتل و غارت کے عمل کو (ان کے قول کے مطابق) دفاعی جنگیں مان بھی لیا جائے، تو بھی افغانستان پر حملہ کسی بھی صورت میں ایک مدافعتی جنگ تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ درحقیقت حملہ کے وقت افغانستان سے امریکہ کو کوئی خطرہ ہو نہیں سکتا تھا، کیونکہ وہاں کوئی بین الاقوامی دور مار اسلحہ (ICBMs) وغیرہ تو تھا نہیں۔

اگر اس وقت افغانستان میں کسی کو امریکہ پر حملہ کا خط لاحق ہوتا تو پہلے اُسے امریکہ میں داخل ہونا، ضروری تکنیکی مہارت حاصل کرنا اور پھر اسے بروئے کار لانے کی استعداد حاصل کرنا پڑتی۔۔۔۔۔ واحد لاحق خطرہ ان دہشت گردوں سے تھا جو پہلے سے یورپ اور امریکہ میں موجود تھے۔ واضح اور نمایاں خطرہ کی عدم موجودگی میں کسی بھی حملہ کے لیے سلامتی کونسل کی اجازت (authorization) ضروری ہوتی ہے۔ اس کے لیے امریکہ نے کوئی تکلف گوارا نہیں کیا۔ 9/11 سے آغاز جنگ تک 25 دن کا بحیریت گزر جانا اس بات کی دلیل ہے کہ امریکہ کے لیے کوئی واقعی واضح نمایاں خطرہ تھا ہی نہیں، جو کسی فوجی کارروائی کا جواز بن سکے، جیسا کہ آگے جا کر ان صفحات پر ہم ثابت کریں گے کہ تمام لاجسٹک انتظامات 9/11 سے بہت پہلے مکمل کئے جا چکے تھے، جن کی بدولت 25 دن کی قلیل مدت میں حملہ ممکن ہوا۔

بُش انتظامیہ کی رواں پالیسی unilateralism کی رہی، کیونکہ اس نے کو یونٹو پروٹوکول (Kyoto Protocols) کو خیر باد کہا تھا، اور روس کے ساتھ AMB معاہدہ کا بھی توڑ کر چکا تھا۔۔۔۔۔ اس کی بجائے اب وہ multilateral پالیسی اختیار کرنا چاہتا تھا۔ جس کا حقیقی مفاد یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ ملکر بین الاقوامی معاملات میں ایک نہایت جمہوری، شفاف اور قابل مواخذہ طریق کار کے مطابق کردار ادا کیا جائے۔ اس کے برعکس بُش انتظامیہ چاہتی تھی کہ پہلے سے اپنی اغراض کے مطابق ایجنڈے کا تعین کیا جائے اور اس قسم کے حربہ کو Multilateralism کا نام دیا جائے۔ اپنے پالیسی سازوں کے حقیقی ایجنڈا کو مسلسل چھپا کر امریکہ نے ہمیشہ صحیح راہ پر چلنے کی مخالفت کی ہے۔ افغانستان پر قبضہ کی خاطر حملہ کے لیے سلامتی کونسل کی اجازت کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔ امریکہ اپنے معمول کے ترغیبی طریقے استعمال کر کے سلامتی کونسل کو اپنی بات منوانے کے لیے جھکا سکتا تھا، تاہم امریکہ کو اپنے اقدامات کے جائز ہونے کا 9/11 حادثہ کے تناظر میں اتنا یقین تھا کہ اس نے ایسا کرنے کی رسمی کوشش بھی نہیں کی۔ اس سے صاف بھلکتا ہے کہ امریکہ بالکل کسی کھٹکے کے بغیر تنہا ہی اس جارحیت کو اپنا جائز حق سمجھتا تھا۔ ایسا کرتے ہوئے وہ مستقبل میں اس قسم کی مہم جوئی کے لیے ایک مثال قائم کرنا چاہتا تھا۔

درحقیقت بُش کو اس قسم کے سیاسی رجحانات و خیالات اپنے باپ سے کم اور زیادہ تر اپنے پیش رو رونلڈ ریگن سے ملے، جو برائی کی محور ریاست (Evil Empire)

اور صلیبی جنگ (Cursade) جیسی اصطلاحات پر یقین رکھتا تھا۔ خود بُش اور اس کے معادنین کے مذہبی عقائد نے اس قسم کے خیالات کی مزید آبیاری کردی، جیسے کہ مسلمانوں کی اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کی تمنا ہی ہے۔ اسی مذہبی جذبے اور سہارے کو بُش انتظامیہ نے بھی اپنی راہ نکالنے کے لیے استعمال کیا۔ یہ سب کچھ ایک رات میں تو نہیں ہوا۔ کئی سالوں پر محیط متعصبانہ رپورٹنگ اور ایک لامحدود ڈس انفارمیشن مہم کے نتیجے میں طالبان حکومت کو گرانے کے لیے ذہن سازی ہو چکی تھی۔ امریکہ کے مذہبی فرنٹ نے سیاسی قیادت کی مکمل پشت پناہی کر کے مسلح افواج اور دیگر ذرائع کو زیرِ نظر دشمنوں کے خلاف متحرک کرنے میں مدد دی۔ جدید کروسیڈ کے ضمن میں مذہبی فرنٹ کے کردار سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس طرح مذہبی ادارے اور افراد اہم سیاسی فیصلوں (جیسے مسلمان ملکوں پر حملے اور قبضے) میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس کی ایک مثال رومی کلیسا کے دو اخباروں کا وہ ردِ عمل ہے، جو امریکی انتخابات پر سامنے آیا۔ اخبار *L'Osservatore Romano* نے 2004ء کے انتخابات میں بُش کی کامیابی کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ اس کے بالکل برعکس روزنامہ *Avvenire* نے جو اٹالین بشپ کانفرنس کے صدر کارڈنیل گملورینی کی ملکیت ہے، بُش کی فتح کو سراہا۔ یاد رہے کہ کارڈنیل رینی ضلع روم (Diocese) کے لیے پوپ کے نائب بھی ہیں۔ اخبار *Romano* کی غیر جانبداری اور سفارتی اصولوں کا لحاظ یقیناً قابلِ قدر ہیں۔ تاہم بُش کی فتح پر مکمل خاموشی سے کچھ مشکوک رویہ کی بُو آتی ہے۔ تفصیلات کو یاد رکھنے والوں کو یاد ہوگا کہ 2000ء کے الیکشن میں بُش کی صدارتی کامیابی پر ویٹی کن نے اطمینان کا سانس لیا تھا، جبکہ 2004ء میں اپنے سرکاری فریضہ سے ہٹ کر غیر جانبدارانہ کے برعکس رویہ اختیار کرنا حیران کن ہونے کے علاوہ کسی چیز کو قصداً چھپانے کی کوشش کی نشاندہی کرتا ہے۔ تاہم اکیسویں صدی میں کسی بات کو چھپانا خاصا مشکل کام ہے۔ 4 جون 2006ء کے اٹلی کے روزنامہ ”کوریر ڈیلا سرا“ میں پوپ کے ایک نہایت وفادار صحافی لیگے اکاٹولی نے پوپ کے دفتر سے جاری شدہ نکتہ نظر کی رپورٹنگ کرتے ہوئے لکھا: ”پوپ نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ Evangelical بُش کو کیتھولک جان گیری پر ترجیح دیتے ہیں اور یہ کہ وہ اُس (بُش) کی کیتھولک ووٹوں سے مدد کرنا چاہتے ہیں۔“ (74) ویٹی کن کے ایک نہایت بااعتماد مبصر جان ایلن نے جو روم میں امریکی ہفتہ وار جریدے ”نیشنل کیتھولک رپورٹر“ کے نمائندے ہیں، چار

سال پہلے کی ایک خیالی ووٹنگ کے حوالہ سے لکھا کہ ”ویٹی کن ذمہ داران اور اہلکاروں کے رجحان کے مطابق بُش اور الگور کے ووٹوں کا تناسب 40 اور 60 ہوگا۔“ اس کے برعکس اخبار ”Avvenire“ نے رائے عامہ کے ان مایوس تجزیہ کاروں کے مقابلہ میں بُش کا ساتھ دیا، جو بُش کی فتح کو ایک اُجد، لاعلم، خود غرض، مذہبی فرقہ پرست امریکہ کے ہاتھوں ایک آزاد سیکولر متحمل اور معتدل امریکہ کی شکست خیال کرتے تھے۔ اخبار نے اپنے بعض اداریوں اور جیورجیو فراری کی اہم مضمون ”ہم، امریکہ کے قلب سے“ میں ان تجزیوں کا رد کر کے بالکل برعکس نکتہ نظر پیش کیا۔ فراری کی نظر میں بُش یا اس کے انتخابی منیجر کارل روڈ کا ہدف صرف جنگ یا اُسامہ نہیں بلکہ اس کے ساتھ امریکی اقدار کی حفاظت بھی رہا، جسے ہم یورپ والوں کو جاننا چاہیے۔⁽⁷⁵⁾ جیورجیو فراری پیچھے بیان کردہ تجزیہ سے مختلف رائے پیش کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ”بُش یا اس کے انتخابی منیجر کیرل روڈ (Karl Rove) کے پیش نظر جو ہدف تھا وہ صرف امریکی اقدار کا تحفظ تھا، نہ کہ اُسامہ یا کوئی جنگی معرکہ۔“ وہ کہتا ہے: ”ہم یورپ والے ان باتوں کو کم ہی سمجھ سکتے ہیں۔“ فراری کو جذباتی طور پر ”امریکہ کے اندر ایک ایسا امریکہ“ نظر آتا ہے جہاں ہر شخص اپنے آپ کو مامون پاسکے اور یہ صرف وہی امریکہ ہو سکتا ہے جو ان نیوکاز (بُش اینڈ کو) کے پیش نظر ہے⁽⁷⁶⁾۔ اُس کا خیال ہے کہ ان لوگوں کو جلدی میں (بات کی پیچیدگی کو سمجھ بغیر) ایسے (متعصبانہ) ناموں جیسے نیوکنز روٹیوز، بورن اگین کرکیزز یا تھیو کاز سے مشہور کرنا غیر مناسب ہے۔ ”ان کا مطمح نظر انتخابی معرکہ میں بھی صرف اور صرف اخلاقی اقدار ہے۔“ فراری کا دل پسند امریکہ وہی ہے جو ”amazing grace“ (امریکیوں کا خوبصورت ترین حمد یہ گیت) گاتے ہوئے عراق پر اپنی ”اقدار پر مبنی سسٹم“ کو بچانے کے لیے حملہ آور ہوا۔ اگر یہی منطق درست ہے تو پھر طالبان کا یہ حق کیوں تسلیم نہیں کیا گیا کہ وہ بھی اپنے ہی ملک میں اپنی اقدار پر مبنی نظام (اسلام) کے مطابق زندگی کا لائحہ عمل ترتیب دے سکیں۔ اگرچہ طالبان کا طریق کار کمزوریوں اور نقائص سے خالی نہ تھا، تاہم اسلام کے غلبہ کے لیے ان کی جدوجہد کی بدولت مسلمانوں میں ایک مباحثہ برپا ہو چکا تھا۔ انہی خیالات کی وجہ سے دور جدید کے ”کروسیڈرز“ کے دلوں میں اندیشے اُٹھنے لگے اور انھوں نے ”ہمارا طرز زندگی“ اور ”ہماری اقدار“ جیسے نعروں کے ذریعے لوگوں کو ڈرانے دھمکانے کے منصوبہ پر کام شروع کر دیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج امریکہ میں مذہبی، سیاسی اور عسکری قوتیں یکجا ہو کر اسلام کے خلاف

کام میں لگی ہوئی ہیں۔ طالبان کی سیاسی قوت (حکومت) کو گرا کر اور مسلم اکثریتی دنیا کے قلب، عراق میں جاد داخل ہونے کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ امریکی تاریخ میں پہلی دفعہ مذہبی فرنٹ نہایت چٹنگی کے ساتھ اپنی پسندیدہ سیاسی قیادت (کروسیڈرز) کی پشت پر آن کھڑا ہوا۔

بیرون امریکہ، 4 جون 2004ء کو بئش اور پوپ جان پال کی ملاقات کے بعد جاری ہونے والا اعلامیہ یہ پوری شہادت دیتا ہے کہ صلیبی دنیا کے مذہبی اور سیاسی محاذوں کے درمیان اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں کے لیے ایک طویل المدت گٹھ جوڑ ہو چکا ہے۔ سیاسی محاذ کے ہاتھ میں فوجی قوت تو پہلے ہی ایک موثر ہتھیار ہے۔

میتھو ڈسٹ اور کیتھولکس کے درمیان قربت کے آثار 2004ء سے پہلے ہی نظر آنے لگے تھے، تاہم الیکشن کے نتائج سے یہ خوب واضح ہو گئے۔ ان انتخابات میں کیتھولکس ووٹ بئش اور کیری کو بالترتیب 52 اور 47 کے تناسب سے ملے۔ جبکہ 2000ء میں یہ تناسب بئش اور ڈیموکریٹ امیدوار میں 48 اور 51 تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کروسیڈ سے کتنا فرق پڑ گیا۔

ایک موثر کارروائی جو ہونے والی ہے وہ امریکن کیتھولکس اور ان کے پر جوش مذہبی حریفوں ایوانجلیسٹ پروٹسٹنٹس کے درمیان قریبی رابطوں کا معاملہ ہے، جسے مذہبی تجزیہ کار امریکی تاریخ کا ایک عجوبہ سمجھتے ہیں۔ ان دونوں فرقوں کی قربت جتنی زیادہ ہوگی، رائے عامہ کے ماہرین ان سے اُسی نسبت سے متاثر ہوں گے۔

یہ روایت کہ کیتھولکس ہمیشہ ڈیموکریٹس کے حق میں اور ایوانجلیکلوری پبلکن کے حق میں کھڑے ہو جاتے ہیں، اب مکمل طور پر بدل ہو چکی ہے۔ بہت سے بئش ایسے تھے جنہوں نے کیری کا اس لئے ساتھ دینے سے انکار کر دیا کہ وہ ایک ایسی جارحیت کے خلاف تھا جس میں مذہبی جذبہ شامل کیا گیا ہو۔ بہت سے کیتھولکس نے ایوانجلیکلور کے ساتھ بئش کی حمایت میں ہمنوائی کی جو اپنے آپ کو اللہ کا ”فرستادہ“ سمجھنے لگا تھا اور جس کا دعویٰ تھا کہ مسلم ممالک پر ان حملوں اور بزور قبا بض ہونے سے وہ اللہ کی مرضی پوری کرنا چاہتا ہے۔⁽⁷⁷⁾ بہت سی با اثر مذہبی شخصیات نے بئش کے افغانستان پر حملہ آور ہونے میں ایک کلیدی کردار ادا کیا۔

مختلف النوع کروسیڈرز کے اتحاد کو تنہائی سے نکل کر پبلک کے سامنے آنے میں کچھ وقت لگا۔ اس اتحاد کا ایک اچھا خاصا مظاہرہ اُس وقت دیکھنے میں آیا جب 2004ء میں

بُش، پوپ میٹنگ سے سات دن پہلے بُش کی ملاقات مذہبی رہنماؤں کے ایک پینل کے ساتھ واشنگٹن میں ہوئی۔ اس ملاقات کا اہتمام مشہور رسالے "Christianity Today" نامی جریدہ نے کیا تھا، جس کی بنیاد معروف اسلام دشمن ایوانجلسٹ ملی گراہم نے ڈالی تھی۔ (78) اس گروپ میں بہت ہی بااثر کیتھولکس شامل تھے، مثلاً Crises کے ایڈیٹر ڈیل ہڈن اور دوسرے ایف آر رچرڈ جان نیو ہاس جو رسالہ "First Things" کے ایڈیٹر تھے۔

"Christianity Today" نے اپنے آن لائن ایڈیشن کے ذریعے چند گھنٹوں پر محیط انٹرویو کی رواداد جس طرح نشر کی، اس سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ بُش، ایوانجلسٹس، کیتھولکس اور دیگر مذہبی مفکرین اسلام اور مسلم دشمنی کے متعلقہ تمام معاملات میں ہم آہنگ ہیں۔ اس انٹرویو میں بُش نے مختلف موضوعات سے متعلقہ سوالوں کے جوابات دیئے۔ ان میں اسرائیل و عراق جیسے معاملات سے لے کر پوپ، اسلام، کیوبا، دہشت گردی، تشدد، خاندان، سکول اور عبادت جیسے موضوعات شامل تھے۔ (79) نشریہ بار بار یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اتحاد و اتفاق کا پورا پیکر تو بُش ہی (کی ذات شریف) ہے۔ کروسیڈ کا علانیہ حوالہ اور طالبان حکومت گرانے کے لیے عملی اقدام بُش کے دوایسے اقدامات ہیں، جنہوں نے کیتھولکس اور ایوانجلسٹس پروٹسٹنٹس کو مذہبی فرنٹ پر اکٹھا کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔

مسلم دنیا کے مہرے پرویز مشرف کا طرز عمل ملاحظہ ہو، جس نے 4 مارچ 2001ء کو نیوزویک کے رپورٹر کو فخریہ انداز میں بتایا: ”ہم پانچ وقت نماز اس لئے نہیں پڑھتے کہ معلوم ہو کہ ہم مذہب کی اتنی پروا نہیں کرتے۔“ (80) (انا للہ وانا الیہ راجعون) دوسری طرف بُش نے یہ بتانے میں کبھی تردد نہیں کیا کہ وہ بلا ناغہ ہر صبح مشہور ایوانجلسٹ روحانی استاد اسولڈ چمبر (1874-1917) کی تحریروں سے ایک صفحہ ضرور پڑھتا ہے۔ ظاہر ہے ”کروسیڈ“ کے حوالہ کا اتنا بے باکانہ استعمال ایک ایسا غیر متزلزل آدمی ہی کر سکتا ہے جو ہر دن کی ابتدا عبادت میں جھکنے اور ہر کیبنٹ میٹنگ کا آغاز دُعاؤں سے کرتا ہو۔ (81)

بُش کے مذہبی عقائد اور جذبات کی مزید تصدیق اُن رپورٹوں سے ہوتی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ وہ سینٹ سے وابستہ ایک سابق ایوانجلسٹ کل استاد (ملا) Leoyd Ogilive کی تحریروں کا باقاعدہ قاری ہے۔ بُش کا دعویٰ ہے کہ وہ ”دوبارہ جنم یافتہ“ عیسائی ہے، جس نے بائبل کو ایک سال کے عرصہ میں از سر نو پورے کا پورا پڑھنے کا ارادہ کیا ہے، اُسی طرح جس

طرح کہ اس نے 86-1985 میں ڈونالڈ ایوانز بائبل سکول کو انڈینڈ کرنے کے بعد کئی دفعہ ایسا کیا تھا۔ بُش اکیلا نہیں، بد قسمتی سے پوراوائٹ ہاؤس مذہب کے زیر اثر ہے۔ وائٹ ہاؤس میں بحیثیت تقریر نویس داخل ہوتے وقت ڈیوڈ فرم نے سب سے پہلے جو الفاظ سنے تھے وہ تھے

"Missed you at Bible Study" (82)

افغانستان میں اکیسویں صدی کے کروسیڈ اور عیسائیوں کے مختلف فرقوں کو مدغم کرنے کی راہ ہموار کرنے کے لیے رابرٹ بروک اور رابرٹ رائیل کے علاوہ بُش کے قریبی ساتھیوں میں ایک بہت با اثر کیتھولک پادری فادر نیوہاس جیسی شخصیت بھی شامل ہے، جو بیک وقت مذہبی عالم بھی ہے اور سیاسی تجزیہ نگار بھی۔ یہ تمام کے تمام کیتھولکس ہیں جو پروٹسٹنس کی راہ پر چل نکلے ہیں۔ فادر نیوہاس کیتھولکس نیوکانز جریڈے "Things First" کا مدیر اعلیٰ ہے۔

بہت سے شواہد افغانستان پر جارحیت کو کروسیڈ ثابت کرتے ہیں۔ اگرچہ بعض گرافک توضیحات اور چارٹس ایسے بھی موجود ہیں جو تیل کی کمپنیوں کے family tree structure میں مختلف شخصیات کی پوزیشنوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور ان چارٹس سے یہ لگتا ہے کہ یہ جنگ تیل اور پائپ لائنز کے لیے ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس جنگ کو مذہب کے زیر اثر لوگوں نے بھڑکایا اور اب وہی اس کو مذہبی جنون کے ذریعے توسیع دے رہے ہیں۔

بُش کے قریبی مشیر نیوہاس جس کا پیچھے ذکر کیا گیا ہے، کا قریبی ہمراز نیکل نواک ہے جو گریگورین کلیسائی یونیورسٹی کا فارغ التحصیل ہے اور اب بھی روم میں دینیات کے شعبہ جات میں تدریس کی ذمہ داری انجام دے رہا ہے۔ عراق پر امریکی حملے سے پہلے نواک ویٹی کن منتقل ہوا، تاکہ وہاں عراق پر دوسری بار حملہ کے سلسلہ میں بُش کے فیصلہ کے مذہبی جواز کے حق میں بیانات نشر کرے۔ اس ساری تفصیل سے یہ بات اب واضح ہو گئی ہے کہ طالبان کو ہٹانے کے لیے بُش کے ہاتھ میں اسلحہ کے ساتھ مذہبی جواز کا سرٹیفکیٹ بھی بحیثیت ہتھیار موجود تھا۔ ایک انٹرویو میں بُش نے صاف بتایا کہ مجھے فادر رچرڈ کی اپنے قریب موجودگی کی بہت ضرورت ہے، اسی طرح نیوہاس کو ضرورت ہے کہ اپوری ڈلس اس کے ساتھ موجود رہے، نہ صرف اس کے "First things" (جریدے کا نام) میں ہاتھ بٹانے کے لیے، بلکہ وسیع تر منصوبہ بندی کے لیے بھی، کیونکہ وہ بھی سیاسی اور مذہبی محاذوں پر اسلام کے خلاف کام کرنے میں کافی سرگرم عمل ہے۔"

ایوری ڈلس کو 2001ء میں Jesuit سے Cardinal کی پوزیشن پر ترقی دی گئی۔ اس ”سرتا پانڈہی عیسائی“ (born again christian) کا تعلق وائٹ اینگلو سکس پرٹنٹ (WASP) کے ایک خاندان سے ہے۔ اس کا باپ جان فاسٹر ڈلس صدر آئزن ہاور کے عہد صدارت میں سیکرٹری آف سٹیٹ تھا اور اس کا چچا ایلن ڈبلیو ڈلس سی آئی اے کا سربراہ تھا۔ جس طرح افغانستان پر صلیبی یلغار کے لیے منصوبہ بندی 9/11 سے کافی پہلے ہو چکی تھی، اسی طرح پردہ کے پیچھے ہونے والے واقعات بھی بُش کے انتخاب کے ساتھ محض ایک ہی رات میں ظہور پذیر نہیں ہوئے اور نہ ہی یہ کروسیڈ بُش کے رخصت ہونے کے ساتھ ختم ہو سکے گی (یہ تو جاری رہے گی)۔ یاد رہے کہ امریکہ میں ایونجلیکلو اور کیتھولکس کے درمیان اتحاد کے لیے کوششیں سوویت یونین کے زوال کے ساتھ ہی شروع کی جا چکی تھیں (جب اسلام کو اپنا نیا ہدف قرار دیا جا رہا تھا)۔ 90 کی دہائی کے وسط میں ان دونوں فرقوں کی ایک مشترکہ دستاویز کا واضح ٹائٹل تھا: ”Evangelicals & Catholics together“ (ایونجلیکلو اور کیتھولکس ایک ساتھ ہیں)۔

نظریاتی حریفوں کے اس اتحاد کو طالبان کی آمد اور اُن کے اس اعلان نے کہ ”قرآن ہمارا آئین ہے“ اور زیادہ تقویت دی۔ اس سلسلہ میں ہونے والے اجتماعات میں ایونجلیکلو کی سربراہی چارلس کولسن نے کی، جو صدر نکسن کا سابق اسٹنٹ تھا اور جو وائٹ ہاؤس کے سکینڈل میں بدنامی کے پاتال میں جا چکا تھا، تاہم وہ دوبارہ نمایاں ہوا، صرف اس لئے کہ وہ ”سراسر مذہبی عیسائی ہے“۔ بُش کے مشیر نیو ہاس نے کیتھولکس کی نمائندگی کی۔ جس وقت مسلمانوں کو مختلف ناموں کے تحت ریڈیکلو، ماڈریٹ، اسلامسٹ وغیرہ گرد پوں میں تقسیم کرنے کی سازشیں ہو رہی تھیں، کروسیڈ کے مذہبی فرنٹ کے رہنماؤں نے اپنے مختلف فرقوں کو اکٹھا کرنے میں خاصی کامیابیاں حاصل کیں۔ نیو ہاس نے ایونجلیکلو کو رام کرنے کے لیے ”The Naked Public Square“ نامی کتاب شائع کر دی۔ یہ ایک اعلان بیداری والی تصنیف تھی، جس میں مذہبی محاذ کی توجہ عوامی زندگی سے مذہبی رنگ غائب ہونے کے المیہ کی طرف مبذول کرانے کی کامیاب کوشش کی گئی تھی۔ کتاب کا خاصہ یہ تھا کہ اس میں دونوں فرقوں کی مشترکہ اقدار کو اجاگر کر کے عملی زندگی میں بروئے کار لانے پر زور دیا گیا تھا۔ تب سے ان ایونجلیکلو کو بڑی کامیابی ملی ہے، جنہوں نے ایک ایسے نظریہ کی آبیاری کی،

جسے اسلام کے خلاف میڈیا، اکیڈمک، سیاسی اور عسکری تمام محاذوں پر استعمال کیا جاتا ہے۔ یو ایس نیوز کے 24 اپریل 1995ء کا عنوان ان الفاظ میں تھا: ”مذہبی بنیاد پرستوں کو یقین ہے کہ ان کا وقت آگیا ہے، لہذا وہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں قوت حاصل کریں۔“ انہی ایام میں ان کے نظریاتی حریف طالبان اس حالت میں ایک اسلامی امارت کے قیام میں مصروف تھے کہ نہ تو ان کو کوئی تجربہ حاصل تھا اور نہ باہر سے کوئی رہنمائی۔ 2001ء میں طالبان کے خلاف جنگ سے ثابت ہوا کہ اب امریکہ میں نہ صرف یہ کہ مذہبی جنونیوں نے قوت حاصل کر لی ہے بلکہ وہ ریاستی پالیسی پر بھی اس حد تک اثر انداز ہو چکے ہیں کہ انھوں نے اپنے زیر نظر مزمومہ دشمنوں پر حفظ ماتقدم کے طور پر حملہ کرنے کی راہ بھی نکال لی ہے۔ امریکہ میں جیمز ڈوہسن جیسے بنیاد پرستوں کی رہنمائی میں ”زمین پر اللہ کی بادشاہت“ کے قیام کے لیے مذہبی عیسائیوں کے قوت پکڑنے کے ساتھ ساتھ بیسویں صدی کے آخری عشرہ میں افغانستان میں بھی اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے کوششیں بیک وقت شدت اختیار کر گئیں۔ 2001ء میں دیکھا گیا ہے کہ امریکی قصر صدارت کی ترجیحات کے تعین میں مذہبی قیادت کا کردار فیصلہ کن رہا ہے، جن میں افغانستان پر حملہ اور طالبان حکومت کو گرانا، سوڈان کے خلاف ”امن“ کے بہانے اقدامات اور عراق پر حملہ اور اسرائیل کی زیادہ اہتمام کے ساتھ حمایت، جیسے فیصلے شامل ہیں۔ اس سلسلے میں ”کرپچین سٹیٹس مین“ کے ایک مضمون بعنوان ”Christinization of the Republic Party“ میں لکھا ہے:

”کرپچین کنزرویٹو جسے بحیثیت ایک چھوٹی سی علاقائی تحریک پہلے کچھ خاص وقعت حاصل نہیں تھی، اب ہر جگہ سیاست میں ایک نمایاں کردار کی حیثیت سے دکھائی دیتے ہیں۔ اُن کی نمائندگی اب ری پبلکن پارٹی سٹیٹ کمیٹیوں میں 36 فیصد تک جا پہنچی ہے۔ اس طرح غیر ری پبلکن کمیٹیوں میں بھی ایک عشرہ پہلے کے مقابلے میں اب ان کی تعداد دو گنی ہو چکی ہے۔ اس طرح ان کا ہر بنیادی ادارے میں کافی اثر و رسوخ ہے، اور اب یہ عوامی نمائندگی کی پوزیشنوں پر اپنے لوگوں کو منتخب کرنے کی پوزیشن میں آچکے ہیں۔“ (83)

بلاشبہ مذہبی طور پر جذباتی لوگوں کا افغانستان پر حملہ میں نمایاں کردار رہا ہے۔ اس حملہ تک اگرچہ مذہبی گروہ کی حمایت خفیہ تھی، مگر 2003ء میں عراق پر حملہ کی ویٹی کن نے برملا مکمل حمایت لی، جبکہ پہلے اس کا رویہ اس کے بالکل خلاف رہا تھا۔ اس قسم کی تبدیلیاں نئی تھیں،

نہ غیر معمولی۔ ویٹی کن میں امریکی سفیر کی کتاب "The United states & the Holy Sea: The long History" (84) مذہبی محاذ کی سیاسی مہم جوئی پر بھرپور بحث کرتی ہے۔ یہ کتاب ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور بحیرہ مقدس (مذہبی فرنٹ جس کا ویٹی کن نمائندہ ہے) کے درمیان 1788 سے اس کے سفارتی تعلقات کی ابتدا سے آج تک کے معاملات کو ایک مرتب صورت میں پیش کرتی ہے۔ کتاب کے آخری صفحات پر جیمز نکلسن رقمطراز ہے:

”پوپ جان پال کے ساتھ سٹیج کردہ 9/11 حملوں کے صرف دو دن بعد کیسل گنڈالفو میں تقریباً 20 منٹ کی باہمی ملاقات میں تبادلہ خیال اور دُعا کے بعد پوپ نے مجھے بتایا کہ وہ 11 ستمبر کے واقعات کو بالکل واقعی تصور کرتا ہے اور یہ کہ ہم یہ مدافعتی اقدام لینے میں بالکل حق بجانب ہیں۔ یہی ملاقات تھی جس میں دہشت گردی کے خلاف مقدس کلیسا کی حمایت کی ابتدا ہوئی۔ یہ بالکل غیر معمولی بات ہے کہ پوپ اور کلیسا دونوں نے نہ صرف ہماری مدد پر رضامندی ظاہر کی بلکہ یہ حمایت آج بھی جاری ہے“

اس بیان سے واضح ہے کہ اعلیٰ ترین سیاسی اور مذہبی سطح پر اسلام دشمن کیمپ میں افغانستان پر حملہ سے صلیبی جنگ کی ابتدا کی توثیق کی گئی۔ یہاں چند نکات قابل توجہ ہیں۔ یہ گفتگو نائن الیون کے صرف دو دن بعد ہوئی، جس میں پوپ نے نہ صرف اس واقعہ کو مسلمانوں کی جانب سے حملہ مانا، بلکہ ایک ”مدافعتی“ اقدام کو حق بجانب بھی قرار دیا۔ میڈن کے بیان کو ذرا ذہن میں تازہ کیجئے (جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے) اور جس نے کروسیڈ کو ایک ”مدافعتی جنگ“ قرار دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بیانات صلیبی تعصب پر مبنی ہیں، ورنہ طالبان نے نہ تو امریکہ پر حملہ کیا تھا اور نہ ہی اُس کے خلاف اعلان جنگ کیا تھا۔ تاہم ویٹی کن ”کروسیڈ“ کو جائز قرار دے کر اسے ”مدافعتی اقدام“ کا نام دینے پر تٹا ہوا تھا۔ نکلسن کے یہ الفاظ بھی قابل توجہ ہیں کہ ”یہ حمایت آج بھی جاری ہے“

ڈیموکریٹک کیسل ازم (جس کا باوا آدم مائیکل نواک ہے) کی آڑ لے کر بہت سے لوگوں نے جنگ کے پس پردہ اپنے مذموم ارادوں کو چھپائے رکھا۔ اٹلی کے اخبار L'espresso کے تجزیہ نگار سینڈرو مجسٹر کے مطابق ”جمہوریت“ کی ”برآمد“ کا فلسفہ خصوصی طور پر ایونجیلسٹوں کا ہے اور بُش کے ایونجیلسٹ ہونے کے لیے اُس کا یہ دعویٰ ہی کافی ہے کہ ”میرا عقیدہ ہے کہ آزادی اس دنیا میں ہر مرد و عورت کے لیے اللہ کی طرف سے تحفہ ہے“ (85)

یہ کہانی یہاں ختم نہیں ہوتی۔ ”جمہوریت کی برآمد“ اب اکیپلے ایونجیلسٹ پراجیکٹ نہیں، ویٹی کن بھی اس معاملے میں اُس کے ساتھ ہے۔ برٹش ”ڈیلی ٹیلی گراف“ سے وابستہ جولین کوئین اور جاسن 10 اکتوبر 2004ء کو روم سے رپورٹ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”عراق کے معاملہ میں ویٹی کن نے بلیئر اور بُش کے ساتھ اپنے اختلاف ختم کر کے وہاں پر تازہ جنم لینے والی ”جمہوریت“ کے تحفظ کے لیے فوجی کارروائی کی اجازت دے دی۔“ گویا اب یہ ایک مشترکہ کیتھولک ایونجیلسٹ پراجیکٹ ہے، جس پر عمل درآمد کی ذمہ داری سیاسی محاذ کے ہاتھ میں ہے، جسے وہ پورے انہماک کے ساتھ کیسائی ہتھیاروں اور دیگر مجرمانہ طریقوں کے استعمال سے پوری کر رہا ہے۔ یہ الفاظ دیگر یہ ایک مکمل عیسائی پراجیکٹ ہے، جو میڈیا سے ملٹری تک مختلف محاذوں پر چل رہا ہے۔ صلیبیوں کی بڑھتی ہوئی خود اعتمادی کو جاننے کے لیے یہ بات قابل توجہ ہے کہ افغانستان پر حملہ کے دوران مذہبی اور سیاسی حلقوں کا مشترکہ منصوبوں کا کھلے بندوں اظہار کیا گیا۔

یہی مقام ہے جہاں صیہونی بھی آ ملتے ہیں اور دھیرے دھیرے یہ کیتھولک ایونجیلسٹ اتحاد مضبوطی کے ساتھ ”نیوکاز“ سے جڑ جاتا ہے، جس کی نمائندہ شخصیات میں سے ایک مائیکل باروڑ ہے، جو دنیا بھر کے ستم رسیدہ عیسائیوں کے جوشیلے پشت پناہ ہیں اور جو ویٹی کن سے بالکل ہم آہنگ نکتہ نگاہ کے حامل ہیں۔ ⁽⁸⁶⁾ مسلمانوں کو عیسائی بنانے والے عیسائی مشنریوں کی راہ میں طالبان کا سختی کے ساتھ مزاحم ہونا صلیبیوں کے مشنری جذبات پر ایک کاری دار تھا۔

طالبان کو ہٹانے اور عراق پر قبضہ جمانے سے اسلام کے خلاف جاری صلیبی جنگ میں مذہبی طبقے کی کامیابی بڑی نمایاں دکھائی دینے لگی۔ نیو یارک ٹائمز کے گڈ سیٹن کے ساتھ 31 مئی 2004ء کو ایک انٹرویو میں فادر نیوہاس کا کہنا تھا: ”یہ ایک غیر معمولی پیش رفت ہے اور اگر یہ تسلسل کے ساتھ جاری رہی تو اس سے امریکہ میں عیسائیت ایک تشکیل نو کے ساتھ متشکل ہو جائے گی۔“ نیوہاس کا عیسائیت کی تشکیل نو کے متعلق بیان غلط معلوم ہوتا ہے۔ یہ تشکیل نو تو پہلے ہی سے شروع ہو چکی ہے جو بقیہ دنیا کو متاثر کر رہی ہے۔ اور تو اور غیر مسلم جیسے فلپ جکمنز اپنی کتاب "The Next Christendom: The Coming Global Christianity" میں 21 ویں صدی میں دوبارہ ہونے والی صلیبی جنگ کے ازمہ قدیمہ کی صلیبی جنگوں سے تقابل کی خوفناک تصویر پیش کرتا ہے۔ (جو اس بار زیادہ مہلک

ہتھیاروں کے ساتھ لڑی جائے گی۔) مذہبی فرنٹ کے بیانات، منصوبوں، بحث مباحثوں سے کبھی بھی "The Coming Global Christianity" میں پنہاں ہر قسم کی زور زبردستی اور امپیریلزم کے رجحانات سے متعلق کبھی کوئی بات کھل کر سامنے نہیں آتی۔ دراصل ان چیزوں کو پوری احتیاط اور ہوشیاری سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔

افغانستان اور عراق پر یلغار کا تجربہ بناتا ہے کہ اسلام کے خلاف دور جدید کی صلیبی جنگ اور سازشوں کو زیادہ منظم کرنے کے لیے مذہبی محاذ کی سیاسی مہم جوئی ظالمانہ اقدامات کی تائید اس جنگ کی بھرپور طور پر راہ ہموار کر رہی ہے۔ اس کی نشاندہی فلپ جکسنز نے اپنی کتاب میں کی ہے۔ ذرا دیکھئے! صلیبی جنگ کے سیاسی محاذ سے تعلق رکھنے والے G-8 کے لیڈروں کے ایک جیسے اور مسلسل بیانات اُسی ایک فکر (اسلام کے خلاف صلیبی مہم) کو راسخ کرنے کی غمازی کر رہے ہیں۔ یہ لیڈر 7 جون 2005ء کے لندن بم حملوں کو اپنی ثقافتی زندگی پر حملہ تصور کرتے ہیں اور ساتھ ہی ان کا دعویٰ ہے کہ (ایسا کرتے ہوئے) اسلامسٹ (یعنی مسلمان) ان کی اقدام کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ دور جدید کی صلیبی جنگ کے سرخیل بش اور بلیئر اپنے ایجنڈے کو آگے بڑھانے کے لیے ایسی ہی دلیل کو اپنی مہم جوئی کے جواز کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ مغربی ذہن پر ان لیڈروں کے منہ سے نکلنے والے "ہمارے طرز زندگی پر حملہ" جیسے الفاظ نہایت راست بیٹھتے ہیں۔ چونکہ عیسائی مذہبی محاذ کے پیش نظر صلیبی جنگ کی توسیع کا منصوبہ ہے، لہذا وہ سیاسی امور اور خارجی پالیسی میں اپنے لئے تو ایک کردار کو ناگزیر سمجھتا ہے، اور "پولینیکل اسلام" کے خلاف تسلسل سے دہائی دے رہا ہے۔ عیسائی طویل المیعاد پلاننگ کر رہے ہیں۔ اسی سلسلہ میں جکسنز کہتا ہے کہ عام طور پر دنیا میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس حوالے سے عیسائی بھی پیچھے نہیں۔ جکسنز کے مطابق 2050ء تک 20 یا 25 بڑی اقوام کی اکثریت عیسائیوں یا مسلمانوں پر مشتمل ہوگی، یا تو کل کے کل مسلمان ہوں گے یا عیسائی ہوں گے۔ جدید صلیبی جنگ کے سیاسی پہلو کے حوالہ سے "نیو یارک ٹائمز" کی رپورٹ 25 جولائی 2005ء کے مطابق بش انتظامیہ القاعدہ اور دیگر "دہشت گرد" گروہوں کے خلاف نعرہ کے حوالہ سے اپنی اس فکر کو آگے بڑھا رہی ہے کہ طویل مدت کے لیے منصوبہ بندی بھی فوجی مہم کی طرح نظریاتی جنگ ہی کے زمرے میں آتی ہے۔ صلیبیوں کی اس ذہنیت کو سامنے رکھا جائے تو عراق اور افغانستان میں ایک لاکھ

پچاس ہزار لوگوں کی ہلاکتوں پر کوئی حیرانی نہیں ہونی چاہیے۔ مغربی میڈیا کا تعصب ملاحظہ کیجئے، وہ اس خونریزی کو ضمنی نقصان (collateral damage) قرار دیتا ہے۔⁽⁸⁷⁾ نیز عیسائی افواج کی اس تازہ مہم جوئی کا شکار ہونے والوں کی (اگر اور کچھ نہیں تو کم از کم) مانیٹرنگ کے لیے بھی کوئی فکر مند نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پابندیوں (sanctions) کی وجہ سے عراق میں پانچ لاکھ بچوں کی ہلاکت پر اس وقت کی امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ میڈلین البرائنٹ کا ”فرمان“ تھا: ”ہونے دو، یہ اسی کے مستحق ہیں۔“ میڈیا تو ایک طرف، اقوام متحدہ نے بھی امریکہ کی طرف سے شہری آبادیوں کے خلاف وائٹ فاسفورس کے استعمال (جیسے جرم) پر چپ سادھ رکھی ہے۔⁽⁸⁸⁾

جنگلنز کے الفاظ دور جدید کے صلیبیوں کی ”طویل المیعاد منصوبہ بندی“ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس کے مطابق 2050ء میں کل روئے زمین پر ہر دو مسلمانوں کے بالمقابل تین عیسائی ہوں گے۔ دُنیا کی کل آبادی کا 34% عیسائیوں پر مشتمل ہوگا، بالکل اسی طرح جیسے 1900 کے دوران دُنیا پر یورپی بالادستی کے وقت پوزیشن تھی۔ اُس وقت کم از کم دس مقامات ایسے ہوں گے جہاں پر عیسائی اور مسلمان بالادستی حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے کے آسنے سامنے ہوں گے۔ یہ ایسے خوفناک خونی معرکے ہوں گے جن کے سامنے 16 صدی میں لڑی جانی والی یورپی مذہبی جنگیں بہت ہلکی معلوم ہوں گی۔ اسی ”طویل المیعاد منصوبہ بندی“ کے تناظر میں افغانستان پر حملہ اور طالبان حکومت کا خاتمہ صلیبی منصوبے کا ایک معمولی جُز اور اسلام کے خلاف آخری صلیبی جنگوں کے سلسلہ کا نکتہ آغاز دکھائی دیتا ہے۔

مستقبل کے ان معرکوں کی تیاری کے طور پر اس ہمہ جہتی مذہبی محاذ نے طاقت کے تمام شعبوں میں تک رسائی کے لیے منصوبہ بندی کی ہے، جس میں اہم ترین شعبہ ”تھنک ٹینکس“ ہیں۔ مذہبی فرنٹ کے متعلق پوری معلومات رکھنے والے ایک اطالوی دانشور مارکو اسپٹی کا ایک مضمون ”New theologies: The Dawning of The Newconservative Era in the United States“ (مطبوعہ روزنامہ ”IL Foglio“ 19 ستمبر 2003ء) امریکہ میں سیاسی محاذ پر مصروف نیوکنز رویٹوز کے اثر و رسوخ پر روشنی ڈالتا ہے۔ مضمون نگار صرف ایک تھنک ٹینک میں نیوکنز رویٹوز کی تعداد اور اثر و رسوخ کا ان الفاظ میں تذکرہ کرتا ہے: ”آج رابرٹ بورک امریکن انٹر پرائز انسٹی ٹیوٹ

واشنگٹن ڈی سی میں بحیثیت سینئر فیلو موجود ہے۔ اس کے ساتھ والٹر برنز، لینی وی چینی، ڈیوڈ فرم، نیوٹ گنگرچ، جے کرک پٹرک، ارونگ کرٹل، مائیکل لاڈن، جوشوا موراپک، مائیکل نوک، رچرڈ پرلے اور بن جے وانمبرگ بھی براجمان ہیں۔ اسلام مخالف ”پرو پیگنڈا وارلارڈ“، ڈینٹل پوس کا یو ایس انسٹی ٹیوٹ آف پیس میں تقرر بھی اس گیم کا حصہ ہے۔ مذہبی محاذ کا تھنک ٹینکس کے اندر مضبوط کردار کلیسا کو جمہوریت کے نام پر صلیبی جنگ کے علمبردار کی حیثیت دیتا ہے، کیونکہ جمہوریت کے عنوان پر اس جنگ کی ”معقولیت“ کو لوگوں کو باور کرانا بہت آسان ہے، اور فی الواقع عوام کی نظروں میں اسے اتنا قابل قبول بنا دیا گیا ہے کہ وہ اب اس کے خلاف کسی بھی قسم کی دلیل ماننے کو تیار نہیں، باوجودیکہ سب جانتے ہیں کہ جمہوریت کا کیا حشر کیا گیا ہے۔ اخبارات کی چند سرخیاں ملاحظہ کیجئے جو صلیبی جنگ میں مذہبی فرنٹ کے افغانستان سے آگے کی سیاسی مہم جوئیوں کی واضح نشاندہی کرتی ہیں: ”بغداد میں جمہوریت کا تجربہ ویٹی کن کی دُعاؤں کے ساتھ“⁽⁸⁹⁾ ”عراق کے لیے ویٹی کن کی ڈویژن نیٹو کے جھنڈے تلے“⁽⁹⁰⁾ ”علاوی کو پوپ کا خوش آمدید، اسلام کے جمہوریت کی طرف سفر پر کلیسا کا اظہارِ مسرت“⁽⁹¹⁾

4 نومبر 2004ء کو روم میں پوپ کی علاوی کے ساتھ تنہائی میں ملاقات، اُس کی بیوی تھانہ کے لیے دُعا اور ایک علیحدہ ملاقات میں علاوی کا بینہ کے دو وزراء اور ویٹی کن میں عراقی سفیر کی عزت افزائی اس بات کا مکمل ثبوت ہے کہ صلیبی اشاروں پر ناپنے والی ان حکومتوں کو ویٹی کن کی مکمل حمایت حاصل ہے، جو امریکہ نے اپنے قبضہ کے استحکام کے لیے قائم کرائی ہیں۔ دوسری طرف حامد کرزئی کہتا ہے: ”ہمیں یاد ہے کہ افغانستان پر روسی قبضہ کے دوران پوپ نے افغان عوام کی حمایت میں آواز بلند کی تھی۔“⁽⁹²⁾ حیرت کی بات ہے کہ وہی کرزئی افغانستان پر امریکی بمباری کے لیے کلیسا کی طرف سے ہونے والی مکمل حمایت کو نظر انداز کر جاتا ہے۔ چرچ کے زعماء اس بمباری کو امریکہ پر کئے ہوئے حملے کا ردِ عمل مانتے ہیں۔⁽⁹³⁾ کرزئی کے اس رویہ کا سبب صاف ظاہر ہے کہ اس غیر قانونی جنگ اور ناجائز قبضہ ہی کی وجہ سے اُس کی تحت افغانستان تک رسائی ممکن ہوئی ہے۔

ویٹی کن میں امریکی نامزد سفیر جیمز نکلسن کے کاغذات نامزدگی کے سلسلہ میں 13 ستمبر 2001ء کو منعقد کی گئی مجلس کی رپورٹنگ کرتے ہوئے ٹائمز میگزین نے لکھا: ”اس رکی کارروائی کے دوران دُعاؤں کے ساتھ ساتھ عمر رسیدہ پوپ نے امریکہ کے ساتھ ویٹی کن

کی مکمل وابستگی کا کھلے طور پر اظہار کیا۔“ جیمز نکلسن کے قول کے مطابق ”پوپ نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور نئے سفیر کی طرف جھکتے اور ان سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے کہا: یہ صرف امریکہ پر حملہ نہیں تھا، بلکہ تمام انسانیت پر حملہ تھا۔“ جیمز نکلسن کے مطابق ”نائن الیون کے بعد کے دنوں میں پوپ کے ایسے کلمات میں افغانستان پر حملہ کے لیے مقدس کلیسا کی طرف سے امریکی مہم جوئی کی پوری اجازت موجود تھی۔ اپنی وقعت کو امریکن کیتھولکس کی نظروں میں مزید مستحکم دیکھنے کے خواہشمند وہاٹ ہاؤس کے لیے یہ ویٹی کن کی طرف سے ایک بیش قیمت تحفہ تھا۔“ (94)

نائن الیون کے فوراً بعد ویٹی کن نے افغانستان کی آئندہ کھ پتلی حکومتوں میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کی کوشش شروع کر دی۔ پوپ کا ایک وفد نومبر 2001ء میں سابق شاہ افغانستان ظاہر شاہ سے ان کی قیام گاہ پر ملا۔ ویٹی کن کے سیکرٹری برائے امور تعلقات بیرونی ممالک جین لوئس تورن اور اٹلی میں پوپ کے مستقل سفارتکار پالورومیو نے میٹنگ میں شرکت کی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یون میں منعقدہ نام نہاد "Inter Afghan Peace Conference" کے موقع پر بلائی گئی میٹنگ کی کوئی تفصیلات نہیں دی گئیں۔ (95)

عہد حاضر کی صلیبی جنگ میں ویٹی کن کی پالیسی یہ ہے کہ وہ پوری احتیاط کے ساتھ اور مسلم دنیا کے جذبات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے لائحہ عمل کو حالات کے تقاضوں کے مطابق بدلتا رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک سال پہلے سٹیٹ سیکرٹریٹ کی نگرانی اور اجازت سے "Rome Jesuit" کے میگزین L.C.Cattolica نے لکھا: ”جمہوریت کا پودا لگانے کے بہانے دوسرے ممالک میں مداخلت وہاں کی اسلامی آبادی کے خلاف جارحیت شمار ہوگی۔“..... اس کے برعکس آج ویٹی کن کا خیال ہے کہ ”اسلامی آبادیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ قابض فوجوں کو خوش آمدید کہیں، تاکہ وہ وہاں پر جمہوریت کی داغ بیل ڈال سکیں۔“ رویہ کی یہ تبدیلی افغانستان پر بظاہر کامیابی کے ساتھ قبضہ جمانے کا شاخسانہ ہے۔

مذہبی محاذ کی مہم جوئی اب صرف افغانستان پر امریکی قبضہ کی تائید کی حد تک محدود نہیں رہی۔ اب وہ سیاسی محاذ پر سخت سے سخت فوجی اقدامات بروئے کار لانے کے لیے بھی ایک نپے تلے انداز میں دباؤ ڈال رہا ہے۔ ویٹی کن کے عراق پر امریکی قبضہ کی حمایت کے اعلان سے بہت پہلے کارڈنیل رینی نے اطالوی بشپ کانفرنس کی مستقل کونسل میں اپنے خطاب

میں کہا تھا:

”عیسائی مغرب کو چاہیے کہ وہ منظم دہشت گردی کی پوری قوت اور عزم کے ساتھ مخالفت کرے، اور دہشت گردوں کی کسی بھی قسم کی بلیک میلنگ اور شرائط پر کوئی چلک نہ دکھائے اور ساتھ ہی مسلم ممالک میں ہمارے اُن بڑے حلیف عناصر کو جابسانے کا بندوبست کیا جائے، جو آزادی اور جمہوریت کی تمنا لئے ہوئے ہیں۔“

امریکہ کا افغانستان اور عراق پر جنگ مسلط کرنے کے لیے جھوٹ کا سہارا لینا اور یہ مصمم ارادہ کہ وہ دنیا میں کسی جگہ بھی اسلامی طرز حکومت کو جڑ پکڑنے نہیں دے گا، اس بات کا کافی ثبوت مہیا کرتا ہے کہ وہ اپنے اصل ماٹو (یعنی جمہوریت کے فروغ کی بجائے) اپنے آخری ہدف یعنی دنیا کی اکثریت کو عیسائیت میں تبدیل کرنے پر فوکس کئے ہوئے ہے۔

”لاس اینجلس ٹائمز“ کے 18 مارچ 2004ء⁽⁹⁶⁾ کے مضمون ”ایوانجیلیزمو عراق میں مذہبی مشن پر“ اور ڈیوڈ رینی کا 27 دسمبر 2003ء⁽⁹⁷⁾ کے ”ٹیلی گراف“ میں شائع شدہ مضمون ”عراق میں بائبل مشنریوں کی روحانی جنگ“ دو ایسے چشم کشا مضامین ہیں، جو ان جنگوں کو مذہبی معرکے ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔

افغانستان میں بظاہر کامیابی سے شہ پاکرپس پردہ رہنے والے صلیبیوں نے سیاسی محاذ پر متعین عیسائی انتہا پسندوں سے مذہبی بنیادوں پر استوار فوجی مہم جوئی کو آگے بڑھانے کا مزید مطالبہ کیا۔ روم کے معروف روزنامے "Il foglio" نے 21 ستمبر 2004ء کو اطالوی حکومت سے ایک اپیل میں درخواست کی کہ وہ نیٹو اور یورپی یونین میں ”اتحاد اوقیانوس“ کے تحت فوجوں کی ایک بھاری فوج کشی کے لیے کام کرے۔ اس اپیل پر دوسروں کے علاوہ اطالوی شپس کے اخبار "Avennire" کے V.E.Parsi نے بھی دستخط کئے۔

اسی طرح ویٹی کن کے سیکرٹری آف سٹیٹ کارڈنیل اینجلیکو سدانو نے بھی ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی تعریف اور اینٹی امریکن سیکولرسٹ یورپ کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس نے 22 ستمبر 2004ء کو اخبار "Latampa" کے نمائندہ کو انٹرویو کے دوران اقوام متحدہ پر بھی سخت تنقید کی کہ اُس نے امریکہ کو عراق پر حملہ کی اجازت نہ دی۔ عراق پر دوبارہ فوج کشی کی تائید میں دراصل تردد اور غیر آمادگی حائل تھی، کیونکہ اس یلغار کو ہر کوئی مبنی بر انصاف جنگ تصور نہیں کرتا تھا۔ امریکہ کو عراق کے مظلوم عوام سے بھی مکمل تعاون کا یقین نہیں تھا۔ عراقیوں کی

جانب سے روز افزوں مزاحمت اب صلیبیوں کو یہ واضح اشارہ دے رہی ہے کہ عراقیوں کو صدام سے ہرگز اتنی شدید نفرت نہ تھی جتنی کہ قابض امریکہ سے ہے۔ اسلامی جذبہ کو اپنی راہ میں حائل پاکر صلیبیوں کا مذہبی محاذ ”خلافت“ کے خواب کے مقابلے میں اپنے قبضہ کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی جدوجہد کو تیز کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

دُنیا سمجھتی ہے کہ افغانستان اور عراق کی جنگ ایک مقدس قدر کی پامالی ہے۔ عام طور پر جنگ کرنا تو درکنار اس کے متعلق سوچنا بھی غیر اخلاقی خیال کیا جاتا ہے اور کیتھولک حلقوں میں تو یہ اور بھی زیادہ حساس معاملہ ہے۔ لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ مذہبی زعماء بُش کے حفظ ماقدم (pre-emptive) ڈاکٹر ان کے لئے پورا جواز فراہم کرتے ہیں۔ بُش کا ایک ہمراز کیتھولک امریکن نیوکائز کا سرغنہ جارج ویگل جس کے پاپائے روم کے گھرانے کی ایک بااثر شخصیت جے ایم ہاروے سے قریبی تعلقات ہیں، تو کسی یو این او اور انٹرنیشنل کمیونٹی کو بھی درخور اعتنا نہیں سمجھتا۔ وہ اپنے ایک مضمون (2003) "The Catholic Difference" میں لکھتا ہے: ”چونکہ یہ جنگ مبنی برانصاف ہے، لہذا اس کے لیے سکیورٹی کو نسل کی پیشگی اجازت ناگزیر نہیں۔“⁽⁹⁸⁾ افغانستان اور عراق پر بزور قوت قبضہ کے لیے راہ ہموار کرنے کی خاطر ویگل یہ منطق پیش کرتا ہے کہ ”قومی ریاستوں“ کی ”خود مختاری“ کو جو روایتی تحفظ حاصل ہے، اس کے خلاف زور زبردستی کے کسی اقدام سے پریشان نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ یہ ریاستیں بین الاقوامی اقدار کے متعلق ضابطہ اخلاق کے کم سے کم معیار پر پوری نہیں اُترتیں اور ان کے طرز عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان ضوابط کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہیں۔“⁽⁹⁹⁾

11 ستمبر 2001ء کے فوراً بعد جن ساٹھ امریکیوں نے ”امریکہ سے ایک خط“ نامی یادداشت پر دستخط کئے، ان میں نواک، ویگل اور میری این گیلنڈر جیسی معروف کیتھولک شخصیات شامل تھیں۔ یہی لوگ فوکویاما اور ہنٹنگٹن جیسے اہل قلم کی طرف سے افغانستان پر حملہ کے جواز کے ”فتویٰ“ میں پورے طور پر ہمنوا تھے۔ از سر نو متعارف کردہ ”just war“ (مبنی برانصاف جنگ) کا عیسائی اقوال ”انصاف پر مبنی قبضہ“ ”انصاف پر مبنی اذیتیں“ ”انصاف پر مبنی سفید فافسورس کا استعمال“ ”انصاف پر مبنی افزودہ یورینیم کا استعمال“ ”انصاف پر مبنی طالبان کی لاشوں کو جلانے کا عمل“ اور ”انصاف افزودہ پر مبنی قتل عام“ کی شکل میں آج بھی جاری و ساری ہے۔

21 ویں صدی کی پہلے سے طے شدہ صلیبی جنگ کے متعلق یہ اہل قلم یہ موقف رکھتے ہیں کہ ”مبنی برانصاف جنگ“ کا تصور مذہبی اور سیکولر ہر دو حوالوں سے ایک گہرا اخلاقی جواز رکھتا ہے۔ جبکہ اس تصور کے مخالف بعض دوسرے لوگ یہ اصرار کرتے ہیں کہ یہ جنگ صرف اور صرف ذاتی مفادات اور ذاتی ضرورت کے تحت لڑی جا رہی ہے اور اس کا اخلاقی پہلو کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ ویگل کہتا ہے کہ ہمارا اس بات سے اتفاق نہیں۔⁽¹⁰⁰⁾ حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا کو جن مصائب کا سامنا ہے اُن کی وجہ دراصل تصوراتی دُنیا میں وہ کچھ حاصل کرنے کی کوشش پر اصرار ہے، جس کا حصول حقائق کی دُنیا میں ممکن دکھائی نہیں دیتا۔ ہمارے اس عہد کے صلیبیوں کا یہی ایجنڈا ہے، اور اسی لیے ہر طرف فساد برپا ہے۔ اپنے اس ایجنڈے کی تکمیل کے لیے وہ میڈیا، علمی ذرائع اور سیاسی محاذ کو موثر طور پر استعمال کر رہے ہیں۔

”مبنی برانصاف جنگ (just war) کے نام پر صلیبیوں کی جدوجہد افغانستان اور اُس کے بعد عراق پر حملہ تک محدود نہیں رہی بلکہ وہ وحشیوں کے اتحاد میں زیادہ سے زیادہ ممالک کو شامل کرنے کے لیے بھی کوشاں ہیں۔ میلان کی کیتھولک یونیورسٹی میں جیو پالیٹکس کے استاد ڈوری ای پرسی اپنی تازہ تصنیف The inevitable Allaince: Europe & The United States beyond Iraq. یورپ اور امریکہ کے اتحاد کی تائید کے ضمن میں لکھتا ہے: ”تمام ممالک کی برابری کا فلسفہ“ ایک ایسا افسانہ ہے جسے کوئی ثبات حاصل نہیں۔“⁽¹⁰¹⁾ دراصل اسی فکر کے تحت طالبان کے خلاف سخت پابندیاں عائد کی گئیں۔ ان کی حکومت تسلیم نہیں کی گئی۔ جن صلیبیوں کو اُن کے خلاف اُبھارا گیا تھا، ان کی طاقت، منصوبہ بندی اور ہمہ گیر ارادوں کا انہیں (طالبان) کوئی ادراک نہیں ہو سکتا تھا۔ صلیبیوں کے مذہبی سلطنت کے خواب تقریباً پورے ہو چکے ہیں اور وہ دُنیا کو بظاہر ایک عیسائی دُنیا میں تبدیل کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔ جم ویلس ایونجلیکل کرچین میگزین "Sojourners" میں اپنے ایک مضمون "Dangerous Religion: George w Bush, stheology of Empire" میں لکھتا ہے: ”بُش کا فلسفہ مذہب بائبل کی تعلیمات کی روشنی میں جانچا جانا چاہیے کہ آیا یہ اصل میں عیسائیت سے متعلق ہے یا محض امریکہ سے؟ کیا اس سے ایک ”عالم خداوندی“ (God's world) کا تصور ابھرتا ہے یا یہ حقیقت واقعی کی طرف گامزن دُنیا کو ایک ”امریکی قومیت“ والی دُنیا میں بدلنے کی کوشش ہے؟ تمام

نقشہ میں ایک ڈرامائی تبدیلی اس وقت رونما ہوگئی جب صدر جارج ڈبلیو بوش نے امریکی اقتدار کو غالب کرنے کی تحریک میں ”خدا“ کو بھی ملا لیا۔ کسی قوم کا دنیا میں اپنی بالادستی قائم کرنا ایک بات ہے جبکہ یہ دعویٰ کرنا کہ اس کی فوج اور خارجہ پالیسی کی کامیابی مذہبی جذبہ سے سرشار مشن کے طفیل ہے، اور بات ہے۔ صدر بوش یہی دعویٰ کرتا ہے، بلکہ وہ تو اس سے بھی آگے بڑھ کر کہتا ہے کہ اس کی صدارت بالکل اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہے، اس وقت کے لیے جو اس (صدارت) کے لیے موزوں وقت ہے۔“ (102)

دو ہر معیار ملاحظہ کیجئے، عراق اور افغانستان کے لیے ایسے آئین مرتب کرنے کی منظم کوششیں کی جا رہی ہیں جس میں اسلام کو صرف ذاتی زندگیوں تک محدود رکھا جائے اور اجتماعی زندگی سے اسے دور رکھا جائے۔ اس کے بالکل برعکس ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں بش انتظامیہ کے تحت مذہبی محاذ نے اپنی سلطنت قائم کر رکھی ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ ایک برائے نام سیکولر نظام سے ایک کھلے مذہبی نظام حکومت میں تبدیل ہو رہا ہے۔ اس تبدیلی میں بوش کے مذہب کے حوالے سے اقدامات کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور ان اقدامات سے مستقبل میں مسلم ممالک کے تعلق سے امریکی پالیسیوں کے بارے میں بعض سنجیدہ سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ بل برکویز کا تجزیہ ”ملائیئت کی طرف بے ڈھنگی چال“ (Slouching Towards Theocracy) امریکی حکومت کی ایک ”مذہبی سپر پاور“ میں تبدیلی پر ایک بھرپور منظر نامہ پیش کر رہا ہے۔ (103) اپنے سٹیٹ آف دی یونین خطاب میں بوش نے کانگریس کو یاد دہانی کرائی کہ مذہبی بنیادوں پر استوار اس کی تجاویز کو ایک مستقل حیثیت دی جائے، تاکہ اس کی بدولت مذہبی تنظیم کو گورنمنٹ کنٹریکٹس اور گرانٹس میں زیادہ سے زیادہ حصہ مل سکے۔ ”چرچ اینڈ سٹیٹ“ کے شمارہ مارچ 2004ء کی رپورٹ کے مطابق جم ٹوری نے (جسے مذہبی زار کی حیثیت حاصل ہے) رپورٹرز کے سامنے اعلان کے موقع پر بتایا کہ چالیس بلین ڈالر کی خطیر رقم اب مذہبی عطیات کے طور پر دستیاب ہے۔ جبکہ افغانستان اور پاکستان میں قائم تابع مہمل حکومتوں پر مذہبی اداروں پر عرصہ حیات تنگ کرنے کے لیے دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ وائٹ ہاؤس کے پریس ریلیز اور ویب سائٹ کے مطابق مذہبی گروہ 65 بلین ڈالر سے زیادہ مہیا کردہ رقم کے لیے مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ سٹیٹ کے زیر اہتمام چلنے والے دیگر پروگراموں سے بھی رقم کے لیے درخواستیں دی جاسکتی ہیں۔ اس ضمن میں بوش کے دستخط شدہ

ایک ایگزیکٹو آرڈر کا متن یکم جون 2004ء کو شائع کر دیا گیا۔⁽¹⁰⁴⁾ 22 ستمبر 2003ء کو وہائٹ ہاؤس سے نئے قوانین کا اجراء ہوا، جن کی رو سے 28 بلین ڈالر کی رقم مذہبی فنڈ میں ”تبدیلی و امتیاز مذہب“ جیسے امور پر خرچ کرنے کے لیے مہیا کی گئی۔ اس فنڈ میں سے ایک بلین ڈالر کی وصولی کے لیے سادہ ترین معیار مقرر کیا گیا ہے اور وہ ہے صدارتی امیدوار کے طور پر بٹش کی حمایت کرنا۔⁽¹⁰⁵⁾ ”دی اٹلانٹک“ میگزین کے اکتوبر 2002ء کے شمارے⁽¹⁰⁶⁾ میں عیسائیت کو پوری دنیا میں پھیلانے کے لیے بھاری بھر کو ششوں سے مذہبی سلطنت کے پھٹنے پھولنے کا پتہ چلتا ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ جدید صلیبی جنگ کا مذہبی محاذ اندرون اور بیرون ملک کتنی فعالیت دکھا رہا ہے۔

مسلم اکثریتی ممالک کے خلاف امریکہ کی قیادت میں ہونے والی وحشیانہ کارروائیاں بنیادی طور پر نہ تیل کے لیے ہیں اور نہ جمہوریت کے لیے بلکہ یہ کارروائیاں عیسائی انتہا پسندی کے ساتھ جڑی ہوئی تیل مافیا اور نیوکاز کی حریصانہ مہم جویوں کی وجہ سے کی جا رہی ہیں۔ اسلام کو عمومی طور پر اور طالبان کو خصوصی طور پر بدنام کرنے کے پس پردہ کارفرما مذہبی جذبہ کے مطالعہ ہی سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے، تاہم عام طور پر ہر ذی ہوش اور امن پسند انسان یہی سمجھتا ہے کہ یہ تیل ہی کے لیے جنگ ہے اور تیل کے ذخائر ختم ہونے پر ہی یہ اختتام پذیر ہوگی۔ حقیقت یہی ہے کہ نائن الیون جیسا اندوہناک واقعہ (اندرون ملک) اور خوفناک فوجی مہم جوئی (بیرون ملک) کبھی بھی تیل اور پائپ لائن کے لیے نہیں ہو سکتیں، جب تک اس کے پیچھے مذہبی جذبہ کارفرما نہ ہو۔ اور ہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ساری دنیا ”مہذب“ امریکیوں کو نائن الیون کے تعلق سے جھوٹے بہانے کرتے دیکھ رہی ہے۔ اُن کے ان جھوٹے اور بے بنیاد دعوؤں کے پیچھے یہی مذہبی جذبہ کارفرما ہے۔ مذہبی جذبہ کے بغیر کسی ایک بھی انسان کو اتنے بڑے جھوٹ پر آمادہ کرنا ناممکن ہے، جس پر نیشنل انتظامیہ مسلسل کاربند رہی ہے، اس لیے تاکہ دنیا کو طالبان کے متعلق بدگمان کیا جاسکے، یا عراق میں لاکھوں لوگوں کو بھوک سے یا ذہنیات سے دے دے کر مروایا جاسکے۔

ظاہر ہے کہ اندرونی طور پر ایک سخت گیر اور خارجی طور پر ایک مقرر مطلق پالیسی وضع کرنے میں انفرادی اور اجتماعی دونوں حالتوں میں آخری اور وسیع تر صلیبی جذبہ ہی ایک اہم کردار ادا کر سکتا ہے خصوصاً جب یہ ”صلیبی وار لارڈز“، میڈیا، علمی ذرائع، قومی حکومتوں اور مسلح

افواج کو ”خدائی مقاصد“ کے لیے استعمال کا طریقہ کار خوب جانتے ہوں۔

اکیسویں صدی کی صلیبی جنگ کے پیچھے افراد اور اداروں دونوں کے بیانات اور اعمال ریکارڈ پر ہیں۔ تازہ ترین مثال یو ایس ایڈ کے ہونے والے ڈپٹی ڈائریکٹر پال بون سیلی ہیں، جو بیرونی دنیا میں جمہوریت اور ”اچھی حکمرانی“ کے متعلق امور کے نگران ہوں گے۔ انتظامیہ کے لیے اس شخص کی اہمیت اس بنا پر ہے کہ وہ رورل ور جینیا میں ٹینی پیٹرک ہنری کالج میں اکیڈمک امور کے ڈین ہیں، اس ادارے کا ماثو ہے: ”For Christ and Liberty“ (عیسیٰؑ اور آزادی کے لیے) اس بنیاد پرست ادارے کے 300 طلبہ 10 حصوں پر مشتمل ایک ایسی دستاویز پر دستخط کرتے ہیں، جس میں اور باتوں کے علاوہ ایک ”بیان عقیدہ“ statement of faith بھی ہے، جس کی رو سے وہ تمام لوگ جو عیسیٰ (عیسائیت کے حلقہ سے) سے باہر جاتے ہیں، وہ دوزخ میں دائمی عذاب سے دو چار کیے جائیں گے۔ دہلیم فشر جو مڈل ایسٹ، افریقہ، لاطینی امریکہ اور ایشیا میں اقتصادی ترقی کے پروگراموں کا انچارج رہا ہے، حیرانی کے ساتھ لکھتا ہے کہ ”یو ایس ایڈ“ کے یہ پروگرام جن مسلمانوں کے لیے عراق اور مڈل ایسٹ بھر میں چلائے جائیں گے، اُن کا اس مذہبی عقیدہ (یعنی وہ تمام لوگ جو عیسیٰ (عیسائیت کے حلقہ سے باہر ہیں گے دوزخ میں دائمی عذاب سے دو چار ہوں گے) کے متعلق رد عمل کیا ہوگا؟ (107)

عیسائیوں کے لیے مسلمانوں کے ساتھ شادیوں پر ویٹی کن کی طرف سے تنبیہ اور سیاسی اور فوجی زعماء کے خیالات میں کوئی فرق نہیں۔ (108) یہ ردیہ مسلمانوں اور مسلم اکثریتی ملکوں کے خلاف ناجائز مہم جوئی کی حوصلہ افزائی میں معاون ثابت ہو جاتا ہے۔ اگر کسی قوم کے ”عقیدہ“ یا اس عقیدہ کے پیروکاروں پر ”برائی“ اور ”دشمن“ کے لیبل لگا دیئے جائیں تو عوام الناس اس قوم پر ناجائز طور پر ہونے والی زیادتیوں اور مظالم سے بھی اندھے بہرے ہو جاتے ہیں۔ کسی قوم پر طالبان کا لیبل لگا کر ان کا بے تحاشا قتل اور ان کی لاشوں کو جلانے کا عمل مغربی پریس کے لیے کوئی خبر نہیں بنتی۔ اسی طرح امریکی سپاہیوں کا ابو غریب جیسے جدید عقوبت خانے میں اپنے مزعومہ دشمنوں کو خونخوار کتوں کے پنجروں میں ڈالنے کی ظالمانہ حرکت پر کسی کو ان ظالموں کے خلاف کوئی غصہ نہیں آتا، جنہوں نے ایسے سنگین جرائم کے ارتکاب کے لیے حالات کو موافق بنایا ہے۔ یہ ناقابل تردید مثالیں واضح کرتی ہیں کہ افغانستان پر حملہ اور

قبضہ کے پیچھے اصل جذبہ محرکہ مذہبی تھا، جو انسانیت کے خلاف مزید گھناؤنے جرائم جاری رکھنے کا سبب بن رہا ہے۔ مذہبی جذبہ پر استوار میڈیا، علمی ذرائع اور فوج کا ایک انجانا خوف اور مسلمانوں اور ان کی ثقافت سے بدترین نفرت و ایسے عوامل ہیں جو غیر مسلموں کو مسلم اکثریتی قوموں کے خلاف طویل جنگوں پر آمادہ کرنے کا سبب بن رہے ہیں۔ اُمت مسلمہ کے عملی طور پر 57 ریاستوں میں منقسم ہونے سے جدید صلیبی جنگیں زیادہ ممکن العمل ہو چکی ہیں، کیونکہ ان کو باری باری اٹھا کر ایک ایک کر کے ختم کرنا آسان ہے اور ابتداء اس قوم (افغانستان) سے کی گئی جو قرآن کو اپنا آئین بنانے پر تلی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔

جو لوگ از منہ وسطی کی تاریخ سے واقف ہیں وہ بُش، پاؤل اور بوئے کن (Boykin) کے عراق و افغانستان میں جاری جنگوں کے متعلق بیانات سے صحیح طور پر سمجھتے ہیں کہ یہ جنگیں ماضی کی صلیبی جنگوں سے کچھ بھی مختلف نہیں۔ وہ صلیبی جنگیں بھی اسلام کے خلاف عیسائیت کی شروع کردہ تھیں اور کسی بھی لحاظ سے مدافعانہ جنگیں نہیں تھیں، جیسا کہ دعویٰ کیا جاتا ہے۔ ہاں، ماضی کے صلیبی موجودہ صلیبیوں کے مقابلہ میں اخلاقی لحاظ سے بہتر تھے۔ اُن میں صاف گوئی کی صفت تھیں۔ اسلام کے خلاف اپنی جارحیت کے جواز کے لیے انھوں نے کبھی بھی جھوٹی کہانیاں گڑھنے کی کوشش نہیں کی۔

جنسی زیادتیوں کے مرتکب امریکی وحشی سپاہی صلیبیوں ہی کی بے حس اذیت ناکیوں کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ جنرل بوئے کن اور اس کے ساتھیوں کا افغانستان اور عراق میں اذیت ناکیوں کے عمل سے عملی تعلق رہا ہے۔ تفتیشی صحافی سیمور ہرش کے مطابق ”جنرل بوئے کن نے خود ایسی ملٹری پالیسی مرتب کی تھی جو مسلم قیدیوں کے خلاف اذیتی حربوں کے استعمال میں مدد ثابت ہو رہی تھی۔“ (109) اسلام کے خلاف عیسائیت کی جنگ سے متعلق یہ ایک بنیادی فکر ہے کہ اذیت رسانی اور تذلیل حربوں کے ذریعے قیدیوں کو ذہنی طور پر مفلوج کیا جائے اور یہ کام جنرل بوئے کن نے خوب کر دیا۔ ”نیو یارکر“ میگزین میں سیمور ہرش کی ایک تازہ رپورٹ کی ابتدا کچھ اس طرح ہے: ابو غریب جیل سکیٹڈل چند مجرمانہ رجحانات کے حامل ریزورسٹ (سپاہیوں) کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ اس کا تعلق رمز فیئڈ کے گزشتہ سال کے اس فیصلہ سے ہے، جس میں القاعدہ پر فوکس کرنے اور قیدیوں سے تفتیش کے لئے ایک نہایت خفیہ آپریشن کے لیے کہا گیا تھا۔ اس کے اس فیصلے سے امریکی انٹیلی جنس سے منسلک لوگوں میں ایک بد مزگی

پیدا ہوئی، ایلیٹ کمیٹی یونٹس کی کارکردگی متاثر ہوئی اور دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ کو زک اٹھانا پڑی۔ جس اخلاقی جواز کا اتنا ڈھنڈورا پیٹا گیا ہے، اسے اس تناظر میں پرکھا جانا چاہئے۔⁽¹¹⁰⁾ جدید صلیبی جنگ کے سرخیل بُش اور بلیئر (لگتا ہے) یہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ ان کا مقصد ”نیک“ ہے، لہذا اس کے لیے جو بھی حربے استعمال کئے جائیں، سب ”نیک“ ہی ہوگی۔ چنانچہ ان کی نظر میں کیمیائی ہتھیاروں کے ذریعے شہریوں کا قتل عام تو صرف ضمنی نقصان (collateral damage) ہی کے زمرے میں آتا ہے۔ کسی ایسے دشمن کے خلاف جس سے کوئی خطرہ لاحق ہونے کا امکان ہی نہ ہو، جھوٹ بول بول کر جنگی معرکہ برپا کر کے جارحیت کا ارتکاب کرنا ان کے نزدیک نہ ظالمانہ فعل ہے اور نہ بزدلانہ حرکت، بلکہ (الٹا) یہ ان کی نظر میں ”برائی“ کے خلاف طاقت کا اظہار ہے۔

جنگ کے خالق

پیٹرک بنجمن کا قول ہے:

”عراق اور افغانستان کی یہ جنگ کہ جس میں ہم یکا یک کود پڑے ہیں، سول مذہبی

جنگ ہے، جو اس بات کا فیصلہ کرے گی کہ اسلامی دنیا پر حکمرانی کون کرے گا۔“ (111)

آپ یقین کریں یا نہ کریں لیکن یہ حقیقت ہے کہ مسلم دنیا سے متعلق امریکی خارجہ پالیسی کی تشکیل میں اصل ہاتھ مذہبی اہداف اور الہیاتی ذہن کی حامل (مذہبی) شخصیات ہی کا رہا ہے، جس کے افغانستان اور عراق پر حملوں کے بعد سارے شواہد سامنے آچکے ہیں۔ مسٹر ملر کی کتاب "Cruel and Unusual" اس موضوع پر ایک اہم دستاویز ہے جس میں بُش کے قول و فعل سے معقول انسانوں (عیسائی ہوں یا غیر عیسائی) کی بیزاری کا صریحاً تذکرہ کیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ”بُش اس حوالے سے اکیلا نہیں کہ وہ ایک مذہبی ذہن رکھتا ہے۔ GOP (پوپ کی حکومت) بھی پوری طرح اُس کی ہمنوا اور معاون ہے، تاکہ وہ (بُش) ان مذہبی جنگوں کو آگے بڑھا سکے۔“ (112) ”مخصوصاً“ عیسائی رائٹ“ میں مذہبی ذہن دیگر عناصر کے ساتھ مل کر اہم بین الاقوامی معاملات جیسے مسلم ممالک کے لیے ریاست ہائے متحدہ کی خارجی پالیسی، عالمی ذرائع تیل پر قبضہ، کارپوریٹ دُنیا کے زیرِ اہتمام گلوبلائزیشن اور فوجی تسلط جیسے امور میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ایونجیلیکل تحریک۔ کہ ساتھ مل کر یہ مذہبی طبقہ نہ صرف میڈیا، علمی ذرائع، سیاست اور کلچر کی راہ متعین کرتا ہے بلکہ پارٹی میں مضبوط ووٹ بنک کی بدولت سیاستدانوں سے اپنے مفاد کے کام نکلوانے میں بھی کامیاب رہتا ہے۔“ (113)

ایک طرف اسلام مخالف قوتوں کا یہ ایجنڈا اتنا نمایاں رہا ہے اور دوسری طرف بُش اپنے ”ازسرنو جنم یافتہ“ مذہب میں سر تاپا منہمک ہے۔ سیاسی فیصلوں میں مذہب کے کردار کے حوالے سے بُش کی پالیسی پر کافی بات ہو چکی ہے۔ (114) اس لیے ضروری ہے کہ ایونجیلیکل تحریک و مذہب کا فوج، میڈیا اور سیاست کے ساتھ وہ رشتہ پہچانا جائے جس نے ان قوتوں کو مجتمع کر کے افغانستان کے خلاف جنگ میں ایک نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

Time Shall Be No More: Prophecy Belief in کتاب "Modern American Culture" کے مصنف تاریخ کے پروفیسر پال ایس بوئر کے نزدیک امریکی پبلک پالیسی کے تعین میں مذہبی افکار کا ایک بالواسطہ اور غیر محسوس کردار ہمیشہ رہا ہے۔ بوئر امریکی قوم کو یاد دلاتا ہے کہ وہ بائبل پر عقیدہ کے خفیہ مگر حقیقی کردار کو سمجھنے کی کوشش کرے جو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی خارجی پالیسی خصوصاً مسلم ممالک کے متعلق پالیسی کا تعین کر رہا ہے۔ (115)

یہ بات کسی بڑی تحقیق کی متقاضی نہیں رہی کہ ایونجیلیکلز ایک منظم طریقہ سے اسلام کے خلاف نفرت پھیلا رہے ہیں۔ 17 مئی 2003ء کو نیویارک ٹائمز میں لاری گڈشٹن کی رپورٹ کا عنوان ہے: "Seeing Islam as Evil Faith, Evangelicals Seek Converts" ((نعوذ باللہ) اسلام ایک "برا" عقیدہ ہے۔ ایونجیلیکلز منخرین تلاش کر رہے ہیں)۔ منطقی بات ہے کہ جس چیز کو برائی (Evil) جانا جاتا ہے، اُسے قائم ہونے اور ترقی کرنے کی اجازت کیونکر دی جاسکتی ہے۔ بُرائی کا تو خاتمہ ہی ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے اسی وجہ سے افغانستان پر حملہ اور قبضہ کو بالکل جائز گردانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ اس رپورٹ کے مطابق اس پرفوکس کیا جاتا ہے کہ کس طرح اسلام بیزاری کے کام کو ترویج دی جائے۔ گولڈشٹن کی اس کتاب کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے۔ وہ لکھتا ہے:

"گزشتہ سال کے دوران وزراء کے نفرت انگیز بیانات کے ساتھ ایونجیلیکل عیسائیت کی بنیادی سطح کے بہت سارے لوگ اب اسلام کے خلاف پیدائشی نفرت اور کدورت کے قائل ہو چکے ہیں۔ مذہبی زعماء جیسے فرینکلن گراہم، جیری فارول، پیٹ رابرٹسن اور جیری وائٹن کی تیز و طرار تقاریر کی وجہ سے مسلمان اور عیسائی دونوں گروہوں نے اسلام کو کوسنا شروع کر دیا ہے۔ گراہم اسلام کو ایک "برا" اور "شر پسند" مذہب قرار دیتا ہے جبکہ وائٹن (ملعون اور بد بخت) نے تو پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کے بُرے نام رکھنے تک کی جسارت کی ہے۔ ان مصنفین اور مقررین کی تحریریں اور تقاریر مختلف الاسلوب ہونے کے باوجود اس بنیادی تصور پر متفق معلوم ہوتی ہیں کہ دُنیا کے دو عظیم ترین مذاہب ایک دوسرے کے خلاف گتھم گتھا ہونے کی طرف بڑھ رہے ہیں جن میں ایک (یعنی عیسائیت) کل خیر، سچائی اور امن کا داعی ہے جبکہ دوسرا (یعنی اسلام، نعوذ باللہ)

کل شر، کذب اور تشدد کا داعی ہے۔“ (116)

نیویارک ٹائمز اور مرکزی دھارے میں شامل دیگر میڈیا چینلز ان مبلغین کے نفرت انگیز بیانات کو آگے بڑھانے کا ”کارِ خیر“ نہایت تندہی سے انجام دے رہے ہیں۔ (117)

واقعاتی تجزیہ کے نام پر ان خیالات کی تشہیر کا کام ہمیشہ جاری و ساری رہتا ہے۔ اگر کسی ایوانِ مجلہ مقرر کی تقریر 20 سامعین نے سنی تو نیویارک ٹائمز اپنی براہ راست اشاعت کے ذریعے ان خیالات کو 13 لاکھ لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ (118) نیویارک ٹائمز کے باقاعدہ قارئین کے ساتھ ساتھ اُس کے متعلقہ جرائد کی 40 ویب سائٹس کے لاکھوں ناظرین تک بھی یہ تقاریر باقاعدہ پہنچتی ہیں۔ (119) 1997 میں ایک پتہ پستی جریدے میں 10 شخصیات میں شامل مائیکل ہاروٹز کے نام کے ساتھ جو کچھ فقرہ تھا وہ تھا: ”He is Jewish“ یعنی وہ (دراصل) یہودی ہے۔ یہ صرف اور صرف ان اسلام مخالف عناصر کے اثر و رسوخ کے پھیلانے کے حربے ہیں جو اسی مقصد کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں۔

سابقہ ریگن انتظامیہ کے ایک اعلیٰ اہلکار کو مادرِ ٹریا، بلی گراہم سمیت 10 اعلیٰ شخصیات کی فہرست میں شمولیت کے اعزاز سے اس لئے نوازا گیا کہ اس نے بیرونی دنیا میں مظلوم عیسائیوں کی مدد پر ایوانِ مجلہ کو جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔

ہولوکاسٹ کے دوران مغرب کے غیر دلچسپ رویے کے ردِ عمل کے طور پر ہاروٹز نے ”گر اس روٹ موومنٹ“ کی بنیاد ڈالی۔ اسی تحریک کی وجہ سے ایوانِ مجلہ عیسائیوں نے عالمی معاملات میں دلچسپی یعنی شروع کی۔ ان کی ہر شے میں موجودگی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ وائٹ ہاؤس کے چرچ میں ان کے لیے ”pews“ (چرچ میں فیملی نشست گاہیں) مختص کی جا رہی ہیں۔ قانون سازی اور کئی دیگر پالیسیوں کی تشکیل میں ان ایوانِ مجلہ کا عمل دخل ہوتا ہے۔ افغانستان اور عراق پر حملہ ان امور میں سے ایک ہے جن کے متعلق ان ہی لوگوں کی آراء کو ترجیح دی گئی۔ بین الاقوامی معاملات میں ایوانِ مجلہ کی بڑھتی ہوئی دلچسپی کے متعلق ”وال سٹریٹ جرنل“ کا رپورٹر پیٹر والدین لکھتا ہے: ”1998ء سے انھوں (ایوانِ مجلہ) نے مرکزی قوانین کے بل پر بیرونی دنیا میں مذہبی مظالم، بین الاقوامی جنسی اغوا کاری اور افریقہ میں جنوبی سوڈان کی طویل ترین جنگ کے خاتمہ میں اہم کردار ادا کیا۔ اس طرح کسی زمانے کا یہ تنہائی پسند گروہ اب امریکہ کی خارجہ پالیسی پر ایک نمایاں اثر رکھتا ہے۔ اور انہی لوگوں کی وجہ سے

idealists کا پلڑا realists کے مقابلہ میں بھاری نظر آ رہا ہے۔ (idealists تمام بین الاقوامی معاملات میں امریکہ کا ایک اخلاقی کردار دیکھنا چاہتے ہیں، جبکہ realists سمجھتے ہیں کہ امریکہ کا تواں (capacity) اتنا نہیں کہ ہر جگہ ٹانگ اڑائے، لہذا وہ خود کو اپنے آپ کو محدود رکھے)۔“ (120)

ایک گیلپ پول کے حوالے سے والڈمین بتاتا ہے کہ ایونجیلیکلز کل امریکی آبادی کے 43 فیصد سے کسی طور کم نہیں۔ محکمہ دفاع کے اعداد و شمار کے مطابق حاضر سروس میں ان کی تعداد 40 فیصد تک اور فوج میں مذہبی امور سے متعلق اہلکاروں میں ان کا تناسب 60 فی صد ہے جبکہ کلیسا سے آنے والے ایسے اہلکار ان سے کافی کم ہیں۔ فوج کی طرف سے گو (عیسائیت اختیار کرنے کے لیے) تبلیغ پر پابندی ہے، لیکن ان (ایونجیلیکلز) کا خیال ہے کہ یہ ان کے عقیدہ سے متعلق ایک بنیادی قدر پر قدغن کے مترادف ہے۔ (121) امریکہ میں بڑے پیمانے پر دستیاب کتاب The Soldier's Bible کی پشت پر فوجی زعماء کے مذہبی نعرے درج ہیں۔ ان میں جنرل ویلم بوئے کن کا نعرہ کچھ اس طرح ہے ”میرا یقین تھا میرا خدا اُس کے (عثمان اُتو کے) خدا سے بڑا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ میرا خدا حقیقی خدا تھا اور اس کا ایک بت۔“ (122) یہ الفاظ اُتو عثمان کے ساتھ بوئے کن کے جھگڑے کے پس منظر میں ہیں۔ اُتو عثمان 1991 کی لاقانونیت سے پہلے صومالیہ میں تیل کی ایک بہت بڑی کاروباری شخصیت تھے۔

پیٹر والڈمین جیسے امریکی تجزیہ نگار بیرونی معاملات میں مذہبی جذبہ کی مداخلت کو گزشتہ صدی تک لے جاتے ہیں۔ ان کے تجزیہ کے مطابق پروٹسٹنٹ چرچ کی انتظامیہ ووڈرو ولسن اور فرینکلن ڈی روزویلٹ کی ”خارجہ پالیسی تصور پسندی“ (Foreign Policy Idealism) جیسے افکار کے پورے طور پر حق میں ہے۔ ایونجیلیکلز کی سرگرمیاں بیرونی معاملات میں بڑھتی ہوئی امریکی مداخلت کے ساتھ شروع نہیں ہوئیں، جیسا کہ برٹش امپائر پر ابتداء میں غلاموں کے پیشہ ور سوداگروں اور دوسرے بد معاشوں کے بعد ایونجیلیکلز کا اثر ہوا۔“ والڈمین کے مطابق جس طرح 19 ویں صدی میں مشرق وسطیٰ میں برطانوی مداخلت کے پیچھے مذہب کا ایک رول رہا ہے، بعینہ آج کے امپریلسٹ یعنی واشنگٹن کے ایونجیلیکلز لبرلز (آزاد منشن) کہلانے والے نیوکائزروینیوز کے ساتھ مل کر اکٹھے ایک مشترک مقصد کو حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں۔ (123)

دور جدید میں جمہوریت کے نام پر کروسیڈروں کا مشن نمائندہ حکومت کا قیام اور آزاد تجارت کو فروغ دینا ہے۔ افریقی محقق لیونگسٹن نے 1857ء میں عیسائیت اور تجارت کو تہذیب کے دوستوں سے تعبیر کیا تھا۔⁽¹²⁴⁾ اسی طرح مسٹر ہارویز برطانوی حکومت کو دوام دینے والی بنیاد پرست عیسائیت کو امریکن ایونجیلیکلو کو متحرک رکھنے کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ افغانستان اور عراق کے ضمن میں بُش کا یہ عقیدہ ہے⁽¹²⁵⁾ کہ امریکہ کے لیے یہ مقدر ہو چکا ہے کہ وہ اللہ کی یہ مرضی سمجھے کہ ”آزادی ہر مرد و عورت کے لیے اللہ کی طرف سے تحفہ ہے۔“ پوپ دوڈو رڈ کی کتاب "Plan of Attack" کے مطابق بُش نے ایک سوال و جواب میں کہا تھا کہ میں سمجھتا ہوں کہ مجھے ان معاملات میں اپنے والد سے کوئی مشورہ نہیں لینا چاہیے تھا، کیونکہ ایسے کاموں کے لئے جو طاقت درکار ہے وہ ان میں نہیں ہے۔ اس کی بجائے میں اس سے بلند تر باپ (یعنی اللہ) کو اپیل کرنا درست سمجھتا ہوں۔⁽¹²⁶⁾ بُش کے افغان جنگ کے اعلان والی تقریر میں بائبل کے مشہور سکالر بروس لنکسن کے مطابق کل 970 الفاظ میں چند ہی الفاظ مذہب سے متعلق دکھائی دیتے ہیں۔ تاہم رسوخ فی الکتاب والے اہل علم اس میں کافی مذہبی مواد کی موجودگی کی نشاندہی کر چکے ہیں۔⁽¹²⁷⁾

Southern Baptist convention کے سب سے بڑے، قومی پروٹسٹنٹ چرچ کے منتظم اعلیٰ رچرڈ لینڈ کے قول کے مطابق کسی انتظامیہ میں اتنی تعداد میں ”ازسرنو جنم شدہ عیسائی“ کبھی نہیں رہے جتنے یہ بُش انتظامیہ میں ہیں۔ ان میں نیشنل سیکورٹی ایڈوائزر کنڈولیزا رائس اور اٹارنی جنرل جان اسٹروٹ شامل ہیں، جن کا مذہبی گروپ Assembly of God، بیرون ملک خصوصی طور پر مصروف عمل رہتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ایونجیلیکلو اور نیو کنزرویٹوز کے نقطہ ہائے نظر میں پہلی دفعہ 9/11 کے بعد ہم آہنگی پیدا ہوئی، یہ پہلے ہی سے ہم آہنگ تھے، تاہم اس کا ظہور 9/11 کے بعد ہوا۔ انھوں نے اسلام کے خلاف نفرت پھیلانے اور مسلمانوں کی اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کی ہر کوشش کو ناکام بنانے کی قسم کھا رکھی ہے۔ یہ اپنے اسلام دشمن ارادوں کو مزید جمہوریت اور مذہبی آزادی کے نعروں کے پیچھے نہیں چھپا سکتے۔ فال ول کی ہرزہ سرائی ملاحظہ ہو، جو اس کی تحریک "Moral Majority" کا ایک حصہ ہے کہ عیسائی اور یہودی ”متشدد“ اسلام کے خلاف مشترکہ جدوجہد میں اکٹھے ہو چکے ہیں۔

"Left Behind" سلسلہ کے الہیاتی ناولوں کا شریک مصنف لے ہائے یہ تاثر دے رہا ہے کہ اسرائیل دجائی قوتوں کے حملوں کی زد میں ہے۔ شکاگو یونیورسٹی کے مسٹر مارٹی کے مطابق ایونجلیکلو کی اکثریت کا خیال ہے کہ (نعوذ باللہ) اسلام اپنی تشدد شکل میں نئے دجال کے طور پر ابھر رہا ہے۔ (128)

یہ خرافات اُس مذہبی فکر کا حصہ ہے جو سوویت یونین کی تحلیل کے بعد، ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی پالیسی بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ”برائی“ ”آزادی“ ”شیطان“ وغیرہ کے الفاظ کا امریکہ کے اعلیٰ سیاسی اور فوجی قیادت میں استعمال اس ذہن کی عکاسی کرتا ہیں جو ایک عرصہ کے دوران موجودہ صورت اختیار کر چکا ہے۔ امریکہ میں مذہبی فکر کے حاملین مستقبل کی ایک ایسی معرکہ آرائی کی پیشین گوئی کرتے آرہے ہیں جس کی وجہ سے عالمی سطح پر معاشروں میں تغیر واقع ہو جائے گا۔ یہی فکر ان ابتدائی عیسائی آبادکاروں کا بھی تھا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے وجود میں آنے کے عمل کو ان پیش گوئیوں کی تعبیر سمجھا جاتا ہے جو بائبل کے حوالے سے کی گئی تھیں۔ ان کا یہ بھی عقیدہ چلا آ رہا ہے کہ جس قوم کو ہم بنانے چلے ہیں اس کی حفاظت بھی شیطانی کرداروں اور ان کے حلیفوں سے کرنا ہے۔ (129)

بُش کی خارجہ پالیسی کو ایک ”مسیحائی حربی مہم“ (130) کا نام دیا جاتا ہے۔ اس میں موجودہ انتظامیہ ہی اکیلی نہیں بلکہ یہ فکر بیسویں صدی عیسوی کے دوران امریکی کلچر کا اہم موضوع رہی۔ (131) مذہبی فکر کی بنیاد پر کیونزم کے خلاف ایک مذہبی نعرہ بلند کرنا اور اسے شیطان کے کردار کے طور پر پیش کرنا ایک اہم معاملہ رہا ہے، یہاں تک کہ رونلڈ ریگن نے سوویت یونین کو evil empire ”(شیطانی امارت)“ قرار دے کر اس کے خلاف 1980ء کے اوائل میں ایک زبردست فوجی اقدام شروع کیا، جسے کریچین رائٹ اور نیوکنزرویوٹوز دونوں کی مکمل حمایت حاصل تھی۔

Bulletin of Atomic Scientists میں خرم حسین نے نیوکنزرویوٹوز کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے مفروضوں کی بنیاد پر سوویت یونین کی جو تصویر دنیا کے سامنے پیش کی اس سے ایسا لگتا ہے کہ گویا وہ کل دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے اسلحہ کے انبار لگاتا رہا ہے۔ (132)

یورپ میں کیونزم کے زوال کے بعد امریکہ نے مسلم ”بد معاش“ ملکوں کے

”لاندہب“ لوگوں کے خلاف اپنے آپ کو عالمی تہذیب کے محافظ کے طور پر لاکھڑا کر دیا۔ نیوکنزرویٹوز کے فکر کے مطابق ان ملکوں میں دہشت جنم لیتی ہے اور حقوق نسواں کی پامالی اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ فکر اینٹی کمیونزم سے زیادہ اس ”مذہبی سوچ“ کی پیداوار ہے جو بہت پہلے سے چلی آرہی ہے اور جس کی توسیع گزشتہ صدیوں کے دوران ہوتی رہی۔ امریکہ میں یہ فکر انگلش زبان کی اصل سرزمین سے آیا۔ اس فکر کو کرسید اور بحری مہمات کے ساتھ جوڑ لیا گیا۔⁽¹³³⁾ 2000ء میں بُش کے صدر منتخب ہونے کے ساتھ ہی ”مذہبی“ (الہیاتی) پیشین گوئیوں کی بنا پر جنگ پسند نیوکنزرویٹوز کے لیے مزید حمایت کی راہ ہموار ہو گئی۔ تجزیہ کاروں کا خیال ہے کہ 2004ء کا الیکشن اس بات کا ایک پیمانہ تھا کہ کٹر ایونجلیکلز اور سیکولرسٹوں میں سے کون سا طبقہ زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔ صاف ظاہر ہے ایونجلیکلز یہ مقابلہ جیت گئے۔⁽¹³⁴⁾

دوبارہ انتخاب کے بعد اپنے افتتاحی خطاب کے موقع پر صدر بُش لفظ ”آزادی“ کو تکرار کے ساتھ بولتا رہا۔ اور ایک بار اُس نے اس لفظ کو ”hope kindles hope“ کے طرز پر (جو بائبل کا مخصوص طرز ہے) ”Untamed fire of freedom“ میں بھی دہرایا۔ یہ بائبل میں سے ایونجلیکلز کا ایک دلچسپ نعرہ ہے جسے وہ بائبل کے ارمیاء نبی والی کتاب سے پڑھتے ہیں۔ عبارت کچھ اس طرح ہے: ”میں یروشلم کے دروازوں پر نہ بجھنے والی ایک آگ روشن کروں گا۔“ (17:27) اور اگر ایسا نہ کر سکوں تو پھر ”اس کے شہروں میں ایک جی جلاؤں گا جو اپنے گرد جمع ہوئے سب لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لے گی۔“ (50:32) اس جملہ کا براہ راست تعلق بائبل کے اس فقرہ سے ہے: ”تم نے زندگی کا خالق مار ڈالا۔“ (3:5) اور ”آئیں کہ یسوع مسیح“ کی راہ دیکھیں جو ہمارے عقیدے کے خالق اور تکمیل کنندہ ہیں۔ (Hebrews 12:2) روتھ شیلڈ لکھتا ہے: ”آزادی کا خالق زندگی کا خالق ہے اور وہ خالق یسوع مسیح ہے۔“ لفظ ”آزادی“ سے بُش دوسرے معنوں میں جو کچھ چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ ”یسوع مسیح“ اور مشنریوں نے اس آزادی کو سینے سے لگایا جسے امریکی افواج کے ذریعے ”امریکن ایونجلیکلزم“ کے ساتھ توسیع دی گئی (مطلب ہے کہ بُش آزادی کے نام پر جو کچھ کرتا ہے اسے حضرت عیسیٰ کی حمایت حاصل ہے۔)⁽¹³⁵⁾

یورپی سکالر کیس وان ڈیر فیل کے مطابق بالادستی قائم کرنے کے لیے جو بھی منصوبہ

ہو، اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ آبادی کی اکثریت کے رویوں اور مزاج سے جو معاشرتی ماحول تیار ہو چکا ہوتا ہے وہ اس سے ہم آہنگ ہو۔ اسی طرح مشنری نظریہ یا جذبہ کے تحت ”تہذیب اور وحشی پن“ کے بہانے جو کچھ کیا جا رہا ہے اس کے مؤثر ہونے کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس سے مغربی عوام کے جمہوی ذوق کی تسکین ہو سکے۔ بُش انتظامیہ میں کارفرما ذہن جو ”The End of History“ اور ”The Axis of Evil“ جیسے نعروں کو جنم دیتا ہے، یہ بھی دلیل سامنے لاتا ہے کہ دنیا کو ایک مطلوب اور متعین تہذیبی ہیئت تک پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ ان ریاستوں کو ”رام“ کیا جائے اور ان کو حدود کے اندر رہنے پر مجبور کیا جائے جہاں سے یہ خطرہ موجود ہے کہ ان میں آواز اٹھانے والا عوامی جہوم اٹھ کر ”تہذیب“ کے نام پر بڑھنے والی (طاقتوں) کی راہ میں مزاحم ہو سکتا ہے۔ (136)

نیوکنزرویو تحریک سے وابستہ کرسچین رائٹ اور ملٹری ہاکیس یعنی جو شیلے لوگوں کی اکثریت مذہبی فکری کے زیر اثر ہے جنہوں نے دیگر عناصر کے ساتھ مل کر بُش کو جتوانے میں اہم کردار ادا کیا۔ جن شعبہ جات کی مدد سے بُش جیت سکا، وہ یہ ہیں Moderate Corporate Internationalists, Anti- Interventionalists, Libertarians, اور Paleo Conservatives ان سب کی پالیسی بہت سارے اُمور پر ہم آہنگ تھی۔

نامنٹر کارپورٹروائیس الیسن لکھتا ہے: ”دورِ جدید میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی پالیسی پر ایونجیلیکلو چھائے ہوئے ہیں اور نسلوں بعد ایسا ہوا ہے کہ سیاسی قوت بڑی حد تک مذہبی کنزرویٹوز کے ہاتھوں میں مجتمع ہو چکی ہے۔“ (137) کرسچین کولیشن کا معروف موجودہ نعرہ (مہم) کچھ اس طرح ہے: ”آؤ امریکہ کو دوبارہ حاصل کریں۔“ سینٹ کاؤمیدوار اور ایک کنزرویٹو گروپ Renew America کا بانی الان کیاس انتخاب کرتا ہے: ”امریکہ کی آزادی جتنی آج اندرونی حملہ کی زد میں ہے تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ہوا۔“ ”فرنٹ لائن“ میگزین کا بھارتی تجزیہ نگار وجے پرشاد لکھتا ہے: ”امریکی ایونجیلیکزم عیسائیت کی نمائندگی نہیں کرتا، تاہم یہ بُش انتظامیہ کے ایجنڈے کی نمائندگی ضرور کرتا ہے۔“ (138)

وہائٹ ہاؤس کی ویب سائٹ پر نیشنل ایسوسی ایشن آف ایونجیلیکلو سے بُش کے خطاب کے الفاظ سے موجودہ انتظامیہ کے عقائد اور نظریات کی مکمل عکاسی ہوتی ہے۔ بُش کا

کہنا تھا:

”نیشنل ایسوسی ایشن آف ایونجلیکلو (NAE) کی بنیاد 62 سال پہلے اللہ کی بادشاہت کے اعلان کے لیے رکھی گئی تھی۔ آج اس تنظیم میں مختلف مکاتب فکر کے 30 ملین لوگ شامل ہیں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ خدا کا کام بڑی عقیدت اور دلی آمادگی کے ساتھ کر رہے ہیں۔ امریکہ ایک قوم ہے جس کے پیش نظر ایک مشن ہے۔ ہمیں دُنیا بھر میں ”دہشت گردی“ کے خلاف لڑنے کا حکم ہے اور ہم اس کی تعمیل کر رہے ہیں۔ آزادی کی سرزمین اور آزادی کے رکھوالوں کی حیثیت سے ہم سے مطالبہ ہے کہ ہم انسانی حریت کی قدر کو توسیع دیں۔ میں خوش نصیب انسان ہوں کہ اس وقت امریکہ کا صدر ہوں جبکہ امریکہ دُنیا بھر میں پورا اثر و رسوخ رکھتا ہے اور ہمیں اسی اثر و رسوخ کو ایک بڑے مقصد کے لیے استعمال میں لانا ہے۔“ (139)

حکومت امریکہ، ایونجلیکلو، نیوکانز اور صیہونی عیسائیوں تمام کا مقصد مشترک ہے۔ مشہور بھارتی نژاد عیسائی جو لیس گومز جو بھارت میں سب سے بڑے پروٹسٹنٹ مدرسہ ”دی یونائیٹڈ تھیولوجیکل کالج“ بنگلور میں اُستاد ہے، اپنی کتاب Mission, Myth and Money in a Multicoloured World میں بعض سربستہ حقائق سے پردہ اٹھاتا ہے۔ اس چشم کشا کتاب میں گومز مغربی ایونجلیکلو کی قدرے غیر معروف اور خفیہ دُنیا کے دوسرے مختار مطلق اور مشترکہ ایجنڈا کے حامل گروہوں کے ساتھ اپنی ہمکاری کے متعلق تفصیل سے ذکر کرتا ہے۔ گومز جو کئی سال کرچین ایونجلیکلو کے قریب رہا ہے، کہتا ہے کہ ”ایونجلیکلو کے عقیدہ کے مطابق امریکی اللہ تعالیٰ کی ایک منتخب قوم ہے۔ کیمپبل ازم ایک مقدس نظام، گلوبلائزیشن ایک رحمت، افغانستان پر کارپٹ بمبنگ ایک ضرورت، عراق پر جارحیت ایک کرویڈ اور امریکی پرچم ایک مذہبی علامت ہے۔“ وہ کہتا ہے کہ اسے یہ جان کر سخت مایوسی ہوئی کہ مغربی چرچ (مذہب) بھی وہی نوآبادیاتی رویہ اختیار کئے ہوئے ہے جو مغربی دُنیا کا خاصہ رہا ہے۔ صرف اس فرق کے ساتھ کہ امپیریلزم کی اقتصادیات، ثقافت اور سیاست کا مرکز اب یورپ کی بجائے امریکہ میں منتقل ہو چکا ہے۔ سہ ماہی جریدہ ”Indian Mission“ (بابت اکتوبر تا دسمبر 2004ء، 2001ء کے اعداد و شمار کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ ”امریکہ نے 220 ممالک میں 60200 مشنریوں کو بھیجنے کا اہتمام کیا۔ اس مہم جوئی کو Coca Colonization کا نام دے کر گومز

دعویٰ کرتا ہے کہ امریکن امپیریلزم اور کرچنائزیشن (لوگوں کو عیسائی بنانے کی مہم) اب ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ گومز کہتا ہے: ”پروٹسٹنٹ بنیاد پرستوں کی تو بات ہی کیا ہے۔ امریکہ سے تعلق رکھنے والے بظاہر کم انتہا پسند کیتھولک شپس نے بھی امریکی حملوں اور قبضہ کی حمایت کی ہے۔ غیر جانبدار تجزیہ کار اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ایونجیلیکل بحیثیت مجموعی امریکی امپیریلزم کے شدت سے حامی ہیں اور خود ان سے دیگر مذہبی اور ثقافتی گروہوں کو شدید خطرات لاحق ہیں۔“ (140)

صلیبی جنگ کا اہم ترین سبب

سرد جنگ کے خاتمہ پر امریکی ایونجیلیکلز کو دنیا بھر میں عیسائیت کو پھیلانے اور ”برائی“ کے خلاف جنگ جیتنے کا سنہرا موقع ہاتھ لگا، جس کے لیے دو متبادل موجود تھے یعنی طاقت کا استعمال یا مشنری طریقہ۔ بعض تجزیہ کاروں کا خیال ہے کہ بُش اور اس کے ”دوبارہ جنم شدہ عیسائی“ (کٹر مذہبی عیسائی) ساتھی ان دونوں آپشنز میں سے طاقت کے استعمال یا مذہبی عسکری اقدام (Messianic Militarism) کو زیادہ صحیح لائحہ عمل سمجھتے ہیں۔ (141) ان کے مطابق یہ اچھائی اور بُرائی کے درمیان ایک معرکہ یا اللہ اور شیطان کے درمیان ایک لڑائی ہے۔ اس لڑائی کو جیتنے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کے وفادار بندے ”برائی“ کو تباہ کر کے رکھ دیں۔ (142) اسی فکر کی بنا پر بُش اور اس کے رفقاء ”دہشت گردی“ کے خلاف جنگ (War on Terrorism) کو (جو بعد میں خلافت کے خلاف جنگ مانی گئی ہے) اچھائی اور بُرائی کے درمیان ایک تاریخی معرکہ سمجھتے ہیں۔ 11 ستمبر کو امریکی قوم کے نام خطاب میں بُش کا کہنا تھا: ”آج ہماری قوم نے بُرائی کو دیکھا“ اور اپنے سٹیٹ آف دی یونین خطاب (29 جنوری 2002ء) میں اس نے ”برائی کا محور“ (Axis of Evil) کی اصطلاح استعمال کی۔

مشنری فرنٹ پر امریکی حکومت غیر حکومتی ایکٹرز (Non-State actors) کو حکومتی اہلکاروں کی جگہ سامنے لے آئی اور ان میں سے ”مذہبی بنیادوں پر استوار تنظیم“ کو ترجیح دے کر دنیا بھر میں سوشل ویلفیئر کے کاموں پر لگایا۔ یہ بات اتفاقی نہیں کہ 1989ء میں دیوار برلن کا انہدام اور فیلا اجلاس کا انعقاد ایک ساتھ ہوا۔ فیلا اجلاس میں تمام دنیا سے کلیسا کے زعماء امریکی چرچوں کی ہمنوائی کے لیے اکٹھے ہوئے۔ ”تحریک 2000ء اور اس کے بعد کی دنیا“ (AD2000 & Beyond Movement) کے سربراہ لوئس بُش نے

نئی ایوانجلزم کو متعارف کرایا۔ وہ کہتا ہے کہ ”اگر ہم ہر شخص کو سچائی تک پہنچنے کا ایک موقع مہیا کرنے اور مسیح یسوع کی طاقت کو برقرار رکھنے میں سنجیدہ ہیں تو پھر ہم 10/40 کھڑکی والے علاقوں (مغربی افریقہ سے مشرقی ایشیا) اور ان میں بسنے والے کروڑ ہا غربت زدہ لوگوں سے کیسے آنکھیں پڑا سکتے ہیں“۔⁽¹⁴³⁾ 1989ء میں امریکی ایوانجلیکلز نے سنگاپور میں عالمی ایوانجلزمیشن (World Evangelization) پر گلوبل مشاورت (Global Consultation) منعقد کی اور جوشوا پراجیکٹ (Joshua Project) کی تخلیق کردی۔ اس منصوبے کا مقصد ایوانجلیکلز کو ”10/40 ونڈ“ میں غربت کے ماروں کو تیزی کے ساتھ عیسائی بنانے کے کام کے لیے منظم کرنا تھا۔ چونکہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے امن پروگرام (Peace Corp) پر تحدید کی تھی، لہذا پرائیوٹ شعبہ بشمول مشنریوں کے کام کے لیے کافی گنجائش نکل آئی۔ چنانچہ گزشتہ چند دہائیوں کے دوران ایوانجلیکلز نے خود مذہبی بنیادوں پر استوار امن پروگرام (Peace Corp) کی شکل اختیار کر لی۔ سرد جنگ کے الام کے دوران خوف کی فضا کو کم سے کم تر کرنے کی کوشش کی گئی، اس دوران جان ایف کینڈی کی حکومت نے ایک سیکولر مشن کی تشکیل کردی تھی جس کے تحت امریکی نوجوانوں کو ترقیاتی کاموں کے لیے تیسری دنیا میں بھیجنے کا آغاز کیا گیا، تاکہ اس طرح امریکہ کے حق میں لوگوں کے دل و دماغ کو رام کیا جاسکے۔

2003ء میں نیشنل ایسوسی ایشن آف ایوانجلیکلز (NAE) کے آر آر چرڈزک نے پریس کو بتایا ”ایوانجلیکلز کی نظروں میں سوویت یونین کی جگہ اب اسلام نے لے لی ہے اور یہ کہ مسلمان ہی دور جدید کی بُرائیوں کے محور ہیں“۔⁽¹⁴⁴⁾ ”10/40 ونڈ“ والے فکر نے بڑھ کر ”Windo International Net Work“ نامی تحریک کو جنم دیا۔ ”ساوتھ پینٹ کنونشن“ نے اپنے ”انٹرنیشنل مشن بورڈ“ کو مسلمان آبادیوں پر نگاہ مرکز کرنے کے لیے متحرک کر دیا۔ گزشتہ 15 سالوں کے دوران مسلمانوں کے درمیان عیسائی مشنریوں کی تعداد کئی گنا ہو گئی ہے۔ وال سٹریٹ جرنل کے نیری یومین کے مطابق ساوتھ کیرولینا میں واقع کولمبیا انٹرنیشنل یونیورسٹی (CIU) میں ایسے کورسز کرائے جاتے ہیں جن میں مسلمانوں ملکوں میں مذہب تبدیل کروانے سے متعلق مواد شامل ہوتا ہے۔ ”انٹرنیشنل فرنٹیرز“ کے ڈائریکٹر مسٹر راک لوویہ کورس کرواتے ہیں۔ یاد رہے کہ ”انٹرنیشنل فرنٹیرز“ دنیا میں سب سے بڑا گروپ

ہے جو صرف اور صرف مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے کام پر فوکس کئے ہوئے ہے۔ (145) مشن کا کام اسلام کو ٹارگٹ کرنا ہے۔ کولمبیا انٹرنیشنل یونیورسٹی میں انٹر کچرل سٹڈیز کے پروفیسر ڈیوڈ کیش کا کہنا ہے: ”ہم اسلام کو آخری مورچہ سمجھتے ہیں“۔ ڈیوڈ کیش بنگلہ دیش کے قصبہ کالیا کونز میں چائے کی دکانوں پر بیٹھ کر تبلیغ کیا کرتا تھا۔ (146) وہ مسلمانوں کو عیسائیت کی طرف راغب کرنے کی خاطر مسلمانوں جیسے لباس پہنا کرتا تھا۔ مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کی خاطر مشنریوں کو کورس کے دوران یہ سکھایا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو کیونو فلاج رکھیں (یعنی اصل شخصیت کو چھپائے رکھیں)۔ ”انڈونیشیا میں ایونجلیکسز مخالف سازی کا کاروبار کرتے تھے جہاں مغربی مشنریوں کو پناہ دینے کا پورا بندوبست ہوتا تھا، جو مسلمانوں کو کام دلا کر ان کو عیسائی بناتے تھے۔ اس مشن نے درجنوں مسلمانوں کو عیسائی بنا دیا۔“ جو طالب علم اس مشن کے تحت مسلم دنیا میں بھیجے جاتے ہیں، ان کو بتایا جاتا ہے کہ ”مسلمانوں تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کرنا چاہیے۔ ان طلبہ کے مشنری جذبہ نے اسلام کے خلاف مشن میں ایونجلیکسز کو بہت تقویت پہنچائی ہے۔ مشنریوں کے سرخیلوں میں سے ایک سیموئیل زویر ہے، جس نے 1916 میں اسلام کو ایک ”قریب الموت“ مذہب کہہ کر پیش گوئی کی تھی کہ ”جب ہلال (C) کا زوال شروع ہو جائے تو کراس (✝) کو غلبہ حاصل ہوتا جائے گا۔“ (147)

ایونجلیکسز بہت ہی مطلوب ایجنڈا (امپیریلزم اور کرپشن ریشن) کی راہ میں مزاحم ہونے والی ہر چیز کو کچلا جاتا تھا۔ طالبان کا اپنے ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے کوشش اسی زمرے میں آتا تھا۔ اس مہم کے پس پردہ اصل کارفرما قوت اس وقت ظاہر ہو گئی جب اگست 2001ء میں طالبان انتظامیہ نے انتھونی کیونٹی چرچ شیلٹر فار لائف (Antioch Community Church Shelter for Life) کے ”ارکان ڈایا کیری اور ہیئر مرکز کو گرفتار کیا۔ یہ دونوں ایک ریلیف ارگنائزیشن شیلٹر فار لائف (Shelter for Life) نامی کے ساتھ کام کر رہے تھے، جو افغانستان کے علاوہ انگولا، بورنڈی، ہنڈوراس، ایران، عراق، انڈیا، کوسو، میسڈونیا، پاکستان، تاجکستان اور مغربی سہارا میں بھی کام کر رہا ہے۔ دونوں گرفتار شدگان پر الزام تھا کہ وہ لوگوں کو عیسائی بنانے کے کام میں مصروف ہیں جو طالبان حکومت میں جرم تصور کیا جاتا تھا۔

ان مشنریز کی گرفتاری سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں طالبان کے خلاف پہلے

سے بڑے پیمانے پر مصروف میڈیا کو ایک اور بہانہ بھی ہاتھ لگا۔ جس طرح امریکی حکومت نے سی آئی اے کے حکام کو ان دونوں کی رہائی کا کام سونپا، اور صدر رُئش نے وہائٹ ہاؤس کے لان پر سی آئی اے احکام کو تاکید کی احکامات دیئے، (148) ان سے پتہ چلتا ہے کہ طالبان حکومت کے خلاف کتنی سنجیدگی کے ساتھ کام ہو رہا ہے۔ یہ دونوں امریکی ایوٹھلیکلر کی عالمی عیسائی تحریک کے کارکن تھے جو لوگوں کو اپنے مخصوص قسم کی عیسائیت اختیار کرنے کے مہم میں مصروف تھے۔ کیری اور مرکر نے کبھی اپنے کئے ہوئے سے انکار نہیں کیا۔ ان کے مذہبی پیشوا جیف ابشار نے پریس کو بتایا: ”وہ دوسروں کی خدمت کرنا چاہتے تھے اور مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ تعالیٰ کو لوگوں سے متعارف کرنے کے لیے کام کرتے تھے، تاکہ وہ (لوگ) حضرت مسیح کے بہت ہی منظم پیروکار بن سکیں۔“

بظاہر غریب ترین طبقہ کی خدمت ان کا نعرہ تھا۔ کیری اور مرکر کی ہالی ووڈ سٹائل رہائی پروہائٹ ہاؤس میں منعقدہ ایک تقریب کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے صدر رُئش نے کہا: ”یہ عقیدہ ہی تھا جس نے ان کو حوصلہ دلایا اور وہ مایوسی سے بچے رہے“ کیری اور مرکر ریلیف سے زیادہ اور کام کر رہے تھے۔ وطن واپس پہنچ کر انھوں نے بر ملا تسلیم کر لیا کہ وہ حضرت عیسیٰ کے متعلق فلم کی نمائش اور عیسائیت کی تعلیمات والی کتب مسلم خاندان کے افراد کو مہیا کر کے وہاں کے ملکی قانون توڑنے کے مرتکب ہوئے تھے۔ (149)

ایک طرف طالبان حکومت ایوٹھلیکلر اور دوسرے عیسائی مشنریوں کے لیے تشویش کا سبب بن رہی تھی تو دوسری طرف مسلمانوں میں بھی یہ احساس ابھرنا شروع ہو چکا تھا کہ ایک اسلامی حکومت کا قیام ایک ناگزیر ضرورت ہے، تاکہ منتشر مسلم قومیتوں کو ایک اُمت کی شکل میں منظم کیا جاسکے۔ طالبان کی کمزوریوں سے دوسرے مسلمانوں کو سبق سیکھنے کا ایک اچھا موقع ملا کہ وہ اسلامی طرز زندگی کو اپنانے کے لیے کونسا لائحہ عمل اختیار کریں کہ ایسی کمزوریوں سے بچایا جاسکے۔ اسی سے مشنریوں کو اپنے عالمی مقاصد کے متعلق تشویش پیدا ہوئی تھی۔ جنوبی کیرولینا کی کولمبیا انٹرنیشنل یونیورسٹی میں اسلام مخالف دُعا یہ مناجات سے اس سرکاری رویہ کی عکاسی ہوتی ہے جو ایک مد مقابل مذہب کے طور پر وہ اسلام کے خلاف اپنائے ہوئے ہے۔

ایوٹھلیکلر کسی حریف مذہب (مثلاً اسلام) کو بحیثیت نظام زندگی اور انسانیت کے لیے ایک نمونہ کے طور پر کبھی بھی اُبھرنے نہیں دیں گے۔ 9/11 کے معا بعد کولمبیا انٹرنیشنل یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر لگے ایک مضمون میں صلیبی تعصب کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا گیا کہ

”یہ دعویٰ کرنا کہ اسلام کے معنی ”امن“ ہے، بالکل عوام کو گمراہ کرنے کا نعرہ ہے۔“

مسلمان رہنماؤں نے اپنے ہدف کی نشاندہی کی ہے جو اسلام کو مغرب میں پھیلانا ہے۔ یہاں تک کہ اسلام ایک عالمی بالادست طاقت بن جائے، ”مضمون کا عنوان ہے: نگار خالق دارن لارسن جو یونیورسٹی میں مسلم سٹڈیز کا ڈائریکٹر ہے، افغان مشنری جان ویور کا تربیت کنندہ ہے۔ لارسن جو خود بھی ایک سابقہ مشنری ہے، یہ خوف محسوس کرتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عالمی بالادستی حاصل کرنے کی دوڑ میں عیسائیت پیچھے رہ جائے۔ اسلامی طرز حیات اختیار کرنے کے لیے مسلمانوں کی جدوجہد کی مخالفت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ 21 ویں صدی کے نمایاں صلیبی مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کے متعلق بھی اپنی سخت تشویش کا اظہار کرتے ہیں۔ لارسن کہتا ہے: ”اسلام شرح پیدائش کے حوالہ سے دُنیا پر چھایا جا رہا ہے۔“ (150)

مسلمانوں کے ہاں ہمارے مقابلے میں بچے زیادہ تیزی کے ساتھ پیدا ہو رہے ہیں۔“ صاف دکھائی دیتا ہے کہ مذہبی محاذ اپنے سیاسی حلیفوں کی معیت میں مذہبی جنگوں کے ذریعے دُنیا پر اپنی بالادستی کے قیام کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ پیٹرک بکانن کہتا ہے:

”عراق اور افغانستان کی جس جنگ میں ہم کود پڑے ہیں، یہ ایک سول

مذہبی معرکہ ہے جس کے نتیجے میں یہ بات طے ہوگی کہ اسلامی دُنیا پر کون

حکمرانی کرے؟ یعنی ایسے لوگ جن کی وفاداریاں امریکہ کے ساتھ

ہیں یا وہ جو صیہونیوں، کفار، عیسائیوں اور ان کے معاونین سے اپنی

سرزمین خالی کرنا چاہتے ہوں۔ مسلمانوں اور عربوں کے دل و دماغ

جیتنے کے لیے جو کشمکش جاری ہے اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ گویا یہ معرکہ

کسی ’اتاترک‘ اور آیت اللہ کے درمیان چل رہا ہے۔“ (151)

جس کی لاٹھی، اُس کی بھینس

مذہبی جذبہ کے زیر اثر سیاسی، علمی و ادبی، میڈیا اور عسکری محاذ پر مشتمل گروپ نیوکنزرویوٹھنک ٹینک کی تشکیل کے لیے ایک ایسے پراجیکٹ پر کام کر رہا ہے جو ایک ایسے نظریہ کو پروان چڑھائے جس کے بل پر امریکہ دُنیا بھر پر بزور قوت بالادستی حاصل کرے۔ اس گروپ کا کام یہ ہے کہ مذہبی نظریہ اور امریکی برتری کے حق میں اور بین الاقوامی معاملات میں قانون کی حکمرانی سے انکار پر مبنی خیالات کا پرچار اور تشہیر کرے۔ گروپ کا مرکزی خیال

ستمبر 2000ء میں ڈک چینی، رمز فیلڈ، پال اُلفوڈٹز، بُش اور لیوس لیبی کے لیے لکھی گئی ایک رپورٹ سے صاف چھلکتا ہے۔ رپورٹ کا نام تھا ہے: "America's Defenses"۔ اخبار "سنڈے ہیرالڈ" نے اس رپورٹ کو امریکی عالمی بالادستی کا "بلیو پرنٹ" قرار دیا تھا۔⁽¹⁵²⁾ (Project for the New Americans Century)⁽¹⁵⁴⁾ PNAC کے ممبروں میں رچرڈ پیرلے، ایلین ابراہمز اور ویلنٹیم کرسٹول جیسے لوگ شامل ہیں۔ اس کا ایک بنیادی رکن نارمن پوڈوٹز ہے جس نے PNAC مشن اور عراق جنگ کو "اسلام کے ریفارمیشن اور تہجد کا عمل قرار دیا"۔

سوناما سٹیٹ یونیورسٹی کے "میڈیا ریسرچ گروپ پراجیکٹ" کے مطابق 2003-2002 کی سب سے اہم کہانی "عالمی بالادستی کے لیے نیوکوزر دیٹوز پلان" (The New conservatives Plan for the Global Dominance) تھا۔⁽¹⁵⁵⁾ جان پلگر جیسے غیر جانبدار مبصرین کا خیال ہے کہ یہ "مذہبی جو شیلے" تمام دُنیا پر ایک قسند اور غیر جمہوری نظام مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بُش اور اس کے ساتھیوں (جو اپنے آپ کو لبرلز، لفٹ آف سنٹر اور مخالف فسطائی عناصر گردانتے ہیں) کی کارستانیوں فسطائی قوتوں سے کچھ ذرا بھی مختلف نہیں۔⁽¹⁵⁶⁾ اندرون خانہ باخبر لوگ بھی جان پلگر کے خیالات کا مکمل تصدیق کرتے آرہے ہیں۔ پلگر اپنے ایک مضمون میں رقم طراز ہے: "سابقہ سینٹری آئی اے تجزیہ کار میگلورن نے، جو کسی زمانے میں وہائٹ ہاؤس کے روزمرہ کے اعلامیہ تیار کرنے کے کام پر مامور تھا، مجھے بتایا کہ PANC کے مصنفین اور انتظامیہ کی مسندوں پر براہِماں لوگوں کو ایک وقت واشنگٹن میں دیوانہ سمجھا جاتا تھا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی وجہ سے آج ہمیں فسطائیت سے سابقہ پڑ رہا ہے۔"⁽¹⁵⁷⁾

اسی طرح 9/11 کے بعد بُش انتظامیہ کے قانونی پالیسی کے معماروں میں سے ایک اہم شخصیت جان یو اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ دورِ جدید کے کروسیڈرز اور عہدِ قدیم کے فسطائیوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں۔ بحیثیت یو ایس سینٹ جوڈیشری کمیٹی کے جنرل کونسلر یہ صاحبِ بر ملا کہتے ہیں کہ ایسا کوئی قانون نہیں جو بُش کو کسی زیرِ حراست مشکوک شخص کے معصوم بچے پر تشدد سے روکے خواہ یہ تعذیب اس بچے کے حصے توڑنے جیسے ظالمانہ اقدام کیونکہ نہ ہو۔⁽¹⁵⁸⁾ PNAC کی حقیقت تمام پبلک پر اس وقت واضح ہونے لگی جب صحافی نیل کیلے

نے ستمبر 2000ء کی رپورٹ کے متعلق 15 ستمبر 2002ء کو سنڈے ہیرالڈ میں مضمون لکھا۔ مضمون کے مطابق مذکورہ رپورٹ سے برٹش لیبر ایم پی ٹام ڈلائیل، بہت زیادہ غصہ ہوا تھا۔ ٹام ہاؤس آف کامنز میں نمایاں شخص تھا جس نے عراق جنگ کی شد و مد سے مخالفت کی تھی۔ اُس کا اصرار تھا کہ یہ (PNAC) رپورٹ امریکہ کی عالمی بالادستی کے سلسلہ میں اس کے نیو ورلڈ آرڈر کے نقشہ ہی کا بلیو پرنٹ ہے۔ اس نے اسے خیالی دنیا میں رہنے والے ان امریکیوں کے ذہن کی اختراع قرار دیا جو تمام دنیا کو کنٹرول کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔

عوامی سطح پر دستیاب رپورٹوں سے جس ہدف کی نشاندہی ہوئی ہے وہ بظاہر خلیج کے حصے پر عسکری کنٹرول ہی تک محدود دکھائی دیتا ہے، لیکن ساتھ ہی غیر متعین جنگوں، سعودی عرب اور کویت میں مستقل فوجی اڈے، چین پر دباؤ بڑھانے اور یو ایس سپیس فورسز (US.Space Forces) اور عالمی سطح پر کمانڈ اینڈ کنٹرول سسٹم قائم کرنا بھی بیک وقت پیش نظر ہیں۔

لیکن زمینی حقائق کچھ اور بتاتے ہیں وہ یہ کہ ان کا واحد مقصد اسلامی نظریہ حیات کو زیر کرنا ہے جیسا کہ گزشتہ ابواب سے ظاہر ہے۔ آگے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ ”لبرلز“ اور ”ڈیموکریٹس“ کے لباس میں 21 ویں صدی کے کروسیڈرز کو اگرچہ ان جنگوں سے مالی فوائد (بشکل تیل وغیرہ) بھی مطلوب ہیں، تاہم جو اہم ترین مقصد ان انتہا پسند فسطائی کروسیڈرز کے پیش نظر ہے وہ روحانی جذبہ کی (مذہبی) تسکین ہی ہے، جو وہ ہر نئی جارحیت اور مسلمان ممالک پر قبضہ کی شکل میں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

مسلمانوں کی اکثریت PNAC کے متعلق لاعلم ہے۔ باخبر امریکی اس کی اصل حقیقت سے واقف ہیں۔ ایسے ہی ایک شخص TV Lies.org کے ایڈیٹر نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ کچھ یوں ہے: کسی بھی کھوجی کے لیے مجرم کی نشاندہی میں مدد دینے والی بنیادی چیزیں مقصد اور ذرائع ہیں (یعنی کسی جرم سے مجرم کا مقصد کیا تھا اور اس نے اس کے لیے کون سے ذرائع استعمال کئے) چونکہ 9/11 کے واقعات سے دنیا بھر میں مسلمانوں کے خلاف نفرت میں اضافہ ہو گیا، لہذا PNAC کے اندر جو اہداف ہیں، وہ اُس سے صاف چمکتا ہے جسے آسانی کے ساتھ کسی ”اسلامی انتہا پسند“ سے منسوب کیا جاسکے۔

PNAC کیا نہیں درجنوں ایسے ادارے اور تھنک ٹینکس وجود میں آچکے ہیں جو

امریکی سٹیٹ پالیسی کو اسلام کے خلاف ابھارنے میں مصروف رہے ہیں۔ PNAC کا مرکزی دفتر واشنگٹن کے ڈاؤن سٹریٹ نمبر 17 پر واقع امریکن انٹر پرائز انسٹی ٹیوٹ (AEI) کی پانچویں منزل میں قائم ہے۔ AEI کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ نیوکنزرویٹو فارن پالیسی کے ماہرین اور سکارلز کو جمع کرنے کا اہتمام کرے، جن میں سب سے زیادہ بارسوخ وہ ہوتے ہیں جو PNAC کے ممبر ہوں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ بُش نے 26 فروری 2003ء کو ”نیوٹڈل ایسٹرن آرڈر“ کے متعلق اپنے ویژن کا اعلان اسی AEI سے کیا تھا۔ چچی اسکو بار لکھتا ہے: AEI اسرائیلی لیکوڈ پارٹی کے ساتھ مضبوطی سے وابستہ ہے جس کا مشرق وسطیٰ کے متعلق امریکی خارجہ پالیسی پر زبردست اثر و رسوخ قائم ہے، اور یہ اسی AEI کے طفیل ہے۔ اس باہمی اشتراک والے مفید ماحول میں AEI کے ممبران کو لیکوڈنکس (Likudinks) کا نام دیا گیا ہے۔ ایسے میں اس بات پر کسی کو حیرانی نہیں ہو سکتی کہ AEI کے جو مخالف اسلام دانشور ہیں وہ اسلام سے بحیثیت مذہب اور بطور ایک نظام زندگی نفرت اور بیزاری میں کس حد تک آگے جا چکے ہوں گے۔ بُش کا دعویٰ تھا کہ عراق کے لیے ضروری تھا کہ اُسے جمہوریت کے اصول سکھائے جائیں۔ اس دعویٰ میں اُس کے ساتھ AEI اور PNAC کے دانشور بیک وقت ہمنوا تھے۔ اور اُن کے ذہن بھی انہی خطوط پر سوچ رہے تھے جن پر بُش سوچ رہا تھا۔⁽¹⁶⁰⁾

دہشت گردی نہیں، خلافت کا ڈر

مسلمانوں سے صلیبوں کو جو اصل اندیشہ لاحق ہے وہ اندیشہ خلافت ہے۔ باب سوم میں اس کی وجوہات پر بحث کی جائے گی۔ یہاں بات اس امر تک محدود رکھی جائے گی کہ ہاں یہ خوف موجود ہے۔

جنوبی ایشیا سے تعلق رکھنے والے ایک معروف رہنما محمد علی جوہر نے 1924ء میں پیشین گوئی کی تھی:

”خلافت کے مٹنے سے ہندوستانی مسلمانوں کے ذہن پر جو اثرات مرتب ہوں گے ان کے متعلق پیشین گوئی مشکل ہے لیکن یہ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ (حادثہ) اسلام اور تہذیب دونوں کے لیے تباہ کن ثابت ہوگا۔ اسلامی اتحاد کی نشانی اور مسلم دنیا میں وقت کے سب سے موزون ادارے کا خاتمہ اسلام کے انتشار کا پیش خیمہ بنے گا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس نہایت ہی مستحسن ادارے کے خاتمہ سے جو خلا پیدا

ہوگا وہ غیر ترقی یافتہ اور نیم مذہب لوگوں کے لیے آگے آنے اور افراتفری اور تباہی پیدا کرنے کا ذریعہ بنے گا۔“ (161)

81 سال بعد ہم دیکھتے ہیں کہ یہ ”مذہب دُنیا“ جو صدام حسین کے ”مظالم“ کا کھوج لگانے کے مقدس کام میں مصروف ہے، اسے ازبک صدر اسلام کریموف کے اندیجان میں عام شہریوں کے قتل عام کا ”رحمدلانہ“ کام نظر ہی نہیں آتا۔ اس مجرمانہ خاموشی کا سبب اسلام کریموف کا وہ جواز ہے جو اُس نے ازبکستان میں تسلسل کے ساتھ انسانی حقوق کی پامالی اور قتل عام کے ضمن میں پیش کیا ہے (اور جسے ”مذہب دُنیا“ نے صحیح مانا ہے)۔ کریموف کے الفاظ میں ”وہ (مظلومین و مقتولین) خلافت قائم کرنا چاہتے تھے۔“ (162)

مسلم دُنیا میں آمر حکمرانوں کے اسی قبیل کے بہت سے مظالم ”مذہب دُنیا“ کو اس لئے قابل قبول ہیں کہ ان کی نظر میں سیکولر طبقہ حزب التحریر جیسی تحریک کے خلاف برسرِ پیکار ہے، جن کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ وہ خلافت کے قیام کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔

نام نہاد نمایاں اطلاعاتی ذرائع اور مذہبی و سیاسی فرنٹ کے معماران جنگ چاہتے ہیں کہ ہر کوئی یہ یقین کرے کہ اصل مصیبت ابتداء میں افغانستان میں طالبان کے برسرِ اقتدار آنے کے ساتھ شروع ہو چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عالمی سطح پر جتنی بھی مشکلات رونما ہوتی رہی ہیں ان سب کو سا تو اس صدی میں شروع ہونے والی خلافت ہی کی طرف منسوب کیا جاتا رہا ہے۔ تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد جب برطانیہ نے 1924ء میں رہی سہی خلافت کا خاتمہ کیا تو پھر ہی اس نے آرام کا سانس لیا۔ اور تب ہی اسے یہ یقین ہو گیا کہ اُسے اسلام کے خلاف آخر کار آخری فتح حاصل ہو چکی۔

برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کی بد قسمتی ہے کہ خلافت کا مسئلہ اب بھی اپنی جگہ موجود ہے۔ مسلم دُنیا میں بہت سارے عمل و رد عمل اور تحریک اور مقابل تحریک کو اب بھی جذبہ خلافت سے تقویت مل رہی ہے۔ نتیجتاً اسلام سے خائف لوگوں کی خلافت کو مٹانے کی صدیوں پرانی خواہش امریکہ، برطانیہ اور ان کے اتحادیوں کی دہشت گردی کا سبب بنی ہوئی ہے (گو وہ اپنی دہشت گردی کو تسلیم نہیں کرتے)۔ اسی طرح مسلمانوں میں بھی خود مختاری اور حقیقی آزادی کے لیے ایک جذبہ پروان چڑھ رہا ہے کہ وہ نوآبادیاتی طوق سے اپنی گردن کو چھڑالیں۔ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت کی قیام خلافت کی طرف توجہ نہ ہو، لیکن حقیقی آزادی اور

مسائل کے حل کے لیے ایک متفقہ کوشش کا قدرتی نتیجہ یہ نکلنا چاہیے کہ ایسی کوششیں قیام خلافت ہی کے ضمن میں ایک پیش رفت ثابت ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ واشنگٹن اور لندن کے اختیارات کے حامل جنگ پسند حکمران مسلمان عوام کو حقیقی آزادی ملنے کی مخالفت پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں اور اس بنا پر خلافت کے خلاف ایک ہوا کھڑا کر کے ایک خوف کی فضا پیدا کر رہے ہیں۔

نیویارک ٹائمز کی ایگزیکٹو بولٹراپ نے 11 دسمبر کے کالم میں لکھتی ہیں کہ ”مہینا گون میں پالیسی ہا کس کے درمیان اندرونی طور پر لفظ ”خلافت“ کا استعمال اس وقت سے چلا آ رہا ہے جب وہ عراق جنگ کی منصوبہ بندی کر رہے تھے، تاہم انتظامیہ نے کھلے عام اس اصطلاح کا استعمال گزشتہ پیر کو واشنگٹن میں اور دوبارہ جمعرات کو PBS (چینل) پر بات کرتے ہوئے کیا۔ ڈیفنس پالیسی کے انڈر سیکرٹری ایرک ایلڈمین نے ہفتہ پہلے فارن ریلیشن کونسل میں منعقدہ راولڈ ٹیبل کے موقع ”پر خلافت“ کا لفظ استعمال کیا۔ نیشنل سیکورٹی ایڈوائزر سٹیفن ہیلڈ نے اکتوبر میں نیویارک اور لاس اینجلس میں اپنی تقاریر کے دوران اس لفظ کا استعمال کیا۔ مشرق وسطیٰ میں اعلیٰ امریکی کمانڈر جان ابی زید تبصر میں کیپٹل ہل میں ایک گفتگو کے دوران اسے استعمال میں لایا۔“ (163)

مسئلہ یہ ہے کہ خلافت کے تصور سے ان لوگوں کے دلوں میں ایک اذیت ناک خوف جنم لیتا ہے، جنہوں نے یہ قسم اٹھا رکھی ہے کہ وہ کبھی بھی مسلمان قوم کو متحد رہنے، حق خود اختیاری حاصل کرنے اور قرآنی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے نہیں دیں گے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ مسلم ممالک پر قابض تابع مہمل حکمرانوں سے گلو خلاصی اور (خلافت کی بنیاد پر) منقسم اسلامی دنیا کا متحد ہونا ہی مسلمانوں کے لیے حقیقی آزادی کا ذریعہ بن سکتا ہے، لہذا وہ (کفریہ قوتیں) ان مقاصد کے حصول کے لیے مسلمانوں کی ہر قسم کی منظم جدوجہد کی راہ میں رکاوٹیں ڈال کر اسے ناکامی سے دوچار کرنے کی کسی بھی کوشش سے دریغ نہیں کریں گے۔

ایسی کسی بھی جدوجہد کا برا خیال ہی اسلام سے خائف ان طبقات کو پیش بندی (Pre-emptive) کے اقدامات لینے پر آمادہ کرنے کے لیے کافی ہے۔ ظاہر ہے یہ اقدامات نتیجتاً مسلمانوں میں غم و غصہ اور رد عمل پیدا ہونے اور انہیں جوابی اقدامات پر آمادہ کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایسے لوگوں کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی ہے جن کو یہ فکر لاحق ہے کہ مسلمانوں کے لیے ایک ”آزاد مرکزی اتھارٹی“ کا وجود ایک ناگزیر

لازمہ ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ تاریخ انسانی کے دور اذکار انقلابات کے برعکس دُنیاۓ عرب کے عین قلب میں ساتویں صدی عیسوی میں ایک عظیم الشان انقلاب برپا ہوا، جس سے اسلام نہ صرف یہ کہ ایک نظام زندگی کی صورت میں متشکل ہوا بلکہ اس نے انسانی مسائل کے حل کے لیے ایسے رہنما اصول بھی دیئے جو آج بھی قابل عمل ہیں۔

افغانستان پر جنگ مسلط کرنے کے منصوبہ سازوں کے عمل سے یہ صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں میں ایک مرکزی اتھارٹی کے قیام کا خیال جس شدت سے ابھرے گا اسی تناسب سے اس کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش بڑھیں گی۔ یہ قوتیں یہ کبھی نہیں ہونے دیں گی کہ موجودہ ظالمانہ نظام کے مقابلے میں کوئی متبادل معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی عادلانہ نظام کا ماڈل پیش کیا جاسکے۔

9/11 کے بعد ”دہشت گردی کے خلاف جنگ“ کو تمام اسلام مخالف کوششوں کے لئے مختصر عنوان کے حیثیت سے ایک سلوگن کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ دانشورانہ حملے، قانونی رکاوٹیں، جنگی مہمات، دوسرے ملکوں پر قبضہ، قید و بند کی مشقتیں، تشدد و تعذیب اور خلافت کو بحیثیت ایک اعلیٰ ادارہ بدنام کرنے کی سازشیں تمام ایسے عنوانات ہیں جو اسلام مخالف کوششوں کا حصہ ہیں۔ اس شیطانی تدبیر میں ”خلافت“ کو ”دہشت گردی“ کے ہم معنی (مترادف) قرار دیا گیا ہے۔ یہ چیزیں آسانی سے ان مختصر اعلامیوں میں نوٹ کی جاسکتی ہیں جو ان دنوں کسی کانفرنس یا اجلاس کے اختتام پر جاری کئے جاتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ دُنیا میں ”دہشت گردی“ کے علاوہ اور کوئی بھی کام نہیں ہو رہا۔۔۔۔۔ ان تمام حربوں کا لب لباب اس پیغام کی شکل میں ہوتا ہے کہ ”ہم دہشت گردی کے مقابلے میں ایک ہیں اور ہم نے پختہ ارادہ کیا ہے کہ ”دہشت گردوں“ کو یہ جنگ جیتنے نہیں دیں گے۔ وہ ہماری اقدار اور طرز حیات کے مخالف ہیں۔“

ایک حقیقت بین انسان یہ سوال کر سکتا ہے کہ یہ نام نہاد ”مسلم دہشت گردی“ اس قتل عام، تشدد و تعذیب، قید و بند کی صعوبتوں اور استحالی حربوں کے مقابلے میں کیا حقیقت رکھتی ہے جو آپ نے مسلمانوں کو منظم اور متحد ہونے سے روکنے کے لیے اختیار کر رکھے ہیں۔ اس سے اس بات کے پایہ ثبوت تک پہنچنے میں دیر نہیں لگتی کہ یہ جنگ درحقیقت کسی اور چیز کے خلاف ہے۔ صرف دھوکا کے لیے اس پر ”دہشت گردی کے خلاف جنگ“ کا لیبل لگا دیا گیا

ہے۔ اس جنگ کی باقاعدہ عملی شروعات افغانستان پر حملہ اور قبضہ سے شروع ہو چکی ہیں۔

نیویارک ٹائمز کی ایک رپورٹ کے مطابق 9/11 سے ایک مہینہ پہلے یہ کوششیں شروع ہو چکی تھیں کہ امریکی شہریوں کی اکثریت کے دل میں یہ بات بٹھادی جائے کہ دہشت گردی (terrorism) ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے لیے سب خطروں سے بڑا خطرہ ہے اور یہ نہ صرف وسعت اختیار کرتی جا رہی ہے بلکہ بہت زیادہ مہلک ثابت ہو رہی ہے۔ امریکہ دہشت گردوں کا سب سے پہلا ہدف ہے اور یہ امر یقینی ہے کہ دہشت گردی کے خالق اکثر و بیشتر ”مسلم انتہا پسند“ گروہ ہی ہیں۔ تاہم Larry C. Johnson جو نتیجہ اخذ کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ”اس قسم کے خیالات میں سے کوئی بھی مبنی بر حقیقت نہیں لگتا“۔⁽¹⁶⁴⁾ جانسن نے سی آئی اے کی رپورٹوں سے شواہد کے طور پر اعداد و شمار حاصل کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ بین الاقوامی دہشت گردی کی وجہ سے 90 کے عشرہ کے دوران ہونے والی اموات کی تعداد 2527 بتائی گئی ہے جبکہ 80 کے عشرہ میں یہ تعداد 4833 تھی۔ یہ تسلیم کردہ تعداد ہے۔ اب اس کا موازنہ اس غیر تسلیم کردہ 1.8 ملین اموات سے کیجئے جو اسی دوران امریکی، اس کے اتحادیوں اور اقوام متحدہ کی دہشت گردی کی وجہ سے عراق پر حملہ کے نتیجے میں واقع ہو چکی ہیں۔۔۔۔۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی دہشت گردی غیر تسلیم شدہ رہی، کیوں کہ اسے عراق میں تباہ کن ہتھیاروں (WMD) کی نام نہاد موجودگی کی وجہ سے جواز حاصل ہو چکا تھا۔ ساتھ ہی 80 کے عشرہ میں بظاہر ”مسلم دہشت گردی“ کی وجہ سے ہونے والی 4833 اموات کا ان 10 لاکھ اموات سے موازنہ کیجئے جو امریکہ کی شہ پر عراق کی ایران پر جارحیت کی وجہ سے ہو چکی تھیں۔ تو پھر دنیا کو خطرہ کس سے ہے؟ مسلمانوں کی دہشت گردی سے جس کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے یا امریکہ، اس کے اتحادیوں اور اقوام متحدہ کی دہشت گردی سے، جس کا کوئی اعتراف نہیں کیا جاتا۔

مسلم دہشت گردی کو بہانہ بنا کر غیر مختتم ہرزہ سرائی کا مقصد مسلمانوں کی اپنے حق خود ارادیت اور خلافت کے بارے میں ہر پیش رفت کو روکنا اور بدنام کرنا ہے۔ اسلام مخالف قوتیں خلافت کے ادارے کو کب برداشت کر سکتی تھیں۔ انھوں نے تو 1924ء میں علامتی خلافت کو بھی نہیں چھوڑا اور اس کی باقیات الصالحات کو ٹھکانے لگانے کا پورا بندوبست کر دیا۔ اب ان کو یہ خوف لاحق ہو رہا ہے کہ کہیں خلافت دوبارہ اپنی اصل شکل میں ظہور پذیر نہ ہو جائے۔ چنانچہ 9/11 کی آڑ میں سکیورٹی اور حفاظتی اقدامات کے نام پر اسی موبہ مہ خلافت کی

راہ روکنے کے لیے یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے۔ اس مجموعی رویہ کی مکمل عکاسی برطانوی پریس کے اس رد عمل سے بخوبی ہوتی ہے جو 1994ء میں لندن میں خلافت کانفرنس کے انعقاد کے نتیجہ میں سامنے آیا تھا، دراصل حالیکہ یہ 9/11 اور 7/7 سے پہلے والا معاملہ ہے۔ چند سرخیاں ملاحظہ کیجئے۔

7 اگست 1994ء کو اخبار Independent نے سرخی لگائی ”Muslim

body accused of racism”: Muslim rally angers jews
 8 اگست 1994ء کو اخبار ٹیلیگراف کی سرخی تھی ”Wembly survives the Muslim rally
 call to arms” اسی مضمون کی ایک اور بغلی سرخی اس طرح ہے
 ”Fundamentalists & Elusive Dream of An Islamic
 Empire” اس موقع پر ٹیلیگراف کا ادارہ یہ ہے: ”The Threat of Jihad”

اس ادارے میں اخبار نے ”خلافت کانفرنس“ کے انعقاد کو الجزائر میں الیکشن کے ساتھ منسلک کر کے لکھا: ”اسلامی بنیاد پرستوں نے انتخابات میں اکثریت حاصل کی۔ لیکن فوج نے سیاسی وجوہات پر ان کو اقتدار سے روک رکھا۔“ ادارے کے پیش نظر مسلمانوں کے درمیان باہمی تفرقہ کے لیے بیج بونا تھا۔ ادارے میں مزید لکھا گیا: ”برطانیہ میں کل کے بنیاد پرستوں کی ریلی سے برطانوی معتدل مسلمانوں کی قیادت کو چیلنج کرنے کے علاوہ کوئی چیز حاصل نہیں ہوئی۔“ گارڈین اخبار نے کانفرنس کے استخفاف کے لیے اپنی 8 اگست کی رپورٹ میں لکھا: ”کانفرنس میں“ اسلام اسلام کی رٹ لگانے سے جوان برطانوی مسلمانوں نے تو کوئی خاص تاثر نہیں لیا“۔ اخبار نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ کانفرنس میں اکثر شرکاء کو بزدلایا گیا اور یہ کہ کسی چیز کا اسلامی یا غیر اسلامی ہونا ”popular opinion“ سے ملے ہوگا (نہ کہ کسی کانفرنس کی تشریح سے)۔ خوف کی کیفیت کسی خاص طبقہ تک محدود نہیں رہی۔ ”نامنمز“ اخبار نے اپنی 8 اگست کے ادارے میں خبردار کیا ”ویمبلے آرنہ (ہال) میں کل کے 8000 سے زائد مسلمانوں کے جلسہ نے برطانیہ اور بیرون برطانیہ ایک قابل فہم اضطرابی کیفیت پیدا کی ہے۔“ بات صاف ظاہر ہے کہ 1924ء میں خلافت کا خاتمہ تو ہوا لیکن یہ اضطرابی کیفیت عالم کفر کے دلوں سے ختم نہ ہو سکی۔ 8 اگست 1994ء کے اخبار The Independent میں ٹم کیسلے نے جو سرخی لگائی وہ پوری کہانی سناتی ہے۔ وہ لکھتا ہے: ”بنیاد پرستوں کا اجتماع مغربی جمہوریوں کا سیاسی خاتمہ چاہتا ہے۔ مسلمانوں نے صیہونی ریاست کو تباہ کرنے کا نعرہ دیا ہے۔“

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ کسی دائیں بازو والے اخبار کا نظریہ نہیں بلکہ ایک بہت ہی ترقی پسند روزنامہ کا نکتہ نظر ہے اور یہ 1994ء کا زمانہ ہے جب کہ ابھی طالبان کے اقتدار کا کہیں دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔

یہ بات سمجھنی چاہیے کہ خوف دلانے والے ان رپورٹروں سے آگے بڑھ کر دشمنان اسلام خلافت کو بدنام کرنے اور مسلمانوں کو ان کے حق خود ارادیت سے محروم کرنے کے لیے کسی بھی حد تک جانے سے گریز نہیں کریں گے۔ اس کام کے لیے وہ جو بھی حربے کارآمد معلوم ہوں گے، اختیار کریں گے، خواہ وہ اس کے لیے دہشت گردانہ حملوں کی منصوبہ بندی کریں، دوسرے ملکوں کے خلاف جارحیت اور ان پر ناجائز طور پر قبضہ ہونے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیں یا ایسے جرائم پیشہ حکمرانوں کا ساتھ دیں جو بد لے میں ایسے وعدے کریں کہ وہ مسلمانوں کو کبھی بھی اسلام کے مطابق زندگی گزارنے نہیں دیں گے۔ یہی وجوہات ہیں کہ ہرگزرنے والے دن کے ساتھ خلفشار وسیع ہوتا جا رہا ہے اور دنیا میں امن کی امیدیں کم ہوتی جا رہی ہیں۔

حقیقی چیلنج

”ہمیں آج کل عالمی اور مقامی دونوں سطحوں پر اسلام کے چیلنج کا سامنا ہے۔ اس چیلنج پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا ہے۔ ہم نے اس ایشو کو مدت تک نظر انداز کئے رکھا ہے۔ کیونکہ ہم میں برداشت کی صفت ہے اور کچھ ہم سب بھی واقع ہوئے ہیں۔ اسلام کے خلاف ہماری جو مخالفت ہے ہمیں وہ دکھانی چاہیے اور بعض اوقات ہمیں کھل کر سامنے آنا چاہیے کیونکہ بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے لیے ہمیں کوئی بھی برداشت نہیں دکھانی چاہیے“ ملکہ مارگریٹ II آف ڈنمارک (رپورٹ) ڈیلی ٹیلی گراف یو کے 15 اپریل 2005ء۔

نیوکاز، ایونجلیکلر، صیہونی عیسائی اور سرمایہ دار کلاس پر مشتمل اسلام مخالف اتحاد کے لیے اسلامی نظریہ ایک چیلنج ہے جسے ان کو زیر کرنا ہے۔ اسلامی اصول یہ ہیں کہ مسلمانوں کے درمیان جائے پیدائش، نسل، ثقافت، زبان، قومی حدود یا قومیت کی بنیاد پر کوئی تقسیم نہیں کی جاسکتی۔ یہ نظریہ قومی ریاستوں کی بھی نفی کرتا ہے۔ جو مسلمانوں کو علیحدہ علیحدہ قومیتوں میں تقسیم کرنے کی اصل بنیاد ہے۔ پہچان کے لیے یہ طور طریقے اختیار کرنا غلط ہے کیوں کہ اس طرح مسلمان نہ صرف یہ کہ اپنی اپنی ریاستوں کے حوالہ سے وطن پرست بن جائیں گے بلکہ ان کے مفادات بھی تقسیم ہو جائیں گے (جیسا کہ موجودہ صورت حال ہے) یہی وجہ ہے کہ مسلمان جب کبھی ’امت‘، ’اسلامی ریاست‘ یا ’خلافت‘ کے حوالہ سے بات کرتے ہیں تو ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں پر سرتاپا کپکپی چھا جاتی ہے۔

”خلافت اور امت“ دو ایسے تصورات ہیں جو اسلام کے خلاف میڈیا، علمی ذرائع سیاسی اور فوجی محاذوں پر مذہبی جذبہ کے تحت برسرِ پیکار عناصر کے آمرانہ افکار کی ضد ہیں۔ دیوار برلن کے انہدام کے چھ روز بعد جوائنٹ چیفس آف سٹاف چیئرمین کولن پاؤل نے صدر رُش سینئر کے سامنے ایک نئی سترٹیجی دستاویز پیش کی۔ اس میں تجویز یہ تھی کہ امریکہ سوویت یونین کی عالمی بالادستی کے حصول کی کوششوں کو ناکام بنانے کی بجائے خود عالمی بالادستی حاصل کرنے کے

اقدامات کو یقینی بنائے۔

سینئر بُش نے اس منصوبہ کو معمولی ترمیم کے ساتھ منظور کر کے 2 اگست 1990ء کو ایک عالمی خطاب کے دوران اس کا اظہار کیا۔ اُسی روز عراق نے کویت پر حملہ کا آغاز کیا۔ 1992 کے اوائل میں پاول نے بظاہر اپنی صلح جوئی اور منکسر المزاجی کے برعکس امریکی کانگریس سے خطاب کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ اتنی بھرپور طاقت حاصل کرے کہ کوئی بھی لٹکارنے والا ہمیں عالمی سٹیج پر چیلنج کرنے کے تصور کو حاشیہ خیال میں لانے کی بھی جرأت نہ کر سکے۔ اس نے لگی لپٹی کے بغیر اپنے خیالات کا اظہار اس فقرے سے کیا "I want to be the bully on the block" یعنی یہ کہ لوگ ہم سے مرعوب رہیں۔ 18 فروری 1992ء میں ایک پالیسی ڈاکومنٹ وضع کیا گیا جس میں پاول کے عالمی بالادستی کے متعلق پہلے دیئے گئے خیالات کو سمودیا گیا تھا۔ اس وقت کے ڈیفنس سیکرٹری ڈک چیننی کا کہنا تھا کہ 46 صفحات پر مشتمل اس ڈاکومنٹ میں ہمارے مشن کا ایک حصہ یہ ہے کہ ہم اپنے 'بالقوہ' حریفوں پر واضح کریں کہ وہ کسی بھی بڑے کردار کو ادا کرنے کا خیال دل سے نکال لیں اپنے جائز مفادات کی حفاظت کے لیے بھی کسی قسم کی جارحانہ کارروائی سے اپنے آپ کو روکے رکھیں۔⁽¹⁶⁵⁾ اس سٹرٹیجی کو پینٹاگون ڈیفنس پلاننگ گائیڈنس برائے مالی سال 1994-1999 کا نام دیا گیا۔ اور اسے تب رو بہ عمل لایا گیا جب 2001ء میں بُش جونیئر امریکہ کا صدر بنا۔⁽¹⁶⁶⁾

نیک کوہن (Nick Cohen) نے آبرور میں اس پالیسی کی تلخیص ان الفاظ میں پیش کی: "امریکہ اپنے دوستوں کو بالقوہ دشمن سمجھتا ہے۔ ان سے مطلوب یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ ان (امریکیوں) پر تکیہ کریں اور اپنے مسائل کے حل کے لیے واشنگٹن سے رجوع کرتے رہیں۔ یہ پالیسی ڈاکومنٹ پال اُلٹوونز اور لیوس لیبی نے تیار کیا تھا جو اس وقت اتنے اہم عہدوں پر فائز نہ تھے۔ بُش جونیئر کے تحت انہیں بالترتیب ڈپٹی ڈیفنس سیکرٹری اور وائس پریزیڈنٹ ڈک چیننی کا چیف آف سٹاف بنادیا گیا۔ ڈاکومنٹ میں نمایاں طور پر اجتماعی سلامتی انتظامات کو اقوام متحدہ کے ذریعے کرانے کے تذکرہ سے پہلو تہی کی گئی تھی۔ اس کے بجائے یہ تجویز دی گئی تھی کہ امریکہ کو اس بات کے لیے تیار رہنا چاہیے کہ مستقبل کے اتحادیڈ باک بنیادوں پر بنیں گے جو زیر غور مرحلہ کے سرہونے پر خود بخود ختم ہو جائیں گے۔⁽¹⁶⁷⁾ ہینری ٹلکسن چیننی نے بعد میں توجہ

دلائل تھی کہ بُش جوئیز کا (preemptive strikes) ”قبل از وقت حملوں“ کا منصوبہ بُش
 اوّل کے اقتدار کے آخر میں 1992ء کی رپورٹ کے ساتھ منسلک کر گیا تھا۔⁽¹⁶⁸⁾ ڈک چین
 نے بحیثیت ڈیفنس سیکرٹری آخری ایام میں ایک ڈاکومنٹ جاری کیا جو ڈیفنس سٹریٹجی برائے
 1990ء کے نام سے موسوم ہوا۔⁽¹⁶⁹⁾ اس ڈاکومنٹ کی رو سے عالمی بالادستی کے متعلق ان
 امریکی منصوبوں کو از سر نو موکد کیا گیا جن کا ایک ابتدائی پٹا گون پالیسی پیپر میں تذکرہ تھا۔
 لیکن کلنٹن کے صدر بن جانے سے ان ڈاکومنٹ کو رو بہ عمل لانے کے لیے بُش جوئیز کے صدر
 اور ڈک چین کے 2001ء میں نائب صدر بننے تک انتظار کرنا پڑا۔ تاہم اس دوران ڈک چین
 اور اس کے ساتھیوں نے عالمی بالادستی کے تصور کو مزید نکھارنے کے عمل کو PNAC کے تھنک
 ٹینک کے ذریعے سیاسی طاقت دوبارہ حاصل کرنے کے وقت تک جاری رکھا۔⁽¹⁷⁰⁾

عالمی بالادستی حاصل کرنے کے لیے اس کروسیڈ میں صیہونی اثر و رسوخ اپنا کردار ادا کرتا
 رہا۔ ایک اسرائیلی تھنک ٹینک ”انسٹی ٹیوٹ فار ایڈوانس سٹریٹجک اینڈ پولیٹیکل سٹڈیز“ نے
 ”اے کلین بریک: اے نیو سٹریٹجی فار سکیورنگ دی ریلیم“ کے نام سے ایک مقالہ شائع کیا۔ یہ
 مقالہ اسرائیلی ”رائٹ ونگ“ قسم ہی کے مقالوں میں سے ایک ہے، صرف اس فرق کے ساتھ
 کہ اس کے مصنفین میں سے مصنف کا ہیڈر چر ڈپر لے ہے جو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے
 ڈیفنس پالیسی بورڈ کا کافی الوقت چیئر مین ہے اور بُش کے اہل الخاص میں سے ہے۔ دوسرے
 مصنفین میں سے کئی ایک اس وقت واشنگٹن میں اہم پوزیشنوں پر کام کرتے ہیں۔ یہ دستاویز
 نئے رائٹ ونگ اسرائیلی لیڈر بنیامین ناتن یا ہو کو تجویز دیتی کہ وہ ماضی سے مکمل نانا توڑ کر
 ”ایک ایسی نئی سٹریٹجی کو اختیار کرے جو ایک بالکل نئے فکر پر استوار ہو، جس میں صیہونیت کو
 از سر نو فعال کرنے کے لیے قوم کو زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کرنے پر سارا زور مرکوز ہو۔“
 اس سٹریٹجی کا پہلا قدم صدر عراق صدام حسین کو عہدہ صدارت سے ہٹانا تھا۔ عراق کے خلاف
 جنگ تمام مشرق وسطیٰ کو غیر مستحکم کر دے گی جس سے شام، ایران، لبنان اور دوسرے ممالک
 میں حکومتوں کو ہٹانے کی راہ نکل آئے گی۔ اس مقالے کا اختتام جن الفاظ پر ہوا ہے وہ کچھ یوں
 ہے ”اسرائیل نہ صرف یہ کہ اپنے دشمنوں کے گرد گھیر اڈالنے میں کامیاب ہو جائے گا بلکہ وہ اُن
 کے اوپر قابو یافتہ ہو سکے گا۔“⁽¹⁷²⁾

بالادستی کے حصول کے لیے بے تاب ان آمروں کو ہر اس چیز سے خوف محسوس ہو رہا تھا

جو سٹیٹس کو چیلنج کر سکے اور یا اس دُنیا کا جسے وہ اپنے فکر کے مطابق ایک نئے نظام کے تحت تعمیر کرنا چاہتے ہیں متبادل دے سکے۔ لہذا وہ ہر اس اقدام کو اپنے لئے ایک بڑا خطرہ سمجھتے ہیں، جو کسی بھی درجہ میں مسلمانوں کو متحد کر سکے۔ امریکی ڈیفنس سیکرٹری ڈونلڈ رمز فیلڈ، صدر ریش اور برطانوی ہوم سیکرٹری چارلس کلارک کے تازہ بیانات سے ان کے دلوں میں موجود اس خوف کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ اس خوف کی بنیادی وجہ جاننے سے پہلے آئیے کہ ان تین بیانات کا جائزہ لیں جو ایک ہی ہفتہ کے دوران سامنے آئے۔ 30 ستمبر 2005ء کو رمز فیلڈ نے کہا:

”ان ووٹروں سے آج دوبارہ اس حقیقت کا اظہار ہو رہا ہے کہ مغربی اقدار اور مسلم اقدار کے درمیان کوئی کشمکش ہے ہی نہیں۔ دراصل تنازعہ مسلم مذہب کے اندر ہی ہے۔ ہر مسلمان ملک میں ایک طرف اکثریت ہے جو ”آزادی“ چاہتی ہے جبکہ اس کے مقابلے میں ایک خوفناک اقلیت بھی ہے جو دوسری کی آزادی سے انکار اور ”خلافت“ کو دوبارہ قائم کرنے پر ادھار کھائے بیٹھی ہے۔“

لفظ ”خلافت“ کے استعمال کے ساتھ رمز فیلڈ کافی عرصہ سے ایسا اظہار خیال کرتا آرہا ہے۔ سیمپل (Spiegel) کے ساتھ 13 اکتوبر 2005ء⁽¹⁷³⁾ کو ایک انٹرویو میں اس نے اسی تمہید کا اعادہ کیا اور محکمہ دفاع کی ایک بریفنگ میں یکم نومبر 2005ء⁽¹⁷⁴⁾ کو خصوصی طور پر ذکر کرتے ہوئے اس نے ”خلافت“ پر بات کی۔ 20 نومبر کو سی این این کے لیٹ نائٹ ایڈیشن پر بات کرتے ہوئے رمز فیلڈ نے کہا:

”اس ملک کا ذرا سوچئے جو ”زرقاویوں“ کے ہاتھ میں ہو۔ ایسے زرقاوی جو لوگوں کے گلے کاٹیں اور بے گناہ مردوں اور عورتوں اور بچوں کو قتل کرتے ہوں اور جو دُنیا میں پھر ”خلافت“ قائم کرنے کا ارادہ کئے ہوئے ہوں۔“⁽¹⁷⁵⁾

رمز فیلڈ اور اس کے ہمنوا جان بوجھ کر اس حقیقت کو نظر انداز کئے ہوئے ہیں کہ مسلمان کبھی بھی خلافت کے قیام کے لیے اپنے آپ کو مروانے اور دوسروں کو مارنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ اس تمام خون ریزی کے دوران کچھ سوالات ابھی جواب طلب ہیں (جن کا کوئی جواب رمز فیلڈ کے پاس بھی نہیں)۔ یہ نہیں سوچا جاتا کہ امریکی حملہ سے پہلے یہ مسلمان کہاں تھے اور انھوں نے عراق میں خلافت قائم کرنے کی کوشش اس وقت کیوں نہیں کی جبکہ صدام کی حکومت گر رہی تھی؟ رمز فیلڈ کی منطق ہے کہ آج کے مقابلے میں صدام کے دور میں ظلم کا زیادہ

دور دورہ تھا۔ (یعنی خلافت کے لیے کوشش زیادہ بار آور صدام دور میں ہوتی۔ صدام حسین کی فوجی قوت کی بھی امریکہ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں تھی۔ تو پھر خلافت چاہنے والوں نے ان حالات میں کیوں ایسا کرنے کی کوشش نہیں کی۔)

16 اکتوبر 2005ء کو یٹس نے اپنی ایک تاریخی تقریر میں اسی خوف کا اظہار کیا جبکہ وہ جنگ کے مقاصد بیان کر رہا تھا۔ اُس نے کہا:

”مختلف لوگ اس ”برائی“ کو بنیاد پرستی، عسکری جہاد ازم اور اسلامی فاشزم جیسے ناموں سے پکارتے ہیں۔ اس کو جو بھی نام دیا جائے، اس سے فرق نہیں پڑتا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ نظریہ مذہب اسلام سے بالکل مختلف ہے۔ یہ ایک ایسی بنیاد پرستی (ریڈیکلزم) ہے جو اسلام کو ایک متشدد سیاسی ویشن کے طور پر پیش کرتی ہے اور جس کا مطلق نظر دہشت گردی، توڑ پھوڑ اور بغاوت کے ذریعے ایک ایسے ”مطلق العنان نظام“ کی داغ بیل ڈالنا ہے جو ہر قسم کی سیاسی اور مذہبی آزادی سے انکار پر مبنی ہو۔ یہ انتہا پسند، جہادی فکر کو ایک ایسے دہشت گردانہ نعرہ میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں جو عیسائیوں، یہودیوں اور ہندوؤں کے قتل پر زور دے رہا ہو۔ نیز یہ اپنے سے مختلف المسلک مسلمانوں کے بھی خلاف کارروائی کو روا سمجھتے ہیں۔“

برطانوی ہوم سیکرٹری چارلس کلارک نے ”خلافت“ کے خوف کا اسی طرح اعادہ 2 اکتوبر 2005ء کو کیا۔

”ان لوگوں کو متحرک کرنے کے پیچھے افکار کارفرما ہیں۔ جنگ عظیم دوم کے بعد دنیا کے مختلف حصوں میں اٹھنے والی تحریکات آزادی کے برعکس، یہ اسلامی تحریکات سیاسی معاملات جیسے استعمار سے قومی آزادی، یا نسل اور قومیت کی بنیاد کے خلاف شہری مساوات یا آزادی خیال وغیرہ جیسی چیزوں کے حصول کے لیے نہیں، کیونکہ ایسی چیزیں کم از کم اصولی طور پر زیر بحث لائی جاسکتی ہیں اور بہت سے مواقع پر ان معاملات کا تصفیہ ہو بھی چکا ہے۔ تاہم ”خلافت“ کے دوبارہ قیام پر کوئی بھی بات خارج از امکان ہے۔ قانون شریعت کے اجراء پر کوئی بھی گفتگو نہیں ہو سکتی۔ یہ بنیادی اقدار ہیں جو ہمارے عوام کو حاصل ہیں اور ان کی حیثیت ایسی ہے جس پر کوئی بھی

مصلحت خارج از بحث ہے۔“ (175)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ امریکہ کے پاس مسلم ممالک پر حملہ اور ان پر قبضہ رکھنے کا کوئی جواز نہیں رہا سوائے اس کے کہ وہ انسانیت کو 'خلافت' کی 'قباحت' سے بچانا چاہتا ہے۔ ایسا بالکل نہیں کہ دوسرے بہانوں کی بنیاد پر امریکہ نے افغانستان اور عراق پر حملہ آور ہو کر قبضہ کیا اور خلافت کی قباحت اُسے بعد میں نظر آنے لگی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا بنیادی ماٹو ہی نوزائیدہ خلافت پر یلغار کرنا تھا۔ جس کے لیے اس نے طالبان کو بدنام کرانے اور 9/11 کی منصوبہ بندی کا پورا اہتمام کیا۔ امریکہ کے آمر سمجھتے تھے کہ وہ اپنے فکر کے مطابق جس عالمی نظام (World Order) کو قائم کرنا چاہتے ہیں افغانستان میں طالبان کی حکومت اور ان کی پالیسیاں اس کے لیے سنگین خطرہ ہے۔

تھنک ٹینک (PNAC) جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، 1997ء کے موسم بہار میں اس وقت بنایا گیا تھا جب کہ طالبان کا ظہور ہو چکا تھا۔ اس نے اپنا 'اصول و مقاصد' کا اعلامیہ جاری کیا، جس میں واضح طور پر اعلان تھا کہ اس کے پیش نظر ایک ایسی صدی کو متشکل کرنا ہے جو امریکی اصولوں اور مفادات کو تقویت دے سکے اور ایک ایسی خارجہ پالیسی تشکیل پائے جو بلا خوف و تردید بیرونی دنیا میں امریکی مفادات کے لیے بامقصد کام کر سکے اور امریکی مفادات اور اقدارے محافظت رکھنے والے ملکوں کو چیلنج کرنے کے لئے دفاعی بجٹ کو بڑھا سکے، اور امریکہ کا "مثالی کردار" منوانے میں مدد دے۔ جس کے ذریعے ایک ایسا عالمی نظام قابل قبول بنایا جائے جو امریکہ کے تحفظ، خوشحالی اور مفادات کے فروغ کا ضامن ہو۔⁽¹⁷⁷⁾

ان اصولوں کی بڑی اہمیت ہے اور ان پر دستخط کرنے والوں کا تعلق اس گروپ سے ہے جو 'بش کے ہمارا ز اور خفیہ معاملات پر اس کے مشیروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ABC⁽¹⁷⁸⁾ کے Ted Koppel کے مطابق PNAC کے مرتب کردہ مسودہ کو امریکی عالمی بالادستی کے خفیہ بلیو پرنٹ کی حیثیت سے پہچانا گیا ہے۔⁽¹⁷⁹⁾

افغانستان پر حملہ کے پیچھے اصل محرک کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کے بنیادی مفہوم کو سمجھا جائے، جسے مغربی طاقتوں نے نہایت چالاکي کے ساتھ دہشت گردی کے ساتھ نتھی کر کے عوام کے سامنے ایک بہت بڑی "برائی" کے طور پر پیش کر دیا ہے۔

خلافت خلا میں وجود پذیر ہونے والی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ ایک نظریاتی اور روحانی پس منظر رکھتی ہے۔ اس کے مقاصد میں یہ کبھی شامل نہیں رہا کہ دنیا پر حکمرانی برائے حکمرانی کی

غرض سے ایک بڑی سلطنت کی تعمیر کی جائے۔ اسلام زندگی کا جو مقصد متعین کرتا ہے اسے جاننا بہت ضروری ہے، تاکہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے لیے دینی ضروریات کا ادراک کیا جاسکے۔ اسلام کے معنی ہیں اللہ کی مرضی کے آگے بچھ جانا۔ ایک دفعہ جو شخص دائرہ اسلام میں آ گیا، اُس کے لیے اب ناگزیر ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی قرآن اور سنت کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق بسر کرے۔ انسان جن اقدار، اصولوں اور قوانین کو قبول کر کے ان کے تحت زندگی گزارنے پر خود کو پابند بناتا ہے اسلام کے نقطہ نگاہ سے وہی طرز زندگی اس کا دین بن جاتا ہے۔⁽¹⁸⁰⁾ اسی وجہ سے قرآن تاکید کر کے فرماتا ہے: ”بے شک اللہ کے نزدیک ”دین“ اسلام ہی ہے“ (آل عمران: 19)۔ ایک دوسری جگہ اللہ فرماتا ہے: ”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کی اور تمہارے لئے اسلام بطور دین پسند کر لیا۔“⁽¹⁸¹⁾ (المائدہ: 3) اجتماعی طور پر اللہ کی مرضی کے سامنے سر تسلیم خم ہونے کا اصل مقصد روئے ارضی پر حقیقی انصاف کو یقینی بنانے کے لیے ایک صالح معاشرے اور نظام کا قیام ہے۔ واشنگٹن اور اس جیسی دیگر راجدھانیوں میں سیاسی مقتدا کسی ایسے نظریے کو اپنے اقتدار کے لیے خطرہ سمجھتے ہیں۔

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ دنیاوی مقاصد کے حصول کی خاطر انسانوں نے ہمیشہ مختلف قوتوں اور نظریات کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہے۔ زمانہ حال میں انسانیت کی اکثریت ریاستی اتھارٹی کے سامنے سرنگوں ہو چکی ہے اور اس نے چرچ اور ریاست کو دو علیحدہ علیحدہ حقیقتیں تسلیم کر لیا ہے۔ اسلام کا تصور یہ ہے کہ مذہب اور ریاست دونوں ایک بڑی حقیقت ”دین“ کے جز ہیں۔ اور یہ صرف اللہ ہی کا حق ہے کہ صرف اسی ذات باری تعالیٰ اور اس کے قانون کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہ رہ جائے جو اللہ کی مرضی اور قانون سے باہر ہو۔⁽¹⁸²⁾ اللہ کی ذات کے علاوہ کسی دوسری (غیر اللہ) ہستی کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا بہت بڑی معصیت ہے، جسے اللہ ”شُرک“ کا نام دیتا ہے۔⁽¹⁸³⁾

بدقسمتی سے آج مسلم دنیا میں تمام ممالک شرک اور توحید کے مذہبی مفہوم تک محدود کیا جا چکا ہے۔ ریاست کو ایک طرف رکھ دیا گیا ہے، گویا اس کے ساتھ اللہ کی مرضی، قانون اور اختیارات کا کوئی سروکار ہی نہیں اور یہ کہ ریاست کسی خلا میں کام کر رہی ہے اور اس کا انسانوں سے کوئی تعلق نہیں، جن کی رہنمائی کے لیے قرآن نازل کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے

مسلمان کسی ایسے شخص کو جو کسی بت کے سامنے جھکتا ہو شرک کا مرتکب قرار دیں گے، مگر مسلمانوں کی اکثریت غیر اللہ کے دیئے ہوئے قانون، اختیارات، نظام اور طرز حیات کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرنے کے باوجود اپنے آپ کو شرک کا مرتکب نہیں سمجھتی۔ یہ انداز فکر اس لئے ہے کہ آج کے خود ساختہ ”ماڈریٹ“ مسلمانوں نے دین کے مفہوم کو گھٹا کر کچھ کا کچھ کر دیا ہے۔ مسلمانوں کی عام سوچ بدل چکی ہے۔ وہ ”دارالاسلام“ کی بجائے ایک یورپین سیکولر ریاست ہی کو ماڈل کے طور پر جانتے ہیں۔ جبکہ سیکولر ماڈل کا خاصہ یہ ہے کہ وہ حکمرانی کا حق اللہ سے لے کر ریاست کو دیتی ہے، جو درحقیقت ایک مشرک نہ عمل ہے اور یہی شرک ہے۔

اس حقیقت کے باوجود کہ مسلمان اسلام کو ایک طرز حیات کا نام دیتے ہیں، مسلم دنیا میں مروج غیر اسلامی طرز زندگی کے خلاف کہیں بھی کوئی رد عمل نظر نہیں آتا۔ اسی طرح کوئی ایک بھی مسلمان ملک ایسا نہیں جو اپنے ریاستی کاروبار کو صحیح معنوں میں قرآن و سنت کے اصولوں کے مطابق چلا رہا ہو۔⁽¹⁸⁴⁾ ریاستی اور عوامی زندگی کو مذہب سے آزاد رکھا گیا ہے لیکن جب بات خود مذہب پر آ جاتی ہے تو بجا طور پر ایمانی حرارت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر توہین رسالت کے الفاظ اور قرآنی اوراق کی بے حرمتی پر زبردست رد عمل سامنے آچکے ہیں اور جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے کارٹون بنانے کی ناپاک جسارت پر تمام مسلمان تڑپ اٹھے۔ ایسا لگتا ہے کہ مذہب اور ریاست کی علیحدگی کے تصور سے انکار کے باوجود، اس تصور نے مسلمانوں کے ذہن میں گھر کر رکھا ہے اور ان کو متاثر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عملی طور پر اسے قبول کیا ہے اور بغیر کسی خاص مسئلہ کے اس کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کا یہ ذہن بن چکا ہے کہ ”ریاست“ انسانی حکمرانی کا آخری ادارہ ہے۔ اگر مسلمانوں نے کہیں اسلام کے مطابق رہنے کے لیے اعلیٰ سطح پر کوئی کوشش کی بھی ہو، تو وہ بھی صرف اور صرف قومی حکومتوں (نیشنل سٹیٹ سسٹم) ہی تک محدود دکھائی دیتی ہیں۔ نیشنل سٹیٹ سسٹم میں دنیا ایک ہی سائل کا نقشہ پیش کرتی ہے جہاں ہر سٹیٹ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے قانونی اختیار کے بل بوتے پر قوانین وضع کرے جن پر اس کے شہریوں کے لیے عمل درآمد کرنا ہوتا ہے۔ حکومت اور مذہب کے درمیان تعلقات کا معاملہ ہر ریاست میں مختلف ہوتا ہے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ حکومتیں مذہب کے خلاف معاندانہ رویہ رکھتی ہوں جیسا کہ سابقہ سوویت یونین کا معاملہ تھا۔ اکثر حکومتیں مذہب کا کسی نہ کسی حد تک لحاظ کرتی ہیں۔ کیونکہ انھیں احساس ہوتا ہے

کہ مذہبی عقائد کے لیے عوام کے دلوں میں ایک جذبہ اور محبت موجود ہوتی ہے۔ اسی طرح کوشش کی جارہی ہے کہ ثقافتی تفریق کو ایک معیار پر لا کر کم سے کم کر دیا جائے۔ یہ تبدیلیاں مختلف علاقوں میں مختلف شرح سے ظہور پذیر ہو رہی ہیں، تاہم ہر جگہ ان کا ہدف اور رخ ایک ہی ہے امریکہ کی بات اور ہے۔ وہاں تو بٹش اینڈ کمپنی کسی خوف کے بغیر مذہبیت کو فروغ دینے میں لگے رہے ہیں۔) صرف یہ نہیں کہ عالمی سطح پر ریاست اور چرچ کی علیحدگی پختہ ہو چکی ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ مذہب (محدود تصور والا اور صحیح مفہوم کے ساتھ کم سمجھا ہوا) کو دنیا میں کہیں بھی انسانی تنظیم سازی کے لیے بطور بنیاد اختیار نہیں کیا گیا ہے۔ انسانی تنظیم کے لیے واحد مقبول بنیاد ریاست اور قومیت کو مانا گیا ہے۔ قومی ریاست کے تصور کے فروغ کے ساتھ انسانی ذہن بھی قومیت کے فریم ورک کے اندر نشوونما پاتا رہا۔ کسی ملک کے نام کے ساتھ اسلام بطور لاحقہ یا سابقہ لگانے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اس سے لوگوں کی اسلام اور جدید ریاست کے مفہوم سے لاعلمی کا پتہ چلتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ دور جدید کے مذہبی، سیاسی، عسکری اور دانشور طبقہ سے تعلق رکھنے والے صلیبی اس سے واقف نہ ہوں کہ مسلمانوں کے لیے اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنا ایک بنیادی ضرورت ہے۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ اللہ کی مرضی کے سامنے صرف زبانی کلامی اقرار و تسلیم کافی نہیں ہے۔ آج ہر شعبہ زندگی میں مسلمان رہنماؤں کا شاکلہ کچھ ایسا بن گیا ہے کہ وہ سامراجی طاقتوں کے اصولوں کو اختیار کئے بغیر نہیں رہ سکتے جو حالات کو جوں کا توں رکھنا چاہتے ہیں۔ لہذا مسلمان عوام کے لیے باہمی تفرقہ، بیرونی مداخلت اور سپر اندازی جیسے مسائل گھر بیٹھے ہی شروع ہو جاتے ہیں۔ اسلام چند مراسم عبودیت تک محدود رکھنے کا رویہ الیہ ہے۔ اس لئے کہ اسلام نہ صرف عام حکمرانی کے لیے بلکہ مسلمانوں کے اندر مقامی سطح پر انسانی تنظیم سازی کے لیے بھی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے سماجی تنظیم اور اجتماعی پہچان کے لئے دین اسلام سے کم یا زیادہ اور کوئی بنیاد ہی نہیں ہے۔ لہذا مذہب اور سیاست کی علیحدگی کا مطلب اسلام کے بنیادی اصولوں سے انحراف ہے (185) اور یہ شرک ہے، اور شرک اسلام میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ مذہب اور ریاست کے ایک دوسرے سے علیحدگی کا مطلب ہوگا کہ اللہ کے دیئے ہوئے معیارات کو چھوڑ کر دوسرے معیارات کے مطابق زندگی گزاری جائے۔ (المائدہ: 48، 49)۔ (186) سٹیٹ اور چرچ کی علیحدگی کا عمل توحید کی ضد ہوگا۔ قرآن مسلمانوں کے لیے نظام اور تنظیم کے لیے جو بنیاد فراہم کرتا ہے، وہ دین ہی ہے، جس کی بنیاد پر

آگے جا کر ملت استوار ہوگی، وہ ملت جو صرف اور صرف اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھتی ہو اور یہ ملت تو حید ہوگی جو اسی فکر کو اپنے روزمرہ کے کاموں میں بروئے کار لاتی رہے گی۔ دورِ جدید کی ریاست کے تصور کے مقابلے میں ”دارالاسلام“ ایک وسیع مفہوم والی حقیقت ہے جو ریاستی تصور میں نہیں سما سکتا۔ مسلمانوں کے لیے ریاستی تنظیم کی تکمیلی شکل خلافت ہے جو جدید تصور ریاست کی مکمل نفی کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت کے محض ذکر ہی سے دورِ حاضر کی بڑی طاقتوں میں ایک فوری ردِ عمل پیدا ہو جاتا ہے۔ غور کریں، اس حقیقت کے باوجود کہ اسلامی امارت کے قیام کے لیے طالبان کی کاوشیں کتنی ناقص اور ناپختہ تھیں، دورِ جدید کے مذہبی کروسیڈرز اس سے سخت خائف تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ایسا کرتے ہوئے مسلمانوں کو بہت سے سوالوں سے سابقہ پڑنے اور ان کے حل سامنے آنے کے مواقع کے لیے راہ ہموار ہوگی۔ جیسا کہ باب اول اور دوم میں تصریح کی گئی ہے، انہی مذہبی کروسیڈروں کا اثر تھا جس نے سیاسی، ادبی اور عسکری حلقوں کے کارکنوں کو 21 ویں صدی کے کروسیڈ کے لیے متحد کر دیا۔ طالبان کی سرگرمیوں کے نتیجے میں استفسارات اور انکشافات سے جو غیر مختتم ردِ عمل کا سلسلہ شروع ہوا تھا، اس سے یہ امکان پیدا ہوا تھا کہ اس سے اُس انسانی تنظیم کو سمجھنے میں مدد ملے گی جس معیار و مفہوم کی تنظیم اسلام برپا کرنا چاہتا ہے۔ طالبان حکومت کے تسلسل سے اسلامی فکر کی (بالادستی نہیں) تطہیر اور نکھار ہو جانی۔ مسلم دنیا میں ہر قسم کے غیر اسلامی تکرر سے پاک اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے فکر کی تطہیر پہلا ضروری قدم ہے۔

پیٹرک بکان کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ مسلمانوں میں باہمی گفتگو اور بحث و مباحثہ اسلامی فکر کی آبیاری کا سبب بن رہا ہے، لہذا اس نے مسلم دنیا کے خلاف طبلِ جنگ بجانے میں دیر نہیں کی۔ وہ اپنی کتاب "Where the Right Went Wrong" (کہاں غلط موڑ لیا گیا) میں مذہبی جنگ کی درج ذیل الفاظ میں وکالت کرتا ہے:

”اگر تہذیبوں کی جنگ شروع ہوتی ہے تو دولت اور اسلحہ میں مغرب کا کوئی مقابل ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن بات یہ ہے کہ دولت یورپ کے بہت سے ایمپائرز کو دھڑن تختہ ہونے سے نہ بچا سکی اور نہ ہی مہلک ہتھیار سوویت یونین کو تحلیل ہوئے سے بچا سکے۔ روم طاقتور تھا جبکہ عیسائیت کمزور تھی۔ عیسائیت سب کچھ برداشت کر گئی اور ہر جگہ پھیل گئی، روم گر گیا۔ امریکہ کا دشمن کسی ریاستی شکل میں نہیں جس پر پابندیاں لگا کر ہم نیست

و تا بود کر سکیں۔ وہ (کسی انسانی شکل میں) دشمن بھی نہیں جسے ہم ہتھیاروں کے بل بوتے پر زیر کر سکیں۔ وہ تو ایک واضح دلیل، ایک تحریک اور ایک نظریہ ہے۔“ (187)

طالبان امریکہ کے لیے کوئی چیلنج اور عسکری خطرہ نہیں تھے۔ انھوں نے تو ابھی اپنے لئے کوئی واضح لائحہ عمل بھی متعین نہیں کیا تھا۔ بات صرف یہ تھی کہ انھوں نے اسلام کے مطابق اجتماعی زندگی گزارنے کا ایک مصمم ارادہ کیا تھا۔ (188) طالبان کے اس رویہ (اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کے عزم) نے ایک مباحثہ کو جنم دے دیا تھا جس سے اسلام دشمن قوتوں کو تشویش لاحق ہو گئی۔ اس تشویش کا اظہار برطانوی ہوم سیکرٹری چارلس کلارک کے اس بیان سے ہوتا تھا جس میں انھوں نے برملا کہا:

”خلافت کے از سر نو زندہ ہونے، قانون شریعت کے اجراء، مساوات مرد و زن کے خلاف کسی اقدام اور آزادی اظہار خیال پر قدغن جیسی باتوں کی کوئی اجازت نہیں دی جاسکتی اور ان الیٹوز پر کوئی بحث و مباحثہ خارج از امکان سمجھا جائے۔“ (189)

ظاہر ہے، رمز فیلڈ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ اس پر کوئی بات چیت نہیں ہو سکتی کہ اللہ کے حضور مکمل طور پر سر تسلیم خم ہونے کے بعد مسلمانوں کی طرز زندگی کیسے ہونی چاہیے۔ رمز فیلڈ کا بات چیت نہ کرنے پر اصرار اس کے اس خوف کی عکاسی کرتا ہے جو اسلامی فکر کی قیود سے نکل کر خالص اور صحیح شکل میں ظاہر ہونے کے امکان سے اُسے لاحق تھا۔ اے یہ بھی فکر تھی کہ جب عوام الناس کو اسلام کا بنیادی مفہوم سمجھانے کے لیے بات چل نکلے گی تو پھر ہم کیونکر آزادی خیال اور آزادی تقریر کا راستہ روک سکیں گے۔ مثال کے طور پر یہ بات بجائے خود انقلاب ہے کہ مسلمانوں کا اس حقیقت پر یقین پختہ ہو جائے کہ انسانوں کو نسلی، لسانی، جغرافیائی اور قومیت کی بنیادوں پر تقسیم کرنا ایک غلط کام ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف گروہوں اور قبائل میں تقسیم کیا، مگر یہ شناخت کے لئے ہے۔ مصیبت تب بن جاتی ہے جب ان بنیادوں پر دوسروں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جائے اور ان کے درمیان ”قوی ریاستوں“ کے تصور پر دیواریں کھڑی کی جائیں، جس سے ایک مسلم ریاست کو دوسری کے خلاف دُنیوی مفادات کی خاطر اُکسانے کی راہیں کھلتی ہیں۔

جو شخص بھی اسلام قبول کرتا ہے وہ اسی وقت امت مسلمہ کا حصہ بن جاتا ہے۔ اب اُس کا کام صرف اور صرف یہ ہے کہ اللہ کے قانون اور اس کے معیارات کے مطابق زندگی بسر

کرے۔ جب تک کوئی دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، اس کے لیے اس اصول سے انحراف ناممکن ہے۔ ہاں ان فرائض کی قید کے ساتھ اسے کچھ ناقابل انتقال حقوق بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ یہ اسرائیلی ریاست جیسا معاملہ نہیں جہاں اندازاً تین لاکھ نقل مکانی کرنے والے یہودیوں کو اسرائیلی حکومت اور ربائی دونوں یہودی تسلیم کرنے کو تیار نہیں اور اس وجہ سے ان کو شہریت ملنے میں دشواری کا سامنا ہے۔ اسلام میں بس داخل ہونا ہی امت کا حصہ اور اسلامی ریاست کا شہری بننے کے لیے کافی ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ایسے شخص کی جائے پیدائش کون سی ہے اور اس کا تعلق کس نسل سے ہے۔ مسلمان اور غیر مسلم دونوں عام طور پر مسلم اکثریت والے ملکوں کو اسلامی ملک پکارتے ہیں۔ مسلمانوں کو یہ باور کرا دیا جاتا ہے کہ اگر تمام مسلمان ممالک ایک ہی اسلامی مملکت میں یکجا بھی کر دیئے جائیں پھر بھی یہ زمین آبادی، حکمرانوں اور رعایا ہی پر مشتمل شے ہی ہوگی، تو فرق کیا واقعہ ہوا؟ اس بنا پر مسلمان ذہنی طور پر موجودہ صورت حال کو قبول کر چکے ہیں، جس میں علاقوں کو مختلف مسلم ممالک کی شکل میں تقسیم کیا گیا ہے۔ بعض مسلمانوں کا خیال ہے کہ اگر کچھ اسلامی شقوں کا اسلامی ملکوں کے دساتیر میں اضافہ کیا جائے تو اس سے یہ ممالک اسلامی بن جائیں گے۔ بعض دوسروں کی رائے یہ ہے کہ ایسی کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ اس قسم کے بہانے ان کوششوں کا حصہ ہیں، جو اسلام کو ایک قومی ہیئت یا قومی ریاست تک محدود کئے جانے کے لیے کی جا رہی ہیں۔

اسلام کو تو میا نے اور ایک واحد اسلامی نشانی یا دارالاسلام اور غیر اسلامی مملکتوں کے درمیان فرق کو مٹانے کے لیے کئی ایک مسلم اکثریت والے ممالک عرصہ دراز سے یہ کوشش کر رہے ہیں کہ غیر اسلامی ملکوں کے سامنے اپنے آپ کو ایک اسلامی ملک کے ماڈل کے طور پر پیش کریں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ عام لوگ تو درکنار معروف سکالرز اور مذہبی جماعتوں کے رہنما بھی اسلامی اور غیر اسلامی مملکت میں فرق کے متعلق ابہام کا شکار ہیں۔ ان کی کوشش یہ رہتی ہے کہ ”مسلم“ اور ”اسلامی“ میں فرق پر کسی قسم کی بحث سے گریز کیا جائے۔ اور اس چیز کی وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے اکثر مسلمان یہ تاثر لئے ہوئے ہیں کہ جب آبادی کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے اور ان کے رہنما (حکمران) بھی مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو پھر تو اسلام اور غیر اسلامی ریاست کے درمیان فرق کافی حد تک کم ہو جاتا ہے، جس کی اسلام میں اجازت کی کافی گنجائش موجود ہے۔ قرآنی اصولوں کے مطابق جب تک کہ مسلمان قومی

ریاستوں میں منقسم ہوں گے تب تک ان کے لیے ایک امت کی شکل اختیار کرنا مشکل ہوگا۔
اس کے باوجود کہ مسلمانوں کا ان مختلف ریاستوں میں تقسیم ہونا کوئی ناجائز بات نہ ہو۔

پرویز مشرف جیسا ڈکٹیٹر اس ایشیو پر بات کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہے جب وہ دنیا کو یہ بتاتا ہے کہ اب مسلمان اسلام کے ساتھ اس طرح نہیں رہ سکتے جس طرح وہ خلافت کے تحت ساتویں صدی عیسوی میں رہا کرتے تھے۔⁽¹⁹⁰⁾ اسے یہ بھی احساس نہیں کہ موجودہ 57 مسلمان ملکوں کی حیثیت اسلامی امارت کی باقیات پر نوآبادیاتی تجاوزات کے سوا کچھ نہیں۔ ان تجاوزات کے وجود سے مسلمانوں میں ایک امت ہونے کا احساس نہیں ابھر سکتا۔ یہ تجاوز صرف اس لئے کھڑی کی گئی ہیں کہ اس سے مسلمان یک گوشت و تسلی میں رہیں۔ لفظ ”امت“ ان لوگوں کے لیے بہت ہی خوفناک لفظ ہے، جو اسلام کے خلاف نفرت پھیلانے میں مصروف ہیں۔ اسلام مخالف قوتوں کے لیے مسلمانوں کو مختلف قومیتوں اور ریاستوں میں تقسیم کرنا کوئی مشکل مسئلہ نہیں۔ جب بھی مسلمانوں میں امت واحدہ کا کوئی خیال ابھرتا ہے تو مخالف قوتیں ان پر انتہا پسندی اور عدم برداشت کے الزامات لگاتی ہیں۔ اس کی وجہ بہت آسانی سے سمجھ میں آتی ہے۔ اگر مسلمان متفرق حالت میں نہ ہوں اور ان کے ہاں تابع مہمل مسلمان بادشاہ، ڈکٹیٹر اور جرنیل موجود نہ ہوں تو پھر قابض قوتیں اپنی ملٹی نیشنل کارپوریشنز، آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی مدد سے اپنی معاشرتی، ثقافتی اور اقتصادی استحصال کی پالیسیاں جاری رکھنے کے لیے کوئی ذریعہ نہیں پاسکیں گی۔ ایڈورڈ ڈبلیو سیڈ نے 1996ء میں کہا تھا: ”اکثر اسلامی ممالک مایوس کن حد تک افلاس زدہ، ستم رسیدہ اور فوجی و سائنسی اعتبار سے اتنے بے کار ہیں کہ اپنے شہریوں کے سوا وہ کسی کے لیے بھی خطرہ نہیں بن سکتے اور ان میں سعودی عرب، مصر، اردن اور پاکستان جیسے ممالک بھی شامل ہیں جو سب سے طاقتور مانے جاتے ہیں۔ یہ تمام امریکی گھڑے کی مچھلی ہیں۔“ سیموئیل ہینٹنگٹن، مارٹن کریمر، بزنارڈ لیوس، ڈنیل پیپس، سیٹون ایمسن اور ہیروین جیسے ماہرین اور اسرائیلی اہل دانش کو جو فکر ہے وہ صرف یہ ہے کہ اس بات کو یقینی بنادیا جائے کہ یہ خطرہ ہماری نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے اور یہ کہ اسلام کو دہشت گردی، مطلق العنانیت اور خود سری اور تشدد کے حوالے سے بدنام کیا جاتا رہے اور خود اپنے لئے منافع بخش Consultancies ٹی وی سکرین پر نمودار ہونے اور کنٹریکٹس (Contracts) کے مواقع کے حصول کو یقینی بنایا جائے۔⁽¹⁹¹⁾

اگر کہیں اُمت واحدہ کا وجود ہوتا تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ مملکت اسلامی کا کوئی حصہ دشمن کے قبضہ کے تحت کراہ رہا ہو اور بقیہ مملکت کنارے سے اس کا نظارہ کر رہی ہو۔ زمانہ حال کی مسلم دُنیا 57 مسلمان ممالک میں منقسم ہے، جن کی 57 جدا جدا پالیسیاں اور شرک آلود 57 مختلف قومی ترانے ہیں اور ان کے مفادات مختلف اور منقسم ہیں۔ او آئی سی اور عرب لیگ انہی وجوہات کی بنا پر کسی کام کے نہیں رہیں۔ افغانستان اور عراق پر آج امریکی قبضہ اور کل کلاں شام اور ایران پر امریکی حملہ کے ارادوں سے ان مسلمان ملکوں کے مفادات کو کوئی گزند نہیں پہنچی۔ امریکہ جب کسی جزو کو شکار بنانا چاہتا ہے تو کسی خوف اور رکاوٹ کے بغیر حملہ آور ہو جاتا ہے۔ وارلارڈز کے سرخیلوں کی اکثریت (جیسے نیویارک ٹائمز کے تھامس فریڈمین) عربوں کو مسلمانوں سے علیحدہ شناخت کر رہی ہے۔ جب وہ مسلمانوں کے متعلق قلم اُٹھاتے ہیں تو کچھ یوں لکھتے ہیں ”عرب اور مسلمان“۔ گویا وہ دُنیا کو یہ باور کر رہے ہوتے ہیں کہ عرب مسلمان نہیں کوئی اور چیز ہیں۔ (192) اس قسم کے پروپیگنڈے کے اثرات بہت گہرے ہیں۔ اس سے وہ لوگ جو مسلمانوں پر قبضہ اور مظالم کے خلاف ہیں، بھی وہی زبان بولنا شروع کر دیتے ہیں، جس سے مسلمانوں کی یہ تقسیم اور پختہ ہو جاتی ہے۔ (193) مسلمان قومی ریاستوں کی خود مختاری اور آزادی ایک اور ہی مذاق ہے۔ ایک طرف سکول کی نصیابی کتابیں حب الوطنی پر مبنی مضامین سے بھری پڑی ہیں اور قومی ریڈیو اور ٹی وی سٹیشن وطن پرستی کے گیت گاتے نہیں تھکتے تو دوسری طرف یہ ریاستیں اپنے نوآبادیاتی آقاؤں کے سامنے تابع مہمل کٹھ پتلیوں سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتیں۔ بد قسمتی سے پاکستان پر یہ مثال سب سے زیادہ صادق آتی ہے، جو ایٹمی طاقت ہونے کے باوجود اپنے دشمنوں کو دور رکھ سکا اور نہ ہی قوموں کی برادری میں اپنی آزادی اور خود مختاری کی حفاظت کر سکا۔ یہی حال دوسرے مسلمان ملکوں کا ہے۔ ان کی آزادی بھی ایک قسم کے مذاق سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

اس کتاب کے باب اوّل میں یہ بات تفصیل کے ساتھ زیر بحث لائی گئی ہے کہ دور جدید کے صلیبی جنگجو دوسروں کی ریاستی خود مختاری اور آزادی کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔ کیٹھولک یونیورسٹی میلان میں جیو پالکس کے استاد ویٹوری ای پرسی نے کروسیڈرز کے متعلق نظریہ پر جو بحث کی ہے اس کا ذکر اس کتاب کے باب اول و دوم میں موجود ہے۔ ویٹوری اپنی تازہ کتاب

"The Inevitable Alliance: Europe and the United States

"Beyond Iraq" (شائع شدہ میلان یونیورسٹی 2003ء) میں دعویٰ کرتا ہے: "تمام ریاستوں میں "برابری" کا تصور ایک ایسا دستوری افسانہ ہے جو بودا (untenable) ہے یعنی اس کے وجود کو برقرار نہیں رکھا جاسکتا۔ اسلام کے نزدیک ان نام نہاد خود مختار مسلم ریاستوں کی حفاظت کی خاطر جان دینا معیوب اور ممنوع ہے۔ یہ ریاستیں اپنے لوگوں اور بیرونی دنیا میں مظلوم مسلمانوں کے مقابلہ میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے حقوق اور مفادات کی حفاظت کو زیادہ ترجیح دیتی ہیں۔" کیا پرویز مشرف نے 12 جنوری 2001ء کے ایک ٹیلی ویژن خطاب میں کھل کر قوم سے یہ بات نہیں کی تھی کہ ہم ہر جگہ مسلمانوں اور اسلام کے ذمہ دار نہیں۔ اس کے اصل الفاظ یہ تھے: "ہم کوئی اسلام کے ٹھیکیدار تو نہیں" اس جیسے گھٹیا الفاظ کو کشمیر اور فلسطین کے مسلمانوں کے مصائب کے پس منظر میں دیکھنا چاہیے۔ (194)

قومی ریاست اور ملت قوس قزح (spectrum) کے دو مخالف سروں پر دو انتہائیں ہیں۔ قومی ریاست مسلمانوں کو محفوظ جغرافیائی حدود میں محدود کرتی ہے اور انھیں صرف اندرونی طور پر اپنے معاملات پر توجہ دینے کا تصور دیتی ہے۔ اس کے برعکس امت مسلمانوں کو اسلام کی بنیاد پر دنیا بھر کے مسلمانوں کے مسائل اور مشکلات پر عالمی سطح پر سوچنے کا تصور دیتی ہے۔ اکثر مسلمان ملکوں میں میڈیا اور عوام "ملک و ملت" کے الفاظ ناقابل تقسیم وحدت کے طور پر استعمال کرتے ہیں، جبکہ یہ دونوں بالکل دو علیحدہ چیزیں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے ان الفاظ کے بنیادی مفہوم واضح نہیں۔ مسلمانوں کی وفاداری اور حب الوطنی کے جذبات کو جس طرح قومی ریاستوں کے ساتھ متعلق سمجھا گیا ہے، اس سے ملت کا تصور قومی ریاست کے مقابلے میں ایک ذیلی حیثیت حاصل کر چکا ہے اور یہی حیثیت اسلام کو بھی دی گئی ہے۔ بہت سوں کی نظروں میں ان کی اپنی قومیت ہی ان کے لیے ملت کی حیثیت حاصل کر چکی ہے۔

قومی ریاستوں میں اسلام کو قومیا نے سے اس کے لیے یہ امر ناگزیر ہو جاتا ہے کہ وہ ریاست سے اپنی وفاداری کو ثابت کرے۔ مثلاً کویت میں اسلام کو کویتی شیوخ کو بچانا اور ان کی پالیسیوں کی تائید کرنا پڑے گی۔ اسی طرح سعودی عرب میں اسلام کے لیے بادشاہ کی طرفداری ایک ضروری امر ہے۔ ہر مسلم ملک کی مقتدر قوتوں کو بچانے کا عمل اسلامی مانا جائے گا۔ ہر مسلم ملک میں مذہبی علماء کی ایک فوج ظفر موج موجود ہوتی ہے جو بوقت ضرورت حکمرانوں کو اسلام کے نام پر بچانے کی خاطر قرآنی آیات اور احادیث کو دھڑا دھڑا درمیان میں

لاتے رہتے ہیں۔ صورت حال اس وقت دلچسپ بن جاتی ہے جب دو مسلم مملکتوں کے مفادات باہم دگرنگرا جائیں۔ ایسے میں ہر ریاست کے علماء کا اسلام کے نام پر اجتہاد دوسرے والے سے ضرور ہے،⁽¹⁹⁵⁾ کیونکہ مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کی بجائے متعلقہ ریاست کے مفادات اُس کے پیش نظر ہوتے ہیں۔

ہر ریاست کو اپنے مفادات کو اور اپنے قومی مسائل حل کرنے کو ترجیح دینی ہوتی ہے، مثلاً خلیج کی پہلی جنگ کے موقع پر عراقی علماء کے نزدیک امریکی فوجوں کی مدد کرنا عین کفری عمل تھا، جبکہ سعودی علماء کے نزدیک امریکی فوجوں کو بلانا اور ان کی مہمان نوازی کا عمل نہ صرف جائز تھا بلکہ فرض کا درجہ رکھتا تھا۔ یہ وہ مطلوب صورت حال ہے جسے امت کو قومی ریاستوں میں منقسم کرنے والی قوتیں بہر صورت قائم رکھنا چاہتی ہیں۔ وہ تماشا دیکھ کر کسی ایک کی طرف دار بن جاتی ہیں جبکہ مسلمان ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہو جاتے ہیں کہ کون ان قوتوں کی ”مہربانیوں“ کا مستحق قرار پائے گا۔

امت کے متعدد ریاستوں میں منقسم ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب اسلام کو حکومت کے زیر سایہ پناہ لینی پڑتی ہے، اور بدلے میں چاکر بن کر اسے حکومتی ایجنڈے کی حمایت کرنی پڑتی ہے۔ مسلمانوں کی تربیت اس طرز پر کی جاتی ہے کہ وہ اسلام کی بجائے اپنی متعلقہ ریاست کے حوالے سے سوچیں۔ حال ہی میں فرانسیسی اور امریکی مسلمانوں کے ”دہشت گردی“ کے خلاف فتوؤں سے اس حقیقت کی مکمل عکاسی ہوتی ہے۔⁽¹⁹⁶⁾ سوال یہ ہے کہ اگر قرآنی احکام کی تعبیر وقت اور مقام کی تبدیلی کے ساتھ بدلی جاتی رہے گی تو اس سے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلام کی کئی قسمیں جنم لیں گی۔ مسلمان ملکوں کے سیکولر طبقہ نے اس کا یہ حل نکالا ہے کہ سرے سے مذہب کو ریاستی معاملہ سے علیحدہ رکھا جائے، پھر کوئی ابہام ہی باقی نہیں رہے گا۔ بظاہر حل تو اچھا ہے لیکن پھر پوچھا جاسکتا ہے کہ کیا مسلمان پھر بھی مسلمان رہیں گے جب کہ وہ اسلام کو اپنی اجتماعی زندگی سے اٹھا کر پھینکیں گے؟

پس معلوم ہوا کہ مسلم دنیا میں موجود ابہام اسلام کی غلط تعبیر سے نہیں بلکہ دراصل قومی ریاستوں کے در آنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ مغربی نوآبادیاتی قوتوں نے مسلمانوں کے درمیان اتنی بڑی ریاستی دیواریں کھڑی کی ہیں کہ مسلمان عوام اور علماء کے لیے ان رکاوٹوں کو عبور کرنا بہت مشکل ہے۔ اپنے اپنے جھنڈے لہرانے اور قومی نشان رکھنے کے باوجود مسلمان

بحیث امت اپنا تشخص نہیں رکھتے۔ یہ رکاوٹیں جتنی نفسیاتی ہیں اتنی ہی نظریاتی بھی ہیں۔ ایک صحیح اسلامی تشخص کو اپنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مختلف قومی پس منظر اور ستادان مسلم ریاستوں کے مرنے جینے کے نعروں کو ایک طرف رکھ کر آگے بڑھنے کی کوشش کی جائے۔ یاد رہے کہ کسی قوم کے مفاد کے لیے کام کرنے اور اسلام کے مفاد میں کام کرنے کے عمل میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ مسلم دنیا میں کسی بھی فرد یا تنظیم کے لیے اس نام نہاد قومی مفاد کے بہاؤ کے مخالف سمت میں تیراکی نہ صرف بہت مشکل اور اعصاب شکن کام ہے بلکہ یہ تقریباً ناممکن العمل ہے۔ اس کے برعکس اسے موافق رُخ پر چلنا آسان بھی ہے اور خوش کن بھی اور اس طرح زیادہ سے زیادہ کامیابی ملنے کے مواقع بھی نکل آتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلمان اس حقیقت سے آگاہ نہیں کہ اسلام میں سیکولر نظام اور قومی ریاستوں کی تصور کی کوئی جگہ نہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ عوامی نقطہ نظر کے خلاف مروجہ کارفرماؤہن پر قابو پانا اور مستحکم قومی نعروں اور ترجیحات کو نظر انداز کرنا تقریباً ناممکن ہے۔

مسلمان ملکوں کے عوام قومی ریاستی تصور کے خول سے باہر کسی اور نظام کا سوچ بھی نہیں سکتے اور ان کی نظروں میں کسی دوسرے نظام کا ذمینی حقائق سے سروکار ایک انہونی بات لگتی ہے۔ جوں جوں کوئی اسلامی اصولی موقف پر زیادہ سے زیادہ کاربند ہوتا جاتا ہے توں توں سے اس کی عوامی قبولیت میں کمی آتی رہتی ہے۔ یہ نسبت باہم دگر معکوس رہتی ہے۔ ایسے میں بے لوث کام کرنے والی مذہبی قیادتوں کے لیے یہ امر ناگزیر ہو جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو درپیش چیلنجوں کو ان کے وسیع تر پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کریں۔ ان کے لیے عوامی اعتماد کا حصول اور ان کے دل و دماغ کو جیتنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ان عوامل کے بغیر یہ ناممکن ہے کہ وہ قومی سطح پر کوئی قابل ذکر اثر قائم کر سکیں۔

سب جانتے ہیں کہ رائے عامہ کی تشکیل میں اہم ترین عوامل میڈیا، تعلیمی اداروں کے نصاب اور ذہنی تربیت کے مراکز ہیں۔ بد قسمتی سے مسلمان ملکوں میں یہ ادارے روز اول ہی سے دن رات، قومیت اور ریاست کے تصور کو اجاگر کرنے کے کام پر لگے آتے ہیں۔ ان اداروں کے پیچھے کارفرما ایک ہی ذہن ہوتا ہے کہ حکومتیں تو بدلتی رہتی ہیں مگر ادارے جو رائے عامہ کو تشکیل دیتے ہیں وہ باقی رہتے ہیں اور مسلسل کام میں لگے رہے ہوتے ہیں۔ ایسے میں حکومتوں پر کوئی دباؤ نہیں بڑھایا جاسکتا جب تک کہ رائے عامہ آپ کے ساتھ نہ ہو۔ اور

مسلمانوں کے سامنے چیلنج ہی یہی ہے کہ رائے عامہ کو کیسے اپنے حق میں ہموار کیا جائے؟ اکثر و بیشتر رائے عامہ کو تشکیل دینے والی قوتیں عوام کی نظروں سے اوجھل رہتی ہیں۔ اور تو اور متحدہ امریکہ میں بھی صدر اور کانگریس پس پردہ قوتوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر کھیلتے ہیں۔ ان قوتوں کو عوام کبھی بھی نہیں پہچان سکتے ہیں۔

آج یہی ادارے یعنی تعلیمی نظام، میڈیا اور ذہنی تربیت کے ذرائع ہی وہ ہاتھ ہیں جو رائے عامہ، قومی مفاد، قومی ضروریات، عوامی جذبات، عوامی رجحانات جیسی مقبول عام اصطلاحات کو وضع کرتے ہیں۔ یہی وہ قوتیں ہیں جو قومی جھولا بھی جھولتی ہیں اور دنیا کے اوپر حکمرانی بھی کر رہی ہیں۔

مسلم دنیا میں مذہبی اور سیاسی دونوں قسم کی جماعتیں اور تنظیم ہمیشہ رائے عامہ میں اپنی بقا اور ترقی کے لیے کوئی جگہ پانے کی تلاشی رہتی ہیں۔ کسی بھی فرد کے پھلنے پھولنے اور ترقی کرنے کے لیے عوامی جذبات اور رجحانات کے مطابق مقبولیت ایک ضروری امر ہے۔ یہاں تک کہ لکھاریوں، کالم نگاروں اور سیاسی مبصرین کی کامیابی بھی غیر یقینی ہوتی ہے جب تک کہ ان کے خیالات ان نام نہاد قومی مفادات اور مروجہ مستحکم نظام کی ترجمانی نہ کرتے ہوں۔ جب الوطنی کے نعروں اور ضرب الامثال پر مبنی فہرست ایسی خوبصورتی کے ساتھ بنائی گئی ہوتی ہے کہ سیاسی یا مذہبی بندھن سے قطع نظر ہر کوئی کسی نہ کسی قسم کے نعروں کے ساتھ ہم آہنگی کی بنا پر قومی ریاستی نظام کے گن گاتے نظر آتا ہے۔ ایسے ماحول میں بہت کم مواقع ایسے رہ جاتے ہیں کہ جن میں اسلام یا تصور امت کے مطابق کام کرنے والا کوئی آدمی کامیابی سے ہمکنار ہو سکے۔ اور اگر کہیں کوئی فرد کامیابی حاصل کر سکے تو اس کی یہ کامیابی اس کے حوصلہ اور جدوجہد کے پیمانے کے حوالہ سے اس کی کوششوں کی نسبت سے ہوگی۔ بہر حال اسلام اور ائمہ کے لیے ایسی کوششیں ان ناموافق حالات میں زیرو ہی رہتی ہیں۔

یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی جرأت کر کے کسی کرپٹ اور ظالم حکومت کے خلاف کھڑا ہو جائے۔ لیکن بد قسمتی سے عوام الناس کی ایک مخصوص طرز پر تشکیل دی جانے والی ذہنیت اور میڈیا کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ضرور آڑے آئیں گے۔ رائے عامہ اور قومی ترجیحات ہمیشہ پس پردہ قوتوں کے اختیار میں ہوتی ہیں۔ ان پر لعن طعن کرنے سے کچھ نہیں بنتا۔ عامۃ الناس اصل حقیقت کے انکاری ہی رہتے ہیں۔ وہ ہاں میں ہاں ملا کر چلتے ہیں۔ یہ ایک ہمہ گیر مسئلہ ہے اور

اکیلے مسلمان ملکوں سے متعلق نہیں۔ چنانچہ نیشنل فریڈم فاؤنڈیشن کے بانی اور سربراہ یعقوب ہارن برگر کہتے ہیں

”عام امریکی شہری مدیروں کو خطوط لکھ سکنے اور کتابیں شائع کروانے کی بنیاد پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ روئے زمین پر سب سے زیادہ آزادی کی حامل قوم ہیں۔ یہ دعویٰ حقیقت سے انکار کے مترادف ہے، فرض کریں کہ فراعنہ مصر کبھی یہ اعلان کرتے کہ آج سے غلاموں کو اپنی خراب حالت کے متعلق اپنے نگرانوں کو خطوط لکھنے کی اجازت ہے تو کیا اس سے ان علاقوں کو آزادی مل گئی ہوتی؟ (یہی حال امریکیوں کا ہے) جو ہان وان گیٹ نے ایک دفعہ لکھا کہ مایوس کن حد تک غلام وہ لوگ ہوتے ہیں جو غلام ہوتے ہوئے اپنے آپ کو آزاد سمجھنے کے خط میں مبتلا ہوتے ہیں۔ امریکی سرکاری سکولوں میں جو ذہنی ترتیب دی جاتی ہے وہ غلامی کو ذہنی طور پر قبول کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس سے انھیں ایک سخت ذہنی بیماری لاحق ہو جاتی ہے، جس کی علامت یہ ہے کہ یہ لوگ بڑے پیمانے پر الکحل یا دیگر نشہ آور چیزوں کی لت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔“ (197)

بد قسمتی سے اکثر مسلمان ممالک کے مسلمان بہت سارے امریکیوں جتنی آزادی کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتے۔ آزاد لوگ ”نہیں“ کہہ سکتے ہیں اور اپنے مسائل کی لوٹ کھسوٹ کے خلاف اٹھ کھڑے ہو سکتے ہیں۔ وہ اپنے اوقات اور اولاد کے لیے دوسروں کے بے جا مطالبات رد کر سکتے ہیں۔ غلام ایسا نہیں کر سکتے۔ آزاد لوگ ”نہیں“ کی آزادی کے بغیر آزادی کا کوئی تصور نہیں کر سکتے۔ اگر آپ کسی کے حکم کے جواب میں ”نہیں“ نہ کہہ سکتے تو پھر تو آپ آزاد نہیں ہیں۔ آپ غلام ہی سمجھے جائیں گے اگر کسی کا حکم نال نہیں سکتے۔ جس چیز کو آپ چھوڑنا نہیں چاہتے اور اس کے چھوڑنے پر آپ مجبور کیا جائے تو پھر آزادی کہاں؟ اس کے لیے کسی اور ٹیمٹ کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ ایسے مسلمان ملک میں ہیں جس کی حکومت سے کسی دوسری حکومت نے آپ کے بیٹے اور بیٹیوں کو قربان کرنے کے لیے کہا ہو اور آپ اسے ”نہیں“ نہیں کہہ سکتے تو پھر تو آپ غلام کے غلام ہو۔ یہ بالکل وہی قصہ ہے جو ایک مسلم ریاست پاکستان میں وقوع پذیر ہوا، جب 2001ء میں بٹش نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا، ”ہمارے ساتھ یا ہمارے خلاف“، تو مشرف لرزاں و ترساں ہو کر انکار نہ کر سکا اور اس نے پہلے افغانستان اور

بعد میں اپنے ملک پاکستان میں اپنے ہی بھائیوں کے قتل عام اور ان کے گھروں پر حملوں میں ”قومی سالمیت“ کے نام پر نیش کی مدد کا بیڑا اٹھایا۔

کسی مسلمان ملک میں قومی ایجنڈا اور ترجیحات کی موجودگی میں ایک علیحدہ اصولی موقف اپنانا ممکن نہیں رہتا اور جب بات قومی حدود سے باہر امت کے مفاد یا بین الاقوامی سطح پر کسی تبدیلی سے متعلق ہو تو پھر تو معاملہ اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ 57 مختلف قومی ایجنڈوں اور مفاد کے بہاؤ کے مخالف سمت میں کام کرنے کا سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ زندہ رہنے اور صرف قومی دھارے میں شامل رہنے کے لیے بھی ہر قسم کے سمجھوتوں پر آدمی اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی جماعتوں اور تحریکوں کو اپنی منزل کے تعین میں خاصی دشواری کا سامنا ہے، کیونکہ بیک وقت قومی مفاد اور اسلام کے لیے کام کرنا ناممکن ہے۔ قومی دھارے میں رہنا ان لوگوں کے لئے ایک مصیبت بن جاتا ہے جو معاشرہ میں اسلامی اصولوں کے قیام کی خواہش رکھتے ہیں۔ وہ مجبور ہوتے ہیں کہ اپنے ایجنڈے کو بیرونی آقاؤں کی مقرر کردہ کھ پتلیوں کی خواہشات کے مطابق نرم کریں۔ یہ بات کسی فرد مثلاً تجربہ کار پر جتنی صادق آتی ہے اسی طرح مذہبی جماعتوں اور تحریکات پر بھی صادق آتی ہے۔ ایسے لوگ جب اپنے ایجنڈے میں ”غیر ضروری نکات“ کا اضافہ کرتے ہیں تو وہ اسی وقت گردن زدنی کے قابل ہو کر قومی دھارے سے نکال باہر کئے جاتے ہیں۔ ان جماعتوں کے رہنماؤں کے ساتھ سنجیدہ گفتگوؤں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کتنے مسائل سے دوچار ہیں، جن کی وجہ سے ان کا کام غیر مؤثر ہے اور منزل متعین نہیں ہو سکتی۔ ان کی ہمت اور ان کا حوصلہ یقیناً قابل قدر ہے لیکن ان کے طریقہ کار سے بہر حال اختلاف کیا جاسکتا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ اگر کسی فرد یا سیاسی پارٹی کو قومی دھارے میں رہنا ہے تو اسے اپنے اصول اور نظریات کو ہلکا سے ہلکا رکھنا ہوگا بصورت دیگر اسے وہاں رہنا ناممکن ہوگا۔ پاکستان میں تنظیم اسلامی کے بانی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اس کی زندہ مثال ہیں، جن کو اسلامی اصولوں کی خاطر کنارے ہو کر mainstream سے علیحدہ ہونا پڑا ہے۔ قومی دھارے میں رہنے یا اس سے نکلنے کے آپشنز میں سے ہمیں ایک لینا ہوگا۔ ہمیں خوب اندازہ ہے کہ قومی دھارے میں رہتے ہوئے بھی لوگوں کو بہت ساری مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اگرچہ وہ اس کا برملا اظہار کم ہی کرتے ہیں۔

چونکہ اُمّہ اور قوم کے مفاد میں موافقت نہیں ہے، لہذا جو لوگ غلبہٴ اسلام کے لیے جدوجہد میں مصروف ہیں ان کے لیے قومی حکومتوں، قومی ریاستوں اور قومی حدود کو چیلنج کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کی اسی کمزوری نے امریکہ کو مسلمان ملکوں پر حملہ آور ہو کر قبضہ جمانے کا موقع دیا ہے۔ مثال کے طور پر کسی مسلمان نے آج تک یہ دعویٰ کرنے کی جرأت نہیں کی کہ عراق اور افغانستان میں امریکی قبضہ کے خلاف مزاحمت دراصل خلافت کے قیام ہی کے لیے ہے۔ اس کے برعکس بُش اور اس کے کروسیڈر ساتھی علی الاعلان خلافت کو بدنام کرنے کے لیے مسلسل بیانات دے رہے ہیں، جس سے ان جنگوں کی اصل حقیقت بے نقاب ہو رہی ہے کہ امریکہ اور اس کی ہمنوا طاقتوں نے دراصل خلافت کے ممکنہ احیاء سے خائف ہو کر یہ بربادی شروع کر رکھی ہے۔

افغانستان پر حملہ کرنے کے لیے امریکہ کے پاس اتنا بھی جواز نہیں تھا جتنا کہ (اس کے اپنے خیال میں) عراق پر حملہ کرنے کے معاملے میں اُس کے پاس تھا۔ 9/11 والے معاملے میں تو اس کے پاس رتی بھر بھی ثبوت نہ تھا جو اسے طالبان کی حکومت کو ختم کرنے اور افغانستان پر قبضہ کا جواز فراہم کرتا۔ اصل وجہ یہ تھی کہ افغانستان میں طالبان دھیرے دھیرے ایک ایسے معاشرے کی تعمیر کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں قومی مفاد، قومی ایجنڈا اور ترجیحات کی حیثیت لوگوں کی نظروں میں کم ہوتی جا رہی تھی۔⁽¹⁹⁸⁾ مسلم دنیا سے ہر شعبہٴ زندگی سے تعلق رکھنے والے ماہرین چاہتے تھے کہ جا کر طالبان کی اپنے اپنے شعبہ میں مدد کریں۔ ان میں سماجی بہبود کے ماہرین، نیوکلیائی ماہرین، کاروباری حضرات، انسانی ترقی کے ماہرین، مذہبی شخصیات اور ہر قسم کی ٹیکنالوجی سے وابستہ حضرات شامل تھے۔ اہم ترین بات یہ تھی کہ اس فکر اور مباحثے کے لیے ایک فضا تیار ہو رہی تھی کہ اسلامی اصولوں کا اطلاق دور جدید کی پیچیدہ زندگی پر کیسے کیا جائے۔ ابتداء میں بعض امور میں ان اصولوں کے غلط استعمال کے باوجود یہ نظام ایک ایسے ماڈل کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا جو ایک اسلامی معاشرہ اور طرز حکومت کے لیے درکار ہو۔ پاکستان کے بہت سے دینی رہنماؤں نے طالبان کے وسیع النظری پر مبنی طرز عمل کو بخیر نظر استہسان دیکھا تھا۔ اسلام کے بنیادی اصولوں کے رو بہ عمل لانے میں باہر کی دُنیا کے علماء کی طرف سے مدد کرنے کے نتیجے میں ضرور نکھار آ جاتا، اور اس سے اسلامی نظام کی راہ ہموار ہونے میں مدد ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ عالمی مشنری جو status quo کو برقرار رکھنا چاہتی ہے فوراً حرکت میں

آگئی اور طالبان کو گرانے تک یہ حرکت جاری رہی۔ اور اب بٹش اینڈ کمپنی نے خلافت کے خلاف اس وقت تک چھپائی ہوئی جنگ کا برملا اعلان کر ہی دیا ہے۔ ایسا کر کے انھوں نے مسلم دنیا میں کسی کے لیے کھڑے ہو کر قوی ریاستوں کو ختم کرنے کی بات کرنے کا موقع ہی ختم کر دیا۔ طالبان کے زیر اثر ایک ایسا ماحول تیار ہو چکا تھا جس میں مذہبی سکالرز اور دینی زعماء کے لیے قومی دھارے میں رہنے کے لیے کوئی مجبوری باقی نہیں رہی تھی۔ درحقیقت قومی دھارے کا وجود ختم ہوا تھا۔ علماء اور مذہبی سکالرز کے لیے یہ فکر مندی اب باقی نہیں رہی تھی کہ ان کی رائے نہ صرف یہ کہ ”قومی مفاد“ بلکہ واشنگٹن کے مفاد کے ساتھ ہم آہنگ کیوں نہیں؟ (1999) جیسا کہ پاکستان کے شمال مغربی صوبے کے وزیر اعلیٰ اکرم خان درانی کو 12 جولائی 2005ء کو پیناگون میں اس وجہ سے حاضری دینی پڑی کہ وہ وہاں حبیہ بل کی تشریح کریں جس سے اسلامی نظام کی طرف ایک قدم بڑھنے کی اُمید ہو سکتی تھی۔ یہ اس سلسلہ میں ایک نمایاں مثال ہے۔ درانی نے کہا کہ انھیں اُمید ہے کہ واشنگٹن حبیہ بل کی مخالفت نہیں کرے گا۔ (2000) افغانستان میں مذہبی سکالرز پالیسی سازوں کو راضی رکھنے یا امریکی حکومت اور پیناگون سے منظوری لینے پر مجبور نہیں تھے۔ قانون سازی اور پالیسی وضع کرنے میں وہ شامل تھے۔ انھیں قومی میڈیا پر اپنی تشہیر کی کوئی حاجت نہیں تھی۔ اس کے برعکس دیگر مسلم ممالک میں بظاہر دستیاب مواقع سے مذہبی لوگوں کو یہ خوش فہمی ہو رہی ہے کہ وہ اسلام کے لیے کام کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کی توانائیاں کسی مثبت سمت میں پیش رفت کرنے کی بجائے ضائع ہو رہی ہیں۔ افغانستان میں معاملہ ایسا نہ تھا۔ وہاں مذہبی قیادت کسی دلدل میں پھنسی ہوئی نہیں تھی۔ دیگر مسلمان ملکوں کے برعکس افغانستان میں ایسا کوئی نظام نہیں تھا جس کی سرکاری سرپرستی کی وجہ سے شرک کو تقویت ملنے کا خدشہ ہو۔ طالبان کی حکومت اگرچہ تاحال پوری طرح اللہ کے دین پر استوار نہیں تھی، لیکن کم از کم ایک عزم مصمم موجود تھا اور مزید اصلاح اور تصحیح کے لیے اقدامات کئے جا رہے تھے۔ بقیہ مسلم دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں، جو قرآن و سنت کے مطابق نظام قائم کرنے کے لیے سنجیدہ ہو، اور نہ ہی کوئی ایسا ملک موجود ہے جو بیرونی دنیا کے ساتھ کسی تنازعہ میں اسلام کو ایک بنیادی وجہ سمجھتا ہو۔

اس میں شک نہیں کہ طالبان میں زیادہ دور اندیشی نہیں تھی، تاہم ایک ایسی فضا بن گئی تھی جس میں چیزوں پر غور و خوض، بحث مباحثہ اور اسلام کو رو بہ عمل لانے کا کام ہو رہا تھا۔ صحیح سمت

میں ایک پیش رفت ہو رہی تھی۔ اس سے علاقائی بنیادوں پر مسلمانوں کی تقسیم (نظریہ و طیب) کو ایک چیلنج کا سامنا ہو سکتا تھا، اگر طالبان بعض غیر ارادی غلطیوں کا ارتکاب نہ کرتے۔ بین الاقوامی معاملات کے ضمن میں طالبان کا طریق کار 57 مسلم ممالک میں سے کسی بھی ملک سے مختلف تھا، جیسا کہ چیچنیا کے معاملہ میں ان کے رویہ سے عیاں ہے۔ طالبان کے مخالفین روسی مظالم کے خلاف طالبان کی طرف سے چیچنیا کے مجاہدین کی حمایت کو جرم تصور کرتے تھے۔ لیکن طالبان نے چیچن ری پبلک کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ اسے پوری پوری سیاسی حمایت بھی فراہم کی۔ طالبان وزارت خارجہ کے ترجمان نے 20 دسمبر 1999ء کو اعلان کر دیا تھا:

”چیچنیا کا سوال تمام اسلامی دنیا کا سوال ہے۔ افغانستان کی اسلامی امارت چیچن مسلمانوں کے خلاف ظالمانہ کاروائیوں اور ان کے حقوق کو نظر انداز کرنے پر بین الاقوامی برادری، خصوصاً مسلم ممالک کی خاموشی کو ایک بے رحمانہ رویہ سمجھتی ہے“ (201)۔ طالبان کے متعلق عام خیال یہ پھیلا یا گیا تھا کہ سفارت کاری کی دنیا میں یہ کوئی غیر مہذب اور مذہبی انتہا پسندوں کا ایک نووارد ٹولہ ہے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ مسلم ممالک میں سے بہت کم لوگ سیاسی نزاکتوں پر اتنا صاف ذہن رکھتے تھے جتنی دسترس کے مدرسوں سے فارغ التحصیل دنیائے سیاست میں ان نواردوں کو حاصل تھی۔ افغان نائب وزیر خارجہ ملا عبدالرحمن زاہد نے دنیائے اسلام کے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ وہ روسی مظالم، جارحیت اور جرائم پر خاموش تماشا شائی نہ بنیں اور آگے آکر چیچن مسلمانوں کے جائز حقوق کی حمایت کریں، کیونکہ سامراجی طاقتیں ہمیشہ سے اُمت کے اتحاد و یک جہتی کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتی رہی ہیں۔ (202) یہ ایک نازک موقع تھا جس پر طالبان وزیر نے زور دے کر کہا

”دنیا کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے اتحاد اور یک جہتی کو مسلمانوں کے حقوق پر دست اندازی اور زور و زیادتی کے خلاف اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مضبوط کریں۔ مسلم ائمہ اپنے مسائل کو خود حل کرنے کی پوری قدرت رکھتی ہے کیونکہ اسے اقتصادی اور سیاسی میدانوں میں زبردست صلاحیت حاصل ہے۔“ (203)

طالبان کی یہ آواز اور موقف بروقت بھی تھا اور حد سے زیادہ ضروری بھی، کیونکہ دنیا ایک مسلمان قوم کے استیصال پر چپ سادھے کھڑی تھی۔ پہلی چیچن جنگ 1994ء-1996ء میں روس نے ایک لاکھ چیچن مسلمانوں کو مار ڈالا۔ اس چھوٹے سے ملک کے زیادہ تر حصہ کو تہ و بالا

کر دیا اور ایک یادگار دہشت گردی کی شکل میں ایک کروڑ ستر لاکھ بارودی سرنگیں اس چھوٹی سی قوم کے خلاف نصب کیں۔ روس کو 1996ء میں نکالا گیا مگر اس کے سخت گیر اور کمیونسٹ لیڈروں نے ”چیچن ڈاکوؤں“ کو ختم کرنے کی قسم اٹھا رکھی ہے۔

دنیا نے طالبان کو ایک بڑا خطرہ قرار دیا، کیونکہ طالبان بقیہ مسلم دنیا کے برعکس استعماری قوتوں کی ظالمانہ پالیسیوں سے واضح اختلاف کرتے تھے۔ مثال کے طور پر چیچن مسئلہ پر طالبان کے علاوہ ساری مسلم دنیا چیچن مسلمانوں کے خلاف جارحیت کے ساتھ متفق تھی جیسے کہ او آئی سی کے وفد کے دورہ تہران کے دو ہفتے بعد روسی انفارمیشن ایجنسی (RIA) نے تہران سے اپنی رپورٹ میں لکھا:

”ایران چیچنیا میں مہم کے خلاف نہیں اور وہ روس کی علاقائی سالمیت کی حمایت کرتا ہے۔ اگرچہ وہ سیاسی حل کے حق میں ہے۔ کسی قسم کی دہشت گردی کا پھیلاؤ اور مذہبی انتہا پسندی ناقابل قبول ہیں۔“

یہ باتیں ایرانی وزیر خارجہ کمال خرازی نے اپنے روسی ہم منصب سے ملاقات کے بعد تہران میں ایک نیوز کانفرنس میں کہی تھیں۔⁽²⁰⁴⁾ یہ وہ وقت تھا جب امریکہ طالبان کے خلاف پابندیاں لگانے پر غور کر رہا تھا اور ساتھ ہی کلنٹن انتظامیہ کی چیچنیا میں بڑے پیمانے پر نسل کشی کے لیے روس کی مدد کر رہی تھی۔ امریکہ نے روس کو اندھیرے میں استعمال ہونے والے ہیلی کاپٹر سپلائی کئے، تاکہ ”دہشت گردی“ کا مقابلہ کیا جاسکے۔ کلنٹن دور کے قومی دفاع کے مشیر سینڈی برگر کا موقف تھا کہ روس کو اپنی سرحد سے متصل دہشت گردی کے خلاف لڑنے کا حق حاصل ہے۔⁽²⁰⁵⁾ افغانستان پر یو این او کی طرف سے پابندی لگاتے وقت کلنٹن روس پر زور دے رہا تھا کہ وہ ”گروزی“ کو آزاد کرے۔

طالبان کے اس اصولی موقف کو ”طالبانائزیشن“ سمجھا گیا۔ مغربی میڈیا نے پاکستان اور دوسرے ملکوں میں ”طالبانائزیشن“ کا خوب ڈھنڈورا پیٹنا شروع کیا۔ طالبان کو اس کا احساس نہیں رہا کہ وہ دراصل مسلمان تنظیم کی حیثیت کے لیے ایک چیلنج بنتے جا رہے ہیں۔ جس شخص نے بھی مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا، طالبان نے اسے اس کی سیکولر حیثیت کے باوجود اپنی برادری کا فرد جاننا۔ انھوں نے قرآن کو اپنا دستور قرار دیا،⁽²⁰⁶⁾ جو مسلم تنظیم اور حکمرانی کے ضمن میں سیکولر اصولوں کے خلاف پہلا قدم تھا۔ طالبان جو اس بہت بڑی تبدیلی کا

سوچ رہے تھے، دراصل اس بنیاد پر کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ طبعی آزادی حاصل کی تھی بلکہ وہ نفسیاتی اور نظریاتی دونوں اعتبار سے حقیقی طور پر آزاد ہو چکے تھے۔ یہ وہ اصل اور حقیقی سبب تھا، جس کی بنا پر افغانستان ”خفیہ کروسیڈ“ کا نشانہ بنا۔ (207) آج کی بین الاقوامی صورت میں اس جیسے کسی کام کے متعلق یہ بتانا کہ اس کے ساتھ کن کن لوگوں کے مفادات وابستہ ہیں، بہت مشکل ہے۔ مثال کے طور پر مسلم دنیا میں ایونجیلکل گروہوں کے ایجنڈے کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ کرسچن فنڈ ا مظلوم اب صرف ایک مذہبی مشن نہیں رہا بلکہ یہ اب سیاست اور خارجہ پالیسیوں کا بھی جزو لاینفک بن چکا ہے۔ اس ضمن میں بھارت سے تعلق رکھنے والے تجزیہ کار یوگندر سکیندا کا کہنا ہے:

”یہ (اب) عام خیال ہے کہ تیسری دنیا میں مصروف عمل گروہ دراصل مغربی ایجنسیوں اور حکومتوں کے مفادات اور فوجی مقاصد کو آگے بڑھانے کے لیے بطور ہراول کام کر رہے ہیں۔ بُنّش انتظامیہ اور عیسائی بنیاد پرستوں کے درمیان استوار تعلقات سے اس حقیقت کی خوب نشاندہی ہو رہی ہے۔ دائیں بازو کے امریکی کرسچن گروہ اسرائیل کے لیے مالی امداد کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ وہ مسلم دنیا میں امریکی سامراجی مقاصد کے لیے کام کرتے ہوئے ’برائی‘ کے خلاف ”کروسیڈ“ کی مدد کر رہے ہیں۔ ان کی اکثریت کو انتہائی دائیں بازو سے تعلق رکھنے والی لابیوں اور تھنک ٹینکس سے بے تحاشا پیہ ملتا ہے۔ CIA کو معلومات کی بہم رسانی کے لیے مقرر کردہ مشنریوں کے ذمے یہ بھی کام ہے کہ وہ بیرونی دنیا میں امریکی بالادستی کے لیے موثر پروپیگنڈا کریں۔“ (208)

ان قوتوں کو مسلمانوں کے اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے کے امکان سے جو خوف لاحق ہے، اس کے پیش نظر تمام محاذوں پر بشمول میڈیا اسلام کے خلاف ایک مشن جاری ہے۔ ایڈورڈ سید جیسے مفکرین کا خیال ہے کہ بہت سی کتابیں ایسی تصنیف کی گئی ہیں جو امریکی و اسرائیلی مقابلہ میں کسی بھی عرب یا مسلم مزاحمتی تحریک کو ناکام بنانے، کمزور کرنے اور شکست سے دوچار کرنے کے لیے بطور ہتھیار استعمال کی جاتی ہیں۔ ایسی ہی ایک کتاب ملر کی تصنیف "The Islamic Threat" (اسلام کا خطرہ) نامی ہے۔ بد قسمتی سے معاملہ صرف امریکہ و اسرائیل تک محدود نہیں۔ جب بات ایک مختلف طرز زندگی اور قانون (یعنی

اسلام) پر آجائے تو پھر مسلمان دُنیا بقیہ دُنیا سے بالکل مختلف نظر آنے لگتی ہے، اور جن جن کا مفاد موجودہ مروجہ نظام سے وابستہ ہے وہ مسلمانوں کو ایک امت بن کر قرآن کے مطابق زندگی گزارنے کی راہ میں مزاحم ہوں گے۔ کیونکہ اس نظام سے انسانیت کے سامنے ایک نئے سماجی نظام اور اصول حکمرانی کا ماڈل آجائے گا جو عدل اجتماعی کی طرف ایک زبردست پیش رفت ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جو بھی مسلمان اسلام کی سیاسی بالادستی کے لیے کام کر رہے ہیں ان کو بدنام کرنے کے لیے، ان پر انتہا پسندی کا لیبل لگایا جاتا ہے اور اسلامی طرز زندگی کو جدیدیت کے خلاف مان کر اسے رد کیا جاتا ہے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ اس موضوع پر بات تک نہیں کی جاتی کہ آیا واقعی اسلام کے مطابق زندگی انسانیت کے لیے خطرہ بنے گی۔ اسلام مخالف قوتوں نے طالبان حکومت کی بعض کمزوریوں کو اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے کہ مسلمانوں میں یہ ہمت ہی نہیں رہی کہ وہ کھڑے ہو کر اعلان کریں کہ ہم ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینا چاہتے ہیں جس میں اسلام کے مطابق زندگی بسر کی جاسکے۔ یہ تو بڑی دور کی بات ہے کہ مسلمان مسلم اُمتہ اور ایک ہی سیاسی وحدت کی چھتری کے نیچے زندگی گزارنے کے لیے مطالبہ کریں۔ وہ زندگی جسے آپ خلافت کا نام دیں یا امارت یا اسلامی ریاست کا، اس سے فرق کچھ نہیں پڑتا۔

جہاد سے دہشت گردی تک

بُش دوم جن کی تقاریر عہد نامہ جدید (Gospel) کے مذہبی گیتوں سے مزین اور عہد نامہ قدیم (بائبل) کے حوالوں سے آراستہ ہوتی ہیں اور جو وہائٹ ہاؤس میں بائبل کے مطالعہ کا باقاعدہ اہتمام کرتے ہیں، کے زیر اقتدار رہا سٹ ہائے متحدہ امریکہ 21 ویں صدی کے کروسیڈ پر پوری انہماک کے ساتھ عمل پیرا ہے، تاکہ دنیا کو امریکہ کے لیے سازگار بنایا جاسکے۔⁽²¹⁰⁾

امریکہ آج جس چیز کو ”دہشت گردی“ کے نام سے پکارتا ہے، اس کے نزدیک کل یہ بعینہ جہاد تھا، جب سوویت یونین نے اسی ملک پر حملہ آور ہو کر قبضہ جمانے کی کوشش کی تھی جس پر آج امریکہ نے بزور قبضہ کر رکھا ہے۔ جن عناصر کو آج سی آئی اے کے حکام رشوتیں دے دے کر طالبان کے خلاف استعمال کرتے ہیں یہی لوگ ان کے نزدیک اس وقت مجاہدین تھے۔⁽²¹¹⁾ جبکہ آج امریکی قبضہ کے خلاف ہر قسم کی مزاحمت کو دہشت گردی کا نام دیا جا رہا ہے۔ افغانستان میں 1979 تا 1989 تک کمیونسٹوں کے خلاف، جو امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے دشمن سمجھے جاتے تھے جنگ کو مسلمانوں کا مقدس جہاد سمجھا جاتا تھا۔ 11 ستمبر کے بعد اب یہ جنگ مسلمانوں کے خلاف، جو امریکہ کے دشمن سمجھے جاتے ہیں اور جو بیرونی قبضہ کے خلاف مزاحمت کر رہے ہیں ”عیسائی مقدس جہاد“ میں تبدیل ہو چکی ہے۔ بُش انتظامیہ نے اس جنگ کو ”لائتناہی انصاف“ سے موسوم کر کے پورے طور پر مذہبی جنگ کی حیثیت دے رکھی ہے۔ بُش کے اس قول کو جواز مہیا کرنے کی خاطر ”خود حفاظتی“ کے اصول کو بہانہ بنایا گیا ہے، جس میں مجبوراً کسی دوسرے کی طرف سے مسلط کردہ جنگ کے خلاف اٹھ کر اقدام کرنا پڑتا ہے۔ لہذا 9/11 کے حملوں کو اس مبنی بر انصاف اور ناگزیر جنگ کے لیے بنیادی محرکات میں شمار کیا گیا۔ اس جنگ سے مثبت طور پر استحکام و بحالی امن کبھی بھی اصل مقصد نہیں رہا، بلکہ یہ مسلسل ڈھنڈورا پیٹنا مطلوب ہے کہ اسلام ایک ”جارجیت پسند اور عسکریت پسند“ مذہب

ہے۔ روسالینڈ مورس کولمبیا یونیورسٹی کی ایک پروفیسر ہیں۔ وہ اپنے ایک مقالہ "Question of war" میں لکھتی ہیں: (212)

”دراصل معاملہ جو قابلِ حذر ہے یہ ہے کہ یہ عام جنگ نہیں بلکہ ایک مذہبی مقدس جنگ یعنی ’جہاد‘ ہے۔ امریکہ اس جنگ کو ناگزیر اور مبنی برانصاف اس وجہ سے سمجھتا ہے کہ یہ جنگ ایک قومی ریاست کے تصور کے خلاف جنگ ہے اور جن لوگوں نے اسے امریکہ پر مسلط کر رکھا ہے وہ قومیت پر یقین نہیں رکھتے، لہذا امریکہ کے لیے کوئی دوسرا متبادل نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ جنگ صرف اس سے شروع نہیں ہوئی کہ امریکہ پر حملہ ہوا، بلکہ دراصل اسے قومیت (Nationalism) کے اصول پر حملہ تصور کیا گیا ہے جس کے متعلق امریکہ کا دعویٰ ہے کہ وہ اس کا ایک مثالی نمونہ ہے۔“

سیکولر ائزیشن کے نمائشی چہرے کے متعلق مورس رقم طراز ہے:

”سیکولر ازم ایک ایسا پردہ ہے جس کے پیچھے ایک نئی مذہبی جنگ لڑی جا رہی ہے۔ درحقیقت اس کے ذریعے سے پروٹسٹنٹ عیسائیت کو غیر جانبداری کا لبادہ پہنا کر عالمی حیثیت دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔“

ویسے عیسائیت کی مقدس جنگ (مذہبی جنگ) کبھی بھی اختتام پذیر نہیں ہوئی۔ یہ چرچ ہی کی حمایت تھی جس سے کروسیڈ کے ذریعے نوآبادیاتی نظام قائم کیا گیا۔ انٹیلی جنس لاء انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر سٹیون ٹی نیوکومب کے مطابق، پوپ الیگزینڈر چہارم نے 4 مئی 1493ء کو جوائنٹر کیراپائی ڈاکومنٹ کولمبس کے کیزبین کی طرف سفر کے معاہدہ جاری کیا تھا، اس میں اس دلی خواہش کا اظہار موجود تھا کہ ”تمام وحشی اقوام کو زیر تسلط لا کر ان کو عیسائی عقیدہ کا قلابہ پہنایا جائے، تاکہ عیسائی امپائر کی تیزی کے ساتھ توسیع ہو سکے۔“ (214) اس سے پہلے کے ”کروسیڈر ڈاکومنٹس“ میں یہ بات نوکد کی گئی تھی کہ افریقیوں کو دائمی غلامی میں جکڑنے کے لیے انہیں فتح کر کے جبراً غلام بنایا جائے اور ان کی کل جائیداد اور ساز و سامان کو ضبط کیا جائے۔

9/11 کے بعد کروسیڈ ایک نئی شکل میں ظہور پذیر ہوا ہے۔ 21 اگست 2005ء کو جرمنی میں مسلم رہنماؤں (215) سے خطاب کے موقع پر پوپ بینیڈکٹ نے جو کچھ کہا وہ کسی بھی پہلو سے پائس دوم (Pius ii) کے اس پاپائی ڈاکومنٹس سے کم نہ تھا جس میں اُس نے بہت جلد شروع ہونے والے کروسیڈ کا اس وقت اعلان کیا تھا، جبکہ وہ (1458ء) میں سینٹ پیٹر کے تخت پر

تسکین ہوا تھا۔ اس کے لیے بہت مضبوط وجوہات موجود ہیں۔ (216) ان اسباب کو سمجھنے کے لیے ہمیں امریکی قیادت میں ہونے والے ”جہاد“ پر ایک نگاہ بازگشت ڈالنا ہوگی، جس جہاد نے افغانستان میں 21 ویں صدی کے کروسیڈ کی شکل اختیار کی ہے۔

امریکہ کے پاس افغانستان میں مہم جوئی کے لیے طالبان کے مبینہ جرائم کے کوئی ثبوت نہیں تھے۔ اس کے مقابلے میں سابقہ سوویت یونین کے پاس اپنی مہم جوئی کے جواز کے لیے پھر بھی کچھ نہ کچھ ثبوت میسر تھے۔ افغانستان کی تقریباً ایک ہزار میل لمبی سرحد سوویت یونین کی وسط ایشیائی مسلم ریاستوں کے ساتھ مشترک ہے، جہاں تاجک، ازبک اور ترکمان قبیلے رہتے ہیں، جو افغانستان میں بھی ہیں۔ 1978ء میں سرحد سے سوویت یونین کی طرف واقع دوشنبہ شہر میں تاجک قبیلہ نے روسیوں کے خلاف بغاوت کی تھی۔ 1979ء کے آخر میں ایرانی انقلاب سے ماسکو نے ایک زلزلے کی سی کیفیت محسوس کی، جب تہران کے امریکی سفارت خانے میں امریکیوں کو یرغمال بنایا گیا۔ اس سے سوویت سرحد سے چند سو میل دور ایران میں امریکی فوجی کارروائی کے امکانات بڑھ گئے۔ اسی وقت سی آئی اے نے افغانستان میں مختلف دھڑوں میں فنڈز اور ہتھیار تقسیم کرنے شروع کر دیئے تھے۔ ایک فرانسی جریدے ”Le Nouvel observateur“ کے ساتھ انٹرویو میں سابق سیکریوٹی ایڈوائزر بگینو بزنسکی نے حیران کن بیانات دیئے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے:

”سرکاری حوالہ جات کے مطابق مجاہدین کے لیے سی آئی اے کی امداد 1980ء میں افغانستان پر 24 دسمبر 1979ء کے سوویت حملہ کے بعد شروع ہوئی۔ تاہم خفیہ ذرائع سے دستیاب معلومات ایک بالکل دوسری حقیقت کی نشاندہی کر رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جولائی 1978ء کو صدر کارٹرنے وہ پہلا حکم نامہ جاری کیا تھا جس کی رو سے سوویت یونین کی حامی افغان حکومت کے مخالفین کو خفیہ امداد مہیا کی جانی تھی، اور اسی دن میں نے صدر کو ایک نوٹ لکھا، جس میں میں نے انھیں بتایا کہ میری رائے میں یہ امداد سوویت فوجی کارروائی کے لیے راہ ہموار کرے گی۔ ہم نے روسیوں کو افغانستان میں مسلح مداخلت کے لیے (براہ راست) نہیں اکسایا، لیکن ہم نے جانتے بوجھے ایسا

ہونے کا امکان بڑھایا۔“ (217)

اس سے پہلے سی آئی اے کے سابق ڈائریکٹر رابرٹ گئیس نے اپنی یادداشتوں ”From

"the Shadows" میں لکھا ہے: "امریکی انٹیلی جنس سروسز نے سوویت حملہ سے چھ مہینے قبل افغانستان میں مجاہدین کی امداد شروع کر دی تھی"۔ سلامتی کے نقطہ نظر سے یہ تمام کارروائیاں سوویت یونین کے لیے زیادہ خطرناک تھیں، بمقابلہ 9/11 والے جھوٹ اور کمر کے، جسے امریکہ نے افغانستان پر قبضہ جمانے کا بہانہ بنا دیا۔

موجودہ حالات میں اگر کوئی شخص افغانستان پر امریکی ناجائز قبضہ کے خلاف ایک لفظ بھی بولنے کی جرأت کرتا ہے تو اس پر فوری طور پر یہ لیبل لگا دیا جاتا ہے کہ یہ شخص دہشت گردی کو ہوا دیتا ہے۔ اس کے بالکل برعکس سوویت قبضہ کے دوران کارٹر نے غصہ کے ساتھ افغانستان میں روس کی موجودگی کو "توسیع پندی" قرار دے کر اس کی مذمت کی۔ اس نے سینٹ میں منظوری کے لیے پیش کردہ سالٹ 2 معاہدہ کے متعلق بل کو واپس کیا اور ماسکو اولمپکس کے بائیکاٹ کا اعلان کر کے بہت بڑی فوجی تیاری شروع کر دی، جس میں وہ سریع الحریکت یونٹس بھی شامل کر لئے جو بنیادی طور پر خلیج فارس میں تعیناتی کے لیے تھے۔ انتظامیہ نے افغانستان میں سی آئی اے کے خفیہ آپریشن کی منظوری کی درخواست کی اور ابتدائی طور پر پاکستان کو 400 ملین ڈالر کی امداد دے دی۔

افغانستان پر حملہ کے پہلے ہی دن سے امریکی سفارت کاری سوویت یونین کے خلاف عالمی رائے عامہ ہموار کرنے میں لگ گئی۔ امریکہ کا غصہ حملہ کا نشانہ بننے والوں سے ہمدردی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ افغانستان میں وہ اپنے دشمن کی مستقبل میں کامیابی کی صورت میں خطرہ کو بھانپ چکا تھا۔ افغان جنگ کے معماروں میں اس وقت اسٹنٹ سیکرٹری آف ڈیفنس رچرڈ پرلے افغانستان کو ایک ختم نہ ہونے والے خطرناک معرکہ کا میدان خیال نہیں کرتا تھا بلکہ وہ اس کو ایک ایسی جگہ سمجھ رہا تھا جہاں سوویت یونین کو سبق سکھایا جاسکتا تھا۔ اس جیسے دارلارڈز کی شہرت واشنگٹن میں کافی بڑھ گئی۔

موجودہ مکمل سکوت کے برعکس اسلام آباد میں 27 جنوری 1980ء کو 35 مسلم ممالک کا ایک غیر معمولی اجلاس منعقد ہوا، جس میں افغانیوں پر سوویت حملہ کی مذمت کے ساتھ ساتھ اس بات پر زور دیا گیا کہ کوئی بھی مسلم ملک افغانستان کی ڈیموکریٹک ری پبلک کو تسلیم نہ کرے۔ فطری طور پر مذہبی شناخت کی تبدیلی اور ایک بے خدا نظام مسلط کرنے کی کسی بھی کوشش کے خلاف مسلمان مزاحمت کر رہے تھے، لہذا کمیونزم کے خلاف بین الاقوامی اسلامی

یجہتی کو بطور طاقتور ہتھیار استعمال کرنے کے لیے کسی بھی لمبی چوڑی سوچ اور بحث مباحثہ کی ضرورت نہ تھی۔ اس قسم کی یجہتی کو ابھارنے کے لیے ہر قسم کی امداد مہیا کرنے کا کام سعودی عرب اور دیگر عرب راجدہانوں کے ذمے لگا دیا گیا، جسے بغیر کسی تردد کے قبول کیا گیا۔ انہوں نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی معیت میں سوویت یونین کے خلاف اس امریکی جہاد کو اپنا مرکزی مقصد گردانا۔ اوماہا کی نبراسکا یونیورسٹی میں سے (سوویت یونین کے خلاف جہاد کے متعلق) کتابوں اور لٹریچر کی بھرمار نے کام کو اور آسان کر دیا۔⁽²¹⁸⁾ واشنگٹن پوسٹ سے منسلک جوئے سٹیفن اور ڈیوڈ بی اٹاؤے اس چیز کے متعلق جسے اب امریکہ نے جہاد ازم (jihadism) کا نام دیا ہے، لکھتے ہیں ”سرد جنگ کے دھندلکے میں امریکہ نے لاکھوں ڈالر کی لاگت سے افغان طالب علموں کے لیے قتلہ و تصویروں اور حرب و ضرب کی اسلامی تعلیمات پر مبنی ایسی درسی کتب مہیا کیں جو سوویت یونین کے قبضہ کی راہ میں مزاحمت کو بڑھاوا دے سکیں۔ یہ کتابیں جو جہادی نعروں، گولی، بندوق، سپاہیوں اور بارودی سرنگوں کی تصاویر سے بھر پور تھیں، تب سے افغان سکولوں کے نصاب کا بنیادی جز بن گئیں، یہاں تک کہ طالبان بھی انہی امریکی کتابوں سے استفادہ کرتے تھے۔“⁽²¹⁹⁾

مسلم دنیا میں سکولوں کے نصابات میں سے جہادی تصور کو مٹانے کی کوششوں کے بالکل برعکس سٹیفن اور اٹاؤے واضح کرتے ہیں کہ امریکی ادارے کس طرح اس وقت جہاد پر مبنی تعلیمات سے بھر پور درسی کتب کو ترقی دے رہے تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

”افغانستان کی دو بڑی زبانوں دری اور پشتو میں لکھی ہوئی کتابوں کا سلسلہ 1980ء کے اوائل میں شروع کیا گیا۔ اس کے لیے یو ایس ایڈ کے تحت نبراسکا یونیورسٹی اور اس میں واقع افغان سٹڈی سینٹر کو بے تحاشہ فنڈز فراہم کئے گئے۔ 1984ء سے 1994ء تک افغانستان میں یونیورسٹی تعلیم کے پروگرام پر اس ایجنسی نے 51 ملین ڈالر کی خطیر رقم خرچ کی۔“⁽²²⁰⁾ یو ایس ایڈ کے زیر اہتمام ”جہاد پراجیکٹ“ میں سوویت قبضہ کے خلاف مزاحمتی تحریروں و تصاویر کو معمول کے اسباق کے ساتھ بڑی ہشکاری کے ساتھ خلط ملط کیا گیا۔ یو ایس ایڈ کے اہلکاروں کا کہنا ہے کہ بچوں کو جو کچھ پڑھایا جاتا ہے، ان میں تصویری ٹیکوں، بارودی سرنگوں اور میزائلوں کی گنتی شامل ہے۔ انہوں نے یہ بھی مانا ہے کہ اس وقت یہ امریکہ کے مفاد میں تھا کہ بیرونی حملہ آوروں کے خلاف نفرت کو ہمیز

واشنگٹن پوسٹ کا نامہ نگار ایک ایڈورکر کے متعلق بیان ہے کہ وہ ایک غیر نظر ثانی شدہ کتاب کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ اُسے اس کے 43 ویں صفحے پر ایک مزاحمتی جنگجو کی تصویر ملی۔ اس کا سر غائب تھا اور اس کے کاندھے پر (کارٹوس والی) بیٹی اور کلاشکوف آویزاں تھے۔ اس کے بدن پر ایک قرآنی آیت لکھی تھی اور نیچے پشتو زبان میں مجاہدین کی تعریف میں چند کلمات تھے۔ اس جیسے لوگوں کو اللہ کے وہ فرمانبردار بندے بتایا گیا تھا جو حیات اجتماعی میں اللہ کا قانون نافذ کرنے کے لیے اپنی جان اور مال کی قربان کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔“ (222)

حقیقت یہ ہے کہ سوویت یونین سے کسی مسلمان ملک جیسے سعودی عرب کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ سوویت یونین سے مسلمان ملکوں کے سرپرست اعلیٰ اور اتحادی امریکہ کو بھی کوئی خطرہ نہ تھا، کیونکہ نیوکلئائی ہتھیاروں سے مسلح دنیا میں امریکہ اور سوویت یونین کا ایک دوسرے کے مقابلے میں آنا بہت خطرناک اور غیر معقول حرکت شمار ہوتی۔ اصل بات یہ تھی کہ امریکی کیمپ سے وابستہ مسلمان ممالک کے لیے یہ ضروری امر تھا کہ وہ ریاستی سطح پر امریکہ کی سرکردگی میں چلنے والے جہاد میں اپنے امریکی آقاؤں کو راضی رکھنے کے لیے پوری دلی آمادگی کے ساتھ حصہ لیں۔ بظاہر انہیں اتحادی کیونزوم سے اسلام کو لاحق خطرات کا ازالہ کرنا تھا، جس کی بے تحاشا تشہیر کی گئی تھی۔ مسلم ممالک میں عوامی سوچ کے برعکس سرکاری اہلکاروں کے نزدیک یہ جنگ جہاد فی سبیل اللہ نہیں بلکہ جہاد فی سبیل الامریکہ تھی۔ چونکہ بہت سارے سعودی نژاد شہری خاندان سعودی کرپشن، خود غرضی، دباؤ اور امریکہ کے ساتھ اس کی قربت کی وجہ سے اُن سے نالاں تھے، لہذا افغان جہاد نے ان سعودیوں اور مصریوں کو اپنے برا بھونٹے جذبات اور غصہ نکالنے کی ایک سبیل مہیا کی۔ اسی طرح اس جہاد سے پاکستان میں ضیاء الحق جیسے آمر کو اپنی ناجائز حکمرانی سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کا موقع بھی مل گیا۔

امریکہ کے دئے گئے پیسے میں تین بنیادی اجزاء شامل تھے، جن کے ذریعہ ”سرخ کفار“ (یعنی کمیونسٹوں) کے خلاف جنگ کی حوصلہ افزائی اور اسے جاری رکھنے میں مدد مل سکتی تھی۔ یہ تین اجزاء تھے: تنظیم اور نقل و حمل، عسکری نینکالوجی اور نظریاتی جذبہ و تعاون

وٹیم کیسی کی سربراہی میں سی آئی اے کے ذریعے تاریخ کے سب سے بڑے خفیہ آپریشن کی ابتدا کی گئی۔ صدر ریگن نے ”نیشنل سکیورٹی ڈی سیشن ڈائریکٹو 166“ (NSDD)

(166) پر دستخط کئے، جس کی رو سے امریکہ کو تمام ممکنہ دستیاب ذرائع سے سوویت یونین کو افغانستان سے نکال باہر کرنا تھا۔ امریکہ کے کاؤنٹر انسرجنسی ماہرین نے پاکستان ملٹری ایجنسی آئی ایس آئی کے ساتھ مل کر مجاہدین کو منظم کرنے اور افغانستان کے اندر آپریشن کی منصوبہ بندی پر کام شروع کیا۔ 80 کی دہائی کے دوران پشاور اور اسلام آباد کے باسی بڑی تعداد میں امریکیوں کی موجودگی اور ان کی ان آپریشن میں مصروفیت کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ امریکہ کا اہم ترین کردار ایک بین الاقوامی نیٹ ورک کا قیام تھا، جس کے ذریعے افرادی قوت اور سامان عرب اور اس سے آگے کی دنیا سے مہیا کئے جانے تھے۔ اسلام کے نام پر لڑنے والے ایسے لوگوں کی تلاش کی گئی، جو نظریاتی طور پر بہت زیادہ مخلص تھے۔ اس مقصد کے لئے دنیا بھر میں سی آئی اے فنڈز کے ذریعے اخبارات اور نیوز لیٹرز میں جہاد میں شرکت کے لیے ترغیب و تشویق پر مبنی بہت مؤثر اشتہارات دیئے گئے۔

امریکہ کے ملوث ہونے پر ابتدا میں پاکستان کے خلاف ممکنہ سخت روسی رد عمل کے پیش نظر اسلحہ اور ملٹری ٹیکنالوجی کی سپلائی میں بہت احتیاط سے کام لیا جاتا رہا۔ اس وقت لائحہ عمل یہ رہا کہ امریکی مداخلت کم سے کم نظر آئے، تاکہ کسی قسم کی شرکت سے انکار کا تاثر برقرار رکھا جاسکے۔ جنگ کے ابتدائی سالوں میں سی آئی اے نے روسی ساخت کا اسلحہ حاصل کیا، جو اسرائیلیوں نے مشرق وسطیٰ کی مختلف جنگوں کے دوران عربوں سے چھین لیا تھا۔ چونکہ جنگ کے دوران کے جی بی اور خاد⁽²²⁵⁾ نے پاکستان کے اندر کبھی کبھی دہشت گردانہ حملوں کا بھی التزام کیا، لہذا اب امریکہ نے زیادہ کھلے طور پر کام شروع کیا اور اس کی مہیا کردہ ٹیکنالوجی نے افغانستان میں سوویت جنگی سامان حرب و ضرب پر برتری پا کر اسے شکست دینے میں اہم کردار ادا کیا۔

ریگن ڈاکٹر ان کے تیسرے جزو یعنی افغان مزاحمت سے نظریاتی تعاون کی غرض سے اس کی میڈیا کے ذریعے دنیا بھر میں تشہیر کی گئی۔ امریکی ٹیلی ویژن چینلز ”آزادی کے دلیر جنگجوؤں“ پر تعریف کے ڈھونگرے برساتے رہے۔ مسلمان ملکوں میں نمائش کے لیے پیشل ڈاکومنٹری تیار کی گئیں۔ ایک غیر معمولی کاوش جس کا بہت کم تذکرہ کیا گیا ہے، وہ ”انٹی کمیونزم اور پرو جہاد“ پروپیگنڈا تھا جو بہت ہی مؤثر رہا۔ اس کی ایک مثال نصابی کتابوں کا وہ سلسلہ ہے، جو 80 کے عشرہ کے دوران امریکی گرانٹس کے ذریعے ’مرکز تعلیم برائے افغانستان‘

(Education Center for Afghanistan) سے تیار کیا گیا، جسے مجاہدین خود چلاتے تھے۔ اس نصاب کے ذریعے کیونز م کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے اسلامی مزاحمتی تحریک میں ان بیرونی قوتوں کے خلاف جذبہ ابھارنا تھا، جو مسلمانوں کی طرز زندگی کو بدلنے کی کوشش کرتی ہیں۔

کریک ڈیوس کے مطابق اقوام متحدہ کے پروگرام سٹاف ممبرز نے ابتدائی 5 سالوں کے دوران نصابی کتابوں میں دی گئی تشدد اور عسکریت پسندی کے متعلق تصاویر اور عکسوں کو نظر انداز کئے رکھا، کیونکہ نبراسکا یونیورسٹی چاہتی تھی کہ لوگوں کو یہ نظر نہ آنے لگے کہ افغان معلمین پر امریکی اقتدار توہین کی کوشش کی جا رہی ہے۔ (224)

امریکہ کی سرپرستی میں تیار ہونے والی ایسی نصابی کتابیں افغانستان اور پاکستان میں عام دستیاب تھیں، جو افغان بچوں پر زور دے رہی تھیں کہ وہ اپنے دشمنوں کی آنکھیں نکال لیں اور ان کی ٹانگیں کاٹ کر الگ کر دیں۔ ان کتابوں میں بعض اپنی ابتدائی شکل میں تھیں۔ کئی سالوں بعد ان کی پہلی دفعہ چھپائی کرائی گئی۔ ایسی کتابیں سکولوں میں طالبان کے دور اقتدار میں بھی دستیاب تھیں۔ ان کتابوں کے علاوہ ایسی بہت سی رپورٹیں بھی تھیں جو روسی قبضہ کو انسانی تاریخ کی سخت ترین ظالمانہ کارروائی کے طور پر پیش کر رہی تھیں اور اُس کے خلاف تشدد مزاحمت کو عین جائز جہاد قرار دے رہی تھیں۔ ان دستاویزات سے ہمیں افغانستان پر روسی اور امریکی قبضہ میں گہری مشابہت، جبکہ اسے واگزار کرنے کے ضمن میں رویوں میں بہت اختلاف نظر آتا ہے۔ جو چیز اس وقت ناجائز گردانی جاتی تھی آج اسے جائز بنا کر پر پیش کیا جاتا ہے۔ افغانستان پر امریکی قبضہ کا دورانیہ روسی قبضہ کے دورانیے کا قریباً نصف (1988ء-1979ء) (ان سطور کی اشاعت تک اب پورے دس سال ہو گئے ہیں)۔ آج قابض فوجوں کے خلاف جس چیز کو دہشت گردی کہا جاتا ہے، اس چیز کو سوویت قبضہ کے دوران شاندار الفاظ میں بیان کیا جاتا تھا۔ مثلاً

”مجاہدین کی مختلف طریقوں سے فوجی امداد کی گئی ہے۔ انھوں نے وار کرنے میں اعلیٰ صلاحیتیں دکھائیں اور دوران سال ان کی کارگزاریوں پر موسمی تغیرات کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ بہتر باہمی ربط اور فضائی تحفظ کی سہولیات کی بدولت ملک کے بہت سے حصے روسی کنٹرول سے آزاد رہے۔ اس وقت مجاہدین کا مورال بہت اونچا ہے۔ کئی پہلوؤں

سے 1987ء کو ”مجاہدین کا سال“ کہا جاسکتا ہے۔“ (بحوالہ رپورٹ ”افغانستان پر روسی قبضے کے آٹھ سال“ از کریگ کارپ) (225)

آج جس جہاد کی نفی کی جارہی ہے اور اسے دہشت گردی کا نام دیا جاتا ہے امریکہ کی اس سرکاری رپورٹ کی رو سے اس وقت یہ ایک نمایاں کارنامہ تھا۔ اس وقت شہروں اور آبادیوں پر حملوں کی حوصلہ افزائی کے ساتھ بھرپور امداد کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ یہ ”شہروں کی جنگ“ کہلاتی تھی۔ متذکرہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ روسیوں اور حکومت نے 1987ء میں شہروں کے دفاع پر زیادہ توجہ دینا شروع کی۔ چنانچہ مجاہدین کے لئے شہروں کے اندر گھس کر کارروائیاں کرنا مشکل ہو گیا اور ان میں کمی بھی واقع ہو گئی۔ تاہم نزدیک مقامات پر حملوں کے نتیجے میں شور و غوغا اور ہلاکتوں کی وجہ سے شہری علاقوں کے تحفظ کے احساس کو بھی نقصان پہنچا اور وہاں بھی صورت حال متاثر رہی۔ (226)

اب ذرا سوویت یونین کی قائم کردہ حکومت کے متعلق زبان اور ایک سابق سی آئی اے ایجنٹ حامد کرزی کی موجودہ کھپتلی حکومت کے متعلق زبان کا موازنہ کیجئے۔

”کابل میں اپنے ہاتھوں تشکیل کردہ حکومت کی حیثیت کو بین الاقوامی سطح پر جائز گرداننے کے لیے سوویت یونین نے چھ مہینہ کے دورے پر ایک وفد کو ڈپلومیسی مشن پر روانہ کر دیا۔ اس وفد کے دورہ کے دوران تقریباً تمام ملکوں کا جو موقف سامنے آیا وہ یہ تھا کہ افغان مسئلے کا واحد حل یہ ہے کہ سوویت یونین وہاں سے نکل جائے۔ فردری کے مہینہ میں نجیب اللہ نے پیشکش کی کہ وہ حزب اختلاف کے ساتھ بیٹھ کر برابری کی بنیاد پر بات چیت کرنا چاہتا ہے۔ اس کے جواب میں مزاحمتی قوتیں اس پر مصر تھیں کہ اگر بات کرنی ہے تو وہ صرف روسیوں سے کریں گی، نہ کہ اس کھپتلی حکومت سے۔“ (228)

اس رپورٹ کے مطابق امریکہ نے جہاد جاری رکھنے کو ہر چیز پر ترجیح دیتے ہوئے ہر پیشکش کو رد کر دیا۔ نجیب اللہ نے 1987ء کے موسم سرما کے دوران سابق شاہ ظاہر شاہ کے لیے بھی کسی قسم کے کردار کو قبول کرنے کی پیشکش کر دی تھی بلکہ 14 جولائی 1987ء کو اُس نے اپوزیشن کے لیے متعین عہدوں کی بھی پیشکش کر دی، جن میں درجن بھر کینٹ و زراء سمیت وائس پریذیڈنٹ اور ڈپٹی پرائم منسٹر کی پوزیشن بھی شامل تھیں۔ انھوں نے پرائم منسٹر کی پوسٹ پر بات چیت کرنے کی گنجائش پر بھی بات کی اور بعد میں اس پوسٹ کی بالکل یہ پیش کش کر دی۔

گور باچوف کے ساتھ ایک میٹنگ کے بعد نجیب اللہ نے ایک پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ اگر اس کی ذات امن کی راہ میں رکاوٹ ہے تو وہ اس کے لیے نہ صرف اپنا عہدہ چھوڑنے کو تیار ہے، بلکہ اس کے لیے اپنی جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ تاہم اُس کی کوئی بھی پیشکش قبول نہیں کی گئی، کیونکہ یہ رائے پختہ ہو چکی تھی کہ اس کی حکومت کو بیرونی قابض فوجوں نے وجود بخشا ہے۔ مطالبہ یہ تھا کہ پورے سسٹم کو اس طرح بدلا جائے کہ وہ امریکہ کے اتحادی مجاہدین کے لیے قابل قبول ہو سکے۔ اس طرح امریکہ نے افغانستان کو ایک دلدل میں دھکیل دیا۔ وہ کسی قیمت پر ”جہاد افغانستان“ کو ختم کرنا نہیں چاہتا تھا، حالانکہ اس کی مزید ضرورت بھی باقی نہیں رہی تھی۔ امریکہ کی یہ خصوصی پالیسی رہی ہے کہ وہ دشمن کے مکمل معدوم ہونے تک ہر معقول تجویز کی نفی کرتا رہے۔ اگر ہم واشنگٹن سے دستیاب دستاویزات کی تفصیلات دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ سوویت یونین کی افغانستان میں موجودگی کے آخری ایام میں ڈاکٹر نجیب جو پیش کش کر رہا تھا وہ امریکی پشت پناہی والے ”مجاہدین“ کے سامنے پوری سپر اندازی کے مترادف تھی۔ تاہم امریکہ کے نزدیک ہتھیار ڈالنے کے کوئی معنی نہیں جب تک کہ دشمن زندہ باقی رہے۔ کیونکہ امریکہ یا تو ایٹم بم مار کر (جاپان کی مثال) کسی قوم کو مکمل تباہ کرنا چاہتا ہے، یا وہ موت کی شاہراہ پر (جس طرح کویت کے بہانے عراق کے ساتھ کیا) دشمن کو مکمل طور پر فنا کرنے کی منصوبہ بندی کرتا ہے۔

موسم خزاں 1987ء میں نجیب اللہ نے قوی مفاہمت کے سلسلہ میں اپنی پیش کش کو اور وسعت دے دی۔ پارٹی کانفرنس کے موقع پر انھوں نے جمہوری وحدت، کولیشن اور حزب اختلاف کے لیے مزید نشستوں کی پیشکش کر دی۔ انھوں نے خصوصی طور پر امریکہ کے حمایت یافتہ سات گروہوں کے اتحاد کا نام لے کر اپیل کی۔ یہ بھی پیشکش کی گئی کہ حزب اختلاف کو اپنے دفاتر کھولنے اور اپنے اخبارات شائع کرنے کی اجازت دی جائے گی بشرطیکہ وہ امریکہ کی پشت پناہی میں جاری ”جہاد“ سے دست برداری کا اعلان کر دے۔ یہ ماننے کے بعد کہ سوویت افواج بعض چھاونیوں سے ملحقہ علاقوں سے نکل گئی ہیں، نجیب اللہ نے اعلان کیا کہ روسی افواج کے مکمل انخلاء کے بعد حکومتی فوجیں اپنی کارروائیاں ان علاقوں میں بند کر دیں گی جہاں جہاں مجاہدین اپنے حملے روک دیں گے۔ نومبر میں منعقدہ جرگہ کے موقع پر نجیب اللہ نے کہا کہ اگر مجاہدین ”جہاد“ سمیٹ لیں، تو سوویت افواج 12 مہینے یا اس سے بھی کم مدت میں

واپس چلی جائیں گی۔ تاہم یہی موقع تھا، جب مجاہدین نے امریکہ کے اصرار پر اپنے حملوں کو مزید بڑھایا اور ہر پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ اس ضمن میں جو اصول اپنایا گیا وہ یہ تھا کہ ”کسی ایسی حکومت سے بات نہیں ہوگی جو قابض افواج نے قائم کی ہو، جہاد جاری رہے گا۔“

میڈیا کے تمام ذرائع روس کی قائم کردہ حکومت کے مخالفین پر ہونے والے تشدد اور ناروا سلوک کو نمایاں کرتے رہے۔ اقوام متحدہ کی طرف سے بھی حسب معمول ان حرکات کی مذمت کی جاتی تھی، جبکہ آج امریکہ کے قائم کردہ افغانستان کے اندر اور باہر جنگی قیدیوں کے مراکز میں تشدد ایک معمول کی بات ہے۔ امریکی سرکاری رپورٹوں میں عام حوالات کو بھی بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا تھا، جہاں پر مقید مجاہدین کے ساتھ باہر کسی کو بھی رابطہ کی اجازت نہ تھی۔ آج خود امریکی نائب صدر خود ڈارچر اور وہشت کا حکم دیتا ہے۔⁽²²⁹⁾ افغانستان پر روسی قبضہ کے دوران حکومت مخالف لوگوں سے ”اقرار جرم“ کروانے کے لیے ”جسمانی تشدد“ اور ”نفسیاتی حربوں“ کے استعمال کے خلاف امریکہ شکایت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ آج امریکہ اور اس کے حلیف ہر قسم کے تشدد کو مکمل طور پر جائز اور قانونی گردانتے ہیں۔ مثال سامنے ہے، جب اقوام متحدہ اور اس کے سیکرٹری جنرل گوانٹانامو بے میں قیدیوں کے مراکز کو بند کرنے کا کہتے ہیں تو امریکہ اسے ایک غلط مطالبہ قرار دیتا ہے۔⁽²³⁰⁾ آج انسانیت کے نام پر تمام ایپلوں اور شکایات کو رد کیا جاتا ہے۔ آج کے انسانی ”رحمد لانہ“ سلوک کے تحت قیدیوں کو بجلی کے کرنٹ لگانا، سگریٹ سے داغنا، ٹھنڈے پانی یا برف میں غوطے دینا، دوسرے لوگوں کو تشدد کے وقت دیکھنے پر مجبور کرنا، ہلاک شدہ لوگوں کی لاشوں کے ساتھ کالی کوٹھڑیوں کی تنہائیوں میں بیٹھنے پر مجبور کرنا اور پانی خوراک اور نیند سے محروم رکھنا وغیرہ چند ایسی شرمناک حرکتیں ہیں، جنہیں کرزئی کے مخالفین سوویت یونین کے ”مظالم“ کے ساتھ ضرور موازنہ کرانا چاہیں گے۔

”جہاد“ کے زعماء کو اس بنیاد پر اسلامی سربراہی کانفرنسوں میں شرکت کی اجازت دی جاتی رہی کہ کابل میں حکومت قابض فوجوں کی بنائی ہوئی حکومت تھی۔ ان کے نمائندوں کو مندوبین سے خطاب کی کھلی اجازت ہوا کرتی تھی۔ جبکہ او آئی سی افغان حکومت کی ہر سال کانفرنس میں اپنی سیٹ کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوششوں کا ناکام بنادیتی تھی۔

کرزئی حکومت کی عالمی سطح پر قانونی حیثیت کو تسلیم کرنے کے برعکس روسی پشت پناہی

میں قائم افغان حکومت کو 1987ء میں بین الاقوامی سطح پر اپنی قانونی حیثیت کو تسلیم کرانے کی کوششوں میں بہت محدود کامیابی حاصل ہو سکی۔ حکومت نے 52 ملکوں میں اپنے نمائندے بھیجے، تاکہ ان کے ساتھ تعلقات میں بہتری آ سکے۔ بہت سے ملکوں نے کابل کے نمائندوں کو واپس کر دیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام دشمن اور کارپوریٹ دہشت گردوں نے ان سالوں کے دوران کتنا مضبوط ہوم ورک کیا ہے، جس کے نتیجے میں دنیا کو ”کالا“ اب ”سفید“ نظر آنے لگا ہے۔ آج کے قبضے کو آزادی اور جاری مظالم کو جمہوریت کا نام دیا جاتا ہے۔

بعض لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ افغانستان پر قبضہ کی منظوری تو سلامتی کونسل نے دی ہے۔ اگلے باب میں ہم دیکھیں گے کہ حقیقت ایسی نہیں، لیکن بغرض محال اگر ایسا ہے بھی تو ایسی کسی بھی منظوری کو سند جواز حاصل نہیں ہوگی اور یہ بے معنی بات ہوگی، کیونکہ اسی سلامتی کونسل نے عراق پر بھی پابندیاں عائد کر کے لاکھوں بچوں کی ہلاکت کا سامان کر دیا۔ عراق کے متعلق اقوام متحدہ کی قراردادیں سراسر جھوٹ اور غلط اطلاعات پر مبنی تھیں اور ان کی وجہ سے 8 لاکھ بے گناہ عراقی موت کے منہ میں چلے گئے۔ اس کے باوجود اقوام متحدہ کو یہ سچ نظر ہی نہیں آتا کہ عراق میں کوئی بھی ہلاکت خیزی والے ہتھیار (WMD) نہیں تھے۔

اقوام متحدہ کا ادارہ جس نے امریکہ کے جنگی جرائم اور دوسرے ملکوں پر قبضہ جیسے جرائم پر چپ سادھ رکھی ہے سالانہ بنیادوں پر اس قبضہ میں توسیع کی منظوری دیتا رہا ہے، (231) افغانستان پر سوویت قبضہ کے دنوں میں بڑی گرجوٹی دکھا رہا تھا۔ جنوری 1980ء سے 1987ء تک اس کی جنرل اسمبلی نے افغانستان سے بیرونی افواج کے انخلاء اور افغانوں کے حق خود اختیاری کے سلسلہ میں قرارداد کے لیے 9 مرتبہ ووٹنگ کرائی اور ہر مرتبہ اسے بھاری اکثریت سے پاس کر دیا۔ اسی نے بیرونی افواج کے خلاف ”جہاد“ کو مکمل طور پر قانونی اور جائز قرار دیا۔ اقوام متحدہ کی بے بسی اس حقیقت سے عیاں ہے کہ اس کے سیکرٹری جنرل نے امریکی اور برطانوی جنگ کو ”نا جائز“ قرار دیا ہے (232)، لیکن اقوام متحدہ کو ابھی تک ایک بھی قبضہ مخالف (anti occupation) قرارداد یا روسی قبضہ کے دوران پاس ہونے والی قراردادوں جیسی کوئی قرارداد پاس کرانے کی توفیق نہیں ہوئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اقوام متحدہ کا اس قبضہ کے حق میں یا اس کے خلاف جواز کا فتویٰ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اگر افغانستان پر امریکی قبضہ کے ناجائز اور اس کے خلاف مزاحمت کے جائز ہونے کو صحیح طور پر دیکھنا ہے تو پھر

اس سلسلہ میں تمام تاریخی اور دیگر متعلقہ حقائق کو تفصیلاً مد نظر رکھنا ہوگا۔

سوویت یونین کے افغانستان پر قبضہ اور اس کے خلاف مزاحمت کے متعلق امریکی پالیسی کی مختصر تلخیص ان الفاظ میں دی گئی ہے: ”جب تک سوویت یونین کا قبضہ افغانستان پر جاری رہتا ہے، تب تک امریکی حکومت افغان قوم کے مفاد کے خاطر اپنی مدد جاری رکھے گی“ (233) اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امریکہ کے نزدیک ”افغانیوں کے مفاد“ کا کام سوویت یونین کے تحت نہیں ہو سکتا تھا۔ آج معاملہ وہ نہیں رہا۔ امریکہ دنیا کو باور کرانے کی کوشش کر رہا ہے کہ آج افغان قوم امریکی قبضہ کے تحت سوویت یونین یا طالبان دور حکومت کی بہ نسبت زیادہ بہتر زندگی گزار رہی ہے۔ حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو روئے زمین پر ایسی کوئی قوم نہیں ملے گی جس کے مفادات کسی ایک یا دوسرے قبضہ کے تحت بہتر طور پر انجام پذیر ہو رہے ہوں۔ تاریخ انسانی کے کسی بھی قبضہ کی طرح امریکہ کا افغانستان پر قبضہ بھی ضرور بہ ضرور ایک دن اپنے انجام کو پہنچے گا۔ اب یہ ان لوگوں کے سوچنے کا مقام ہے جنہوں نے اس قبضہ کو جائز مانا ہے کہ وہ احساس کریں کہ کوئی بھی بزور قوت قبضہ کبھی بھی جائز تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

صلیبی جنگ کی ابتدا

سوال یہ ہے کہ کیا اسلامی نقطہ نگاہ سے کیونزم کے خلاف ”جہاد“ کو کامیابی ملی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہائی عسکری حوالہ سے یہ کامیاب رہا، تاہم سٹریٹجی کے حوالہ سے طالبان کے فتح یابی تک یہ ناکام ہی رہا۔ طالبان اگرچہ (امریکی یلغار کے سبب) اسلام کو قائم کرنے میں ناکام رہے، تاہم ان کی وجہ سے امریکہ میں بہت سے وائرلارڈز میں صلیبی جنگ کے خوابیدہ جذبات جاگ اٹھے۔ طالبان کے ارادوں نے اسلام کے خلاف موجود نفرت کی شدت کو طشت از بام کر دیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ سوویت یونین امریکہ اور اس کے حلیفوں کی نظروں میں ایک دشمن تھا، تاہم وہ کیونزم کی نسبت اسلامی نظام حیات کو ایک بدتر خطرہ سمجھتے تھے۔ صلیبیوں نے اس خطرہ کو بھانپ لیا تھا جو طالبان کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد بیرونی قوتوں کے قبضہ اور مظالم کے خلاف مسلمانوں کے مجموعی رویوں میں تبدیلی کی صورت میں آہستہ آہستہ جنم لے رہا تھا۔ قابض استحصالی قوتوں کے خلاف محکوم و مقہور مظلوموں کے جذبہ جہاد کو کامیابی کے ساتھ ابھارنے کی وجہ سے دور جدید کے صلیبیوں کے دلوں میں خوف بڑھتا چلا گیا۔ بات یہ ہے کہ براہ راست یا بالواسطہ قبضوں کے خلاف تیس سال پہلے تک اس قسم کی بیداری یا مزاحمت کا بطور ایک سیاسی قوت کہیں دور

دور تک پتہ نہیں تھا۔

برسر اقتدار کھپتلیوں کے برعکس عوامی سطح پر بہت سے مسلمان رہنماؤں کو مسلم دنیا میں بیرونی مداخلت پر تشویش رہی ہے۔ ان کے بالکل برعکس بیسویں صدی عیسوی کے دوران بہت سے انقلابی لیڈروں نے مسلمان عوام کو اسلامی طرز حیات کے بالکل مخالف سمت میں چلایا اور انھوں نے اپنے معاشروں کو قرآن و سنت کی تعلیمات کے خلاف سیکولر اقدار پر استوار کرنا چاہا۔ ان رہنماؤں میں ترکی کے کمال اتاترک، جنوبی ایشیا سے سرسید احمد خان، الجزائر کے بن بیلہ، انڈونیشیا کے احمد سوئیکارنو، مصر کے جمال عبدالناصر اور ایران کے محمد مصدق قابل ذکر ہیں۔ ان لیڈروں میں بعض درحقیقت اسلام سے کھلی دشمنی رکھتے تھے اور یہ غلط نہیں ہوگا، اگر ان کو اسلام کے مرتدین میں شمار کیا جائے۔ آج بفضلہ تعالیٰ مسلم دنیا میں تمام انقلابی تحریک مسلمانوں اور ان کے ذرائع کو متحد کر کے اسلامی نظام حیات کو قائم کرنے کی سمت میں آگے بڑھ رہی ہیں۔ مسلم دنیا کی ان تحریکوں کے مسادی رد عمل کے طور پر مغربی دنیا میں مذہب، سیاست اور علمی دنیا سے تعلق رکھنے والے وارلارڈز کے دلوں میں صلیبی جذبہ پھر سے بیدار ہو گیا ہے۔ طالبان حکومت کے خلاف رد عمل اس وسیع تر تحریک کا ایک حصہ تھا، جو مسلمانوں کی حق خود ارادیت کے حصول اور قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارنے کی کاوشوں کے خلاف جدوجہد کر رہی ہے۔ مسلم دنیا میں ”وطنی قومیت والے دورانیہ“ کی بے مقصدیت اور غیر افادیت کا احساس بہت جلد یعنی ایک یا دو نسلوں کے دوران ہو گیا۔ اس کی وجوہات واضح ہیں۔ مسلمانوں کے لیے زندگی گزارنے کی قرآن و سنت کے علاوہ کوئی دوسری سبیل نہیں۔ مسلمانوں کے درمیان قومی ریاستوں کی بنیاد پر قوم پرستی، سیکولر ازم اور دوسری تقسیموں کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں۔ (انتظامی اور مؤثر حکمرانی کے مقاصد کے لیے اسلامی ریاست کی صوبوں یا یونٹوں میں تقسیم ایک بالکل ہی علیحدہ شے ہے۔) آج 57 مسلم ممالک کو کسی ایک ایٹھ کے لیے 57 بیرونی پالیسیاں اور 57 طریقہ ہائے کار اختیار کرنے ہوں گے۔ پھر علیحدہ قومیت کے حوالہ سے پہلے برطانیہ اور اب امریکہ کے مفادات کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا۔ ترجیح انہی کو حاصل ہوگی جو امریکہ کے ساتھ ہمہ وقت تعاون پر راضی ہوں۔ اسی بنا پر سعودی عرب کی حکومت امریکہ کی نظروں میں کبھی بھی غیر جمہوری نہیں رہی۔

1953ء میں سی آئی اے نے ایک سازش کے ذریعے ایران کے محمد مصدق کا تختہ الٹا کر

اس کی جگہ رضا شاہ پہلوی کو بٹھایا، جس نے نہایت وفاداری کے ساتھ امریکہ کے اقتصادی اور سیاسی مفادات کی پاسداری جاری رکھی۔ (234) اسی طرح برطانیہ نے اقتصادی اغراض کے تحت مصر کے جمال عبدالناصر کو ہدف بنایا۔ سہار تو نے سی آئی اے کی ایک خونریز بغاوت کے بعد لاکھوں لوگوں کو قتل کر کے قوم پرست رہنما احمد سوئیکار نو کی جگہ لی۔ کیونکہ قوم پرستوں سے لاحق موہوم خطرہ کے پیش نظر قوم پرست رہنماؤں کو بھی شک کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ ایسے حالات میں جب اسلام سے ایک خوف محسوس کیا جانے لگا ہے، آپ ذرا ان لوگوں کی کیفیت پر غور کریں جو دنیا میں اسلامی ماڈل کے طرز پر حکومت قائم کرنے کی تگ و دو کر رہے ہیں، جس کے قیام سے یقیناً سیکولر ڈیموکریسی (لادین جمہوریت) اور سرمایہ دارانہ نظام (کپٹلزم) کے بلبلے سے ہوا نکل جائے گی۔ مسلمان موقع پرست عناصر کا حال یہ ہے کہ وہ ان قوتوں کو (جن کی طرف انگلی اٹھائی جاسکتی ہے) خوش رکھنے کے لیے مسلمان ریاستوں پر سرکاری طور پر سیکولر ازم کو مسلط کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر رہے ہیں کہ سیکولر قوم پرست حکومتیں تمام مسلم دنیا میں کب کی رو بہ زوال ہونا شروع ہو چکی ہیں۔ بیرونی دباؤ سے مرعوب اور اندرونی طور پر سخت کرپٹ اور نالائق یہ حکومتیں نہ تو قومی مفادات کا تحفظ کر سکیں اور نہ ہی سماجی انصاف کے تقاضوں کو پورا کر سکیں۔ جب انھوں نے ڈیموکریسی کی بھی مٹی پلید کر لی، تو پھر آمریت کو تقویت مل گئی اور اس نے پرہیزے نکالنا شروع کئے۔ ان ناکامیوں کے سبب مسلمان عوام میں یہ احساس اجاگر ہوا کہ انفرادی یا اجتماعی دونوں قسم کے طرز زندگی گزارنے کا یہ طریقہ ہرگز نہیں۔ اسی احساس کے نتیجے نے اسلامی تحریک کو جنم دیا، تاکہ پیدا شدہ خلا کو پُر کیا جاسکے۔

فرانس فوکویا ما کا نظریہ ہے کہ مغربی دنیا کے لیے لبرل ڈیموکریسی (مادر پدر آزاد جمہوریت) یقیناً تاریخ کا آخری نقطہ ہے، جہاں تک پہنچا جاسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ غیر مسلم دنیا کے لیے موجودہ گڑھی ہوئی جمہوریت کے علاوہ کوئی دوسری راہ دستیاب نہ ہو۔ تاہم سیکولر ڈیموکریسی (لادینی جمہوریت) اور مسلمانوں کی 57 قومی ریاستوں میں تقسیم ایسی چیزیں ہیں جو تیزی کے ساتھ اپنے انجام کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ اس کے برعکس مسلمانوں کے سامنے کئی آپشنز کھلے ہیں۔ اسلامی تحریک کے لیے ایک علمی بنیاد سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے (1938ء-1940ء کے دوران) واضح کر کے رکھ دی۔ اسی طرح مصر کے سید قطب شہیدؒ نے 1950ء میں اس فکر کی بنیاد پر کام کیا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں احيائي تحریک کی بنیاد

کے لیے علامہ قبالؒ نے فکری غذا فراہم کی، جسے عملی طور پر ابولکلام آزادؒ نے حزب اللہ کی شکل میں (1920ء-1913ء) متحرک کر دیا۔ اس کے بعد اسی منہاج پر سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جماعت اسلامی کی شکل میں (1950ء-1941ء) اسے رواں دواں رکھا۔ انھوں نے مسلم تہذیب اور اقدار کو گلے سڑنے سے بچانے اور ابتدائے اسلام کے سنہری دور کو دوبارہ زندہ کرنے کے لیے کسی قسم کی مسلح کارروائی کا راستہ اختیار نہیں کیا۔ ان کی توجہ عوام الناس میں ایک گونہ احساس اور بیداری پیدا کرنے اور تجدید فکر پر مرکوز رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کے پیغام کو عام طور پر نظر انداز کیا گیا، یہاں تک کہ طالبان افغانستان کا ظہور ہوا۔ طالبان بھی درحقیقت امریکہ کی جھوٹ اور دغا پر مبنی طالبان مخالف مہم کی وجہ سے توجہ کا مرکز بن گئے۔ اس مہم جوئی سے امریکہ کا مطلب طالبان کو بدنام کرنا اور ایک دوسرے مسلمان ملک (افغانستان) پر قبضہ جمانا تھا۔ چند چیزیں ایسی ہوئیں، جن کی وجہ سے حالات نے پلٹا دکھایا اور توجہات دوبارہ اس نظر انداز کردہ حقیقت کی طرف منعطف ہو گئیں۔ مثال کے طور پر نیشنل اور کولن پاؤل کا اس جنگ کو ”کروسیڈ“ کا نام دینا اور ”اسلام کے خلاف جنگ“ (235) جیسی اصطلاح کا استعمال، امریکی فوجیوں کا قرآن کریم کے نسخوں کو ٹائلٹ میں ڈال کر بے حرمتی کرنے کا ارتکاب اور جنرل بوئے کن کے اسلام کے خلاف دل آزار الفاظ کے استعمال کے واقعات وغیرہ۔

امریکی دارلارڈز میں صلیبی رویہ اپنانے میں انقلاب ایران نے اہم کردار ادا کیا۔ اس ضمن میں یہ انقلاب پہلا سنگ میل ثابت ہوا۔ جنرل ضیاء الحق کے نفاذ اسلام کے لیے نمائشی اقدامات کو آسانی سے نظر انداز کیا گیا، مگر ایک اسلامی اجتماعیت کے قیام کے ضمن میں طالبان افغانستان کی کوششوں کو کب نظر انداز کیا جاسکتا تھا۔ یہ طالبان والا افغانستان ہی تھا، جس نے صلیبیوں کو اپنی صلیبی جنگ منظم کرنے اور اس کے لیے صحیح اور حقیقی منصوبہ بندی کرنے پر مجبور کر دیا۔ اگرچہ مسلم غم و غصہ بڑھتا گیا، لیکن اسے مثبت طور پر بروئے کار نہ لایا جاسکا۔ اصل مسئلہ سے لاعلمی کی وجہ سے مسلمان ایک صحیح لائحہ عمل اختیار کرنے میں ناکام رہے۔ اصل پیش رفت تب ہوئی، جب افغانستان کی سرزمین پر امریکہ کے زیر اثر چلنے والے جہاد نے پہلے مسلمانوں کو کیونسٹوں کے خلاف صف آرا کیا اور جب کیونسٹ شکست سے دوچار ہوئے تو جہاد کے سر پرست اول امریکہ نے جہاد کے ثمرات میٹھے اور اس کو محفوظ کئے بغیر افغانوں کو اکیلا چھوڑ کر اپنی راہ لے لی۔

افغانستان میں نوزائیدہ اسلامی امارت کو ختم کرنے کے لیے امریکہ کے طالبان مخالف

اقدامات نے، جنہیں میڈیا کے علاوہ بہت بڑی انسانی اور تکنیکی ذرائع کی مدد حاصل تھی، درحقیقت اسلامی یگانگت اور اتحاد کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلم نظریہ پر کام کرنے والی کوئی شخصیت اس بیسویں صدی میں اسلامی فکر کی اتنی بڑی کامیابی کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ حق خود ارادیت کے لیے مسلمانوں کی عالمی جدوجہد آخر کار ظہور پذیر ہو چکی ہے، جس کے بالکل متوازی کروسیڈی طاقت اپنے صیہونی اور نیوکانز حلیفوں کی حمایت سمیت اس عزم کے ساتھ برسرِ پیکار ہے کہ وہ مسلمانوں کو کبھی بھی اسلامی اصولوں کے مطابق جیسے نہیں دیں گے، خواہ اس کے لیے انھیں کیا کچھ کرنا پڑے۔ (جیسا کہ باب سوم میں بیان ہوا ہے) بُش، رمز فیلڈ اور برطانوی سینئر حکام کے اسلام مخالف بیانات نے مسلمانوں کی حساسیت میں مزید اضافہ کیا ہے۔ اور وہ سمجھنے لگے ہیں کہ ”خلافت“ اور ”اُمتہ“ جیسی اصطلاحات کے خلاف مخالفانہ بڑی مہمات کیوں چلائی جا رہی ہیں۔

دنیا نے 17 اکتوبر 2001ء کو شروع ہونے والی آخری صلیبی جنگ کے آغاز کو کماحقہ محسوس نہیں کیا۔ یہ جنگ دراصل پہلے ہی سے اقتصادی پابندیوں، طالبان مخالف مہم اور دیگر حربوں کی شکل میں شروع ہو چکی تھی۔ طالبان کو ضرورت تھی کہ ان کو سفارتی سطح پر تسلیم کیا جائے، مگر ایسا کرنے کو درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ مذہبی جذبات کے زیر اثر امریکی اور برطانوی حکومتیں طالبان کے خلاف صلیبی جنگ شروع کرنے میں اکیلی نہیں تھیں۔ پاکستان کی فوجی حکومت نے بھی اس جنگ میں جو 9/11 کے معا بعد شروع کی گئی، اپنا بھرپور حصہ ڈالا۔ جنرل پرویز مشرف نے امریکیوں کو کھلی چھوٹ دینے میں کسی قسم کی پس و پیش نہیں کی کہ وہ طالبان اور معصوم افغانیوں کا خون بہائیں۔ اس نے امریکہ کو خوش رکھنے کے لیے افغان بچوں کو براہِ راست نشانہ بنانے میں ظالمانہ کردار ادا کیا۔ بی بی سی کی ایک رپورٹ بعنوان ”پاکستان پر مہاجرین کے مصائب کا الزام“ (236) کے مطابق اقوام متحدہ کے ایک ترجمان کرس جانوسکی نے بی بی سی کے نمائندہ کو بتایا کہ امریکی دباؤ کے تحت جלוڑنی کیپ میں راشن کی سپلائی بہت ہی کم کر دی گئی جس کی وجہ سے بڑی تعداد میں بچے روزانہ موت کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں۔ اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر برائے مہاجرین کی رپورٹ کے مطابق 3150 پناہ گاہیں بارش کی نذر ہو چکی ہیں، راہداریاں گندی نالیوں میں تبدیل ہو چکی ہیں اور انسانی فضلہ کی بدبو کیپ میں پھیل چکی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: ”ان ستم رسیدہ لوگوں کی مدد سے انکار ناقابل فہم معاملہ ہے، کیو

نکدہ اس سے تو کسی کا بھی کوئی بھلا نہیں ہوتا۔“ (237) اقوام متحدہ میں پاکستان کے سفیر اپنے ملک کے اس موقف پر ڈٹے رہے۔ پاکستان دراصل اقوام متحدہ کی طرف سے عائد پابندیوں کا (مہاجرین پر) اطلاق کر کے طالبان کو سزا دینا چاہتا تھا۔ خشک سالی کی وجہ سے فصل خوفناک حد تک متاثر ہو چکی تھی۔ بی بی سی کے مطابق ڈونرممالک یو این ایچ سی آر کی کارروائیوں کے لیے فنڈز مہیا کرنے سے انکار کر رہے تھے، کیونکہ وہ طالبان حکومت کی کارروائیوں پر ناراض تھے۔ خصوصاً طالبان کے ہاتھوں بدھا کے مجسموں کی تباہی ان ملکوں کی مدد سے انکار کا سبب بنی۔ پاکستان نے بھی مجسموں کے حق میں احتجاج کے طور پر انسانوں کو مردانے کے کام میں شرکت اختیار کی۔ اس نے اقوام متحدہ میں یہ (مضحکہ خیز) دلیل پیش کی ”کہ پاکستان میں ایک بڑا اور موثر ریلیف آپریشن سرحد کے اس پار سے مزید ہزاروں پناہ گزینوں کے لیے کشش کا باعث ہوگا۔ اس لئے بچوں کو مرنے ہی دیا جائے (تاکہ مزید مہاجرین کی آمد سے بچا جاسکے) اس طرح پاکستان نے 21 ویں صدی کی صلیبی جنگ کا آغاز کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اس نے طالبان کو قربانی کا بکرا بنا دیا۔ افغانستان کی ایک کروڑ 80 لاکھ آبادی میں سے 15 لاکھ کا قتل، 10 لاکھ کو معذور کرنا اور 60 لاکھ کی ملک بدری کے جو مظالم روس نے روار کھے تھے، انھیں بھلادیا گیا۔ جبکہ روئے زمین پر سب سے زیادہ وحشی انسانوں کے طور پر طالبان کی طرف انگلی اٹھادی گئی۔ جس وقت دنیا بامیان میں بے جان مجسموں کا ماتم کر رہی تھی، اسی وقت سات سو بچے خوراک کی کمی اور سردی کی وجہ سے موت کے منہ میں جا رہے تھے، مگر اس جانب کوئی توجہ کرنے کو تیار نہ تھا۔ صلیبی نہ صرف افغانوں بلکہ کل روئے زمین پر مسلمانوں کے مستقبل کی تباہی میں منہمک رہے، بلکہ وہ ہر ایک کو افغانستان کے ماضی پر متفکر ہونے پر مجبور کر رہے تھے۔ تمام قوم کو قحط سے مروانے کے لیے اقتصادی پابندیاں لگ چکی تھیں۔ یونیسکو اور ناروے اور سوئیڈن کی بعض این جی او ز بامیان میں مجسموں کو از سر نو مرتب کی خاطر ایک پراجیکٹ لے آئیں۔ جب طالبان نے ان سے کہا کہ وہ یہ رقم بھوک اور سختی سے مرنے والے بچوں پر خرچ کریں، تو انھیں بتایا گیا کہ یہ رقم صرف اور صرف ان مجسموں پر خرچ کرنے کے لیے ہے۔ یہاں تک کہ کوئی عنان بہ نفس نفیس طالبان کے نمائندوں سے بات کرنے کے لیے اسلام آباد یا تارا کر گئے، تاکہ مجسموں کے متعلق ان سے گفتگو کرے، لیکن اس نے اسی وقت بھوک سے مرنے والے ان بچوں کے متعلق کسی قسم کی گفتگو کرنا گوارا نہ کیا۔“ (238)

طالبان کے گشتی سفیر رحمت اللہ ہاشمی نے اس موقع پر طالبان کی پالیسی کے متعلق امریکہ میں جو لیکچر دیا وہ ان کی جرأت ایمانی کو واضح کرتا ہے۔ انہوں نے کہا: ”جسموں کا معاملہ ایک آسان حیلہ تھا، جو بچوں کی ہلاکتوں سے توجہ ہٹانے کے لیے مؤثر طور پر استعمال کیا گیا۔ لیکن اگر ہمیں ان بتوں کو برباد کرنا ہی ہوتا تو تین سال پہلے ایسا کرتے جبکہ بامیان پر ہمارا قبضہ ہو چکا تھا۔ ہم ان کو اڑانا نہیں چاہتے تھے۔ اب کا یہ فیصلہ ہمارا نہیں۔ یہ علماء اور عوام کا فیصلہ ہے اور اس کی توثیق سپریم کورٹ بھی کر چکی ہے۔ ہمیں اس فیصلہ کو مسترد کرنے کا اختیار حاصل نہیں۔ او آئی سی سے متعلق حضرات اور مختلف ملکوں سے وزراء بھی جمع ہو گئے ہیں، جو ان جسموں کی ”جان“ بچانا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان کی توثیق کی وجہ سے ان کو نہیں اڑایا جائے گا۔ لیکن ذرا دیکھیں، یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ ان کو ان بچوں اور لوگوں کی کوئی پروا نہیں جو یہاں مر رہے ہیں۔ ان کو اس بیرونی مداخلت کا بھی کوئی خیال نہیں، جواب بھی جاری ہے، ان کو تو صرف جسموں کا غم ہے۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ ان کو ہمارے ثقافتی ورثے کی کوئی پروا نہیں۔ وہ صرف اپنے تفریحی مقامات کے لیے فکر مند ہیں۔ جب ان کو مجھے نظر آتے ہیں تو ان کو تفریح گاہ خوش کن لگتی ہے۔ انھیں ہمارے لوک ورثہ کی کوئی فکر نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر انھیں ہمارے ماضی کا کچھ پاس ہوتا، تو وہ ہمارے مستقبل کو تباہ کرنے پر کمر بستہ نہ ہوتے۔ میرا ایمان ہے کہ ان کی ہماری حکومت پر پابندیاں ہمیں بدل نہیں سکتیں، کیونکہ ہمارے لئے ہمارا نظریہ سب کچھ ہے۔ اقتصادی پابندیاں ہمیں اپنے موقف میں تبدیلی لانے کے لیے کارگر ثابت نہیں ہو سکتیں۔ یہ پابندیاں امریکہ میں کارگر ہو سکتی ہیں جہاں اقتصادیات ہی سب کچھ ہے۔ ہمارے لئے تو ہمارا نظریہ ہی سب کچھ ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ کسی مقصد کے لیے مرنا بہتر ہے بجائے اس کے کہ کسی مقصد کے بغیر زندہ رہا جائے۔“

طالبان کے گشتی سفیر کے درج بالا بیان سے طالبان کے ”جرم“ کا اقرار ہوتا ہے۔ جسموں کے توڑنے یا کسی اور الزام کی کوئی وقعت ہی نہیں۔ جو کچھ ہوا وہ طالبان کے اپنے نظریہ کے بر ملا اقرار اور اُس سے چمٹنے کے عزم کی وجہ سے ہوا۔ اسی سے صلیبوں کو تکلیف محسوس ہوئی۔ پاکستان کے حکمران اور بہت سے دوسرے عناصر بھی اس چیز سے بیزار تھے۔ طالبان کا سب سے بڑا جرم یہ ہی تھا کہ وہ اسلام کو قائم کرنے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کے ”جرم“ کا پختہ ارادہ کئے ہوئے تھے جسے کروسیڈرز سزا دئے بغیر نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔

صلیبی جنگجو بمقابلہ طالبان

چند اسلامی سزاؤں کا نفاذ ایک چیز ہے، جبکہ ایک اسلامی معاشرے یا اسلامی طرز حکومت کا قیام ایک اور شے ہے۔ جہاں تک ہاتھ کاٹنے اور سر قلم کرنے کا تعلق ہے تو سعودی عرب واحد ملک ہے جہاں ایسی سزائیں نافذ العمل ہیں۔ لیکن دور جدید کے صلیبی تخت سعود اور بادشاہ کی محافظت کر رہے ہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے۔ سعودی عرب میں نہ تو امت کو متحد کرنے کی صلاحیت ہے اور نہ ہی اس کے بادشاہ امت کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے سکتے ہیں۔ وہ دنیا کے بدترین استبدادی کٹھ پتلی حکمران ہیں، جبکہ طالبان نے ایک آزاد اسلامی معاشرہ کے قیام کی فکر متعارف کرائی جس میں یقیناً مسلم ممالک کے لیے ایک نمونہ بننے کی پوری صلاحیت موجود تھی۔

طالبان کے پاس اور کچھ نہیں تھا سوائے چند افکار اور محدود وسائل کے۔ ان کی سرگرمیوں اور خیالات سے جو سوالات ابھر رہے تھے ان کے جوابات آنے ضروری تھے۔ اور وہ یہ کہ امت کے لیے کتنے امکانات ہیں کہ وہ کسی براہ راست یا بالواسطہ نوآبادیاتی تسلط سے آزاد ایک حقیقی اسلامی معاشرہ اپنا کر رہ سکے۔ یہی تو افکار (نظریہ) تھے جن کے خلاف اعلان جنگ کیا گیا۔ اس سلسلہ میں آئیے باربرا کروسیٹ کی 30 ستمبر 1998ء کے نیویارک ٹائمز میں شائع شدہ نیوز سٹوری کے ابتدائی دو پیرا گراف پڑھیں، جو صلیبیوں کے اہم ترین مطالبات پر سے پردہ اٹھاتے ہیں۔

”کافی دور (Queen,s) کوئز کی تیسری منزل میں واقع اپنے چھوٹے سے دفتر میں طالبان نمائندہ اس انتظار میں بیٹھا تھا کہ اسے سنا جائے۔ یہ وہی طالبان ہیں جن کا ایک صوبے کے ایک چھوٹے سے قصبے کے علاوہ تمام افغانستان پر قبضہ ہو چکا ہے اور دو سال سے کابل پر حکومت کر رہے ہیں۔“

اور دوسرا پیرا ہے:

”اتوام متحدہ یو این او میں افغانستان کی نشست کو اسلامی امارت پر دباؤ ڈالنے کے لیے بطور تھپتھپا استعمال کر رہا ہے کہ وہ اپنی پالیسیاں بدل دیں۔ ساتھ ہی وہ ان پر ایسی مخلوط حکومت مسلط کرنا چاہتا ہے جو آخر کار سیکولر ہی ہوگی۔“ (طالبان حکومت کے اہم سفارت کار عبدالحکیم مجاہد کے الفاظ)

جس طرح صدام حسین ہر قسم کے مطالبہ کو ماننے پر اس لئے تیار ہوا کہ وہ یہ ثابت کر سکے کہ اس کے پاس کسی قسم کے تباہ کن ہتھیار (WMD) نہیں مگر اس کی کوئی نہیں سنی گئی، اسی طرح طالبان نے بھی یہ ثابت کرنے کی بہتری کوشش کی کہ ان کا دہشت گردی اور دوسرے لگائے گئے الزامات سے کوئی تعلق نہیں مگر ان کی کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں۔ ان کے خلاف عدالتی کارروائی سے پہلے ہی فیصلہ صادر ہو چکا تھا۔ امریکہ خود ہی مدعی، جج اور وکیل تھا اور حق تنفیذ بھی اسی کے ہاتھ میں تھا۔

یکم فروری 2000ء کو اسلام آباد میں منعقدہ ایک پریس کانفرنس میں متعدد سوالات کے جواب میں سینئر افغان رہنما ملا محمد ربانی نے بتایا کہ ان کی حکومت نے بین الاقوامی برادری کے شکوک و شبہات کو رفع کرنے کے لیے کئی ایک تجاویز پیش کی ہیں، لیکن ان پر مثبت رد عمل نہیں آیا۔ ”ہم نے امریکہ کے سامنے بھی کئی تجاویز پیش کیں اور مسئلہ کا حل بھی سامنے رکھا۔ میرا خیال ہے کہ یہ مسئلہ صرف باہمی گفتگو ہی کے ذریعے حل کیا جاسکتا ہے۔“ (239) اس کا اور کوئی طریقہ نہیں۔“ ملا ربانی نے اپنی حکومت کے اس عزم کا بھی اعادہ کیا کہ وہ افغانستان میں ہر قسم کی دہشت گردی کے خلاف ہے، خواہ وہ کیسی بھی ہو اور کہیں بھی ہو اور اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ افغانستان ایک اسلامی ریاست ہے۔ انھوں نے زور دے کر کہا کہ ”اسلام ہر قسم کی دہشت گردی کے خلاف ہے۔“ انہوں نے مزید کہا کہ طالبان کونسل آف فنسٹرز پاکستان کی اس تجویز کا خیر مقدم کرتی ہے کہ افغانستان کے اندرونی سول مسئلہ کے حل کے لیے شمالی اتحاد کے ساتھ مذاکرات از سر نو شروع کیے جائیں۔ ہم نے پاکستان کی تجویز کے جواب میں کہا تھا کہ ہم نے ہمیشہ گفت و شنید پر رضامندی ظاہر کی ہے۔“ (240)

اسلام کی مخالفت

طالبان حکومت کے خلاف صلیبیوں کے ارادے اس وقت طشت از بام ہو گئے، جب انھوں نے 20 اگست 1998ء کو افغانستان پر کروڑ میزائلوں کی بارش کردی۔ امریکی لیڈروں نے اعلان کیا کہ یہ فوجی حملے ایک بڑی مہم کا پیش خیمہ ہیں۔ امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ میڈیلین البرائٹ نے 21 اگست 1998ء کو اخباری نمائندوں سے باتیں کرتے ہوئے کہا ”میں سمجھتی ہوں کہ امریکیوں کو یہ جاننا ضروری ہے کہ ہمیں ایک لمبی کشمکش کا سامنا ہے۔“ دراصل واشنگٹن انتظامیہ افغان حکومت کی معقول تجاویز پر کان دھرنے کو تیار ہی نہیں تھی۔ اور ان کی

طرف سے کسی بھی قسم کی پیشکش کو خاطر میں لائے بغیر حملہ کا فیصلہ پہلے ہی سے کر لیا گیا تھا۔ طالبان پر دہشت گردی یا دہشت گردی میں مدد دینے کے الزام کو افغانستان پر حملہ کرنے کے لیے بہانہ بنایا گیا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام الزامات بالکل بے بنیاد تھے۔

اسلام سے ٹکراؤ

صلیبیوں کے لیے شروع ہی سے اصل مسئلہ اسلام تھا نہ کہ طالبان۔ جس نے بھی کروسیٹ والی ڈرائیوریٹ کو سنبھالا، اس نے 1998ء والے نعرے ”طویل جنگ“ کو دہرایا۔ طالبان کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ اس پر اقوام متحدہ نے پابندیاں لگائیں۔ افغانستان کو اقوام متحدہ میں سیٹ دینے سے انکار کیا گیا۔ میڈیا جو بالکل جانبداری سے کام لے رہا تھا، اس نے دنیا کے سامنے یہ بات رکھی کہ یہ امتیازی سلوک اس لئے روا رکھا گیا ہے کہ طالبان کا حقوق انسانی کا ریکارڈ درست نہیں۔ اگر یہی بات ہے تو پھر بہت سارے ممالک حقوق انسانی کا ریکارڈ نہایت ناگفتہ بہ ہونے کے باوجود اقوام متحدہ میں اپنی سیٹ کیوں سنبھالے ہوئے ہیں۔ حقوق انسانی کو پامال کرنے والے ممالک میں سے بدترین ریکارڈ خود امریکہ کا ہے، اور اس کے بعد وہ ڈکٹیٹر ہیں، جنہیں امریکی حمایت حاصل ہے۔ بہت سے لوگ اب بھی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جنگ دہشت گردی کے خلاف ہے، لیکن اس کی واضح شہادت موجود ہے کہ اصل معاملہ اسلام ہی تھا، جو صلیبیوں کا ہدف تھا، اور جسے طالبان ”غلط“ وقت پر ایک ”غیر معقول“ طریقہ سے آگے بڑھانا چاہتے تھے۔ طالبان اُن لوگوں کی لمبی فہرست میں سے صلیبیوں کا پہلا شکار بن گئے جن میں اس آخری کروسیٹ کو چیلنج کرنے کی صلاحیت موجود تھی۔

ہمیں ذرا گہرائی میں اتر کر دیکھنا ہو گا کہ آیا واقعی یہ حقوق انسانی یا دہشت گردی کا معاملہ تھا جو طالبان حکومت کو تسلیم کرنے کی راہ میں رکاوٹ بنا، یا اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کے خیال نے طالبان حکومت کی مخالفت میں لوگوں کو منظم کر دیا۔

اگر طالبان کی حکومت وسیع البیاد حکومت نہیں تھی تو کیا اسی مفہوم میں مشرق وسطیٰ میں امریکی دوست حکومتیں وسیع البیاد حکومتیں ہیں؟ اور اگر افغان مہاجرین واپس اپنے ملک جانا نہیں چاہتے تھے تو کیا یہ طالبان حکومت کے کسی منفی رویہ کی وجہ سے تھا یا اس کی وجہ یہ تھی کہ اقوام متحدہ کی طرف سے افغانستان پر مسلسل پابندیوں کی وجہ سے وہاں پر کوئی مواقع باقی نہیں رہے تھے کہ مہاجرین واپس جا کر اپنے ملک میں آباد ہو سکیں۔ اقوام متحدہ اور نام نہاد عالمی

برادری، مہاجرین کی واپسی کے لیے عام ضروریات کے لیے اسباب مہیا کرنے پر تیار تھی، لیکن ساتھ ہی اقوام متحدہ اور مغربی ممالک نے طالبان کو ایک اڑدھے کی صورت میں دکھا کر ایک بہت بڑی نفسیاتی رکاوٹ کھڑی کر دی تھی، نیز غیر ضروری پابندیوں کے سبب افغانستان میں زندگی کو نہایت مشکل بنا دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں ترقی کے مواقع تقریباً معدوم کے درجے میں تھے۔ پابندیوں اور کسی قسم کے ترقیاتی کاموں کے مواقع کی عدم دستیابی کی وجہ سے افغانوں کے لیے ان کا وطن، وطن نہیں رہا تھا۔ مغربی اور مسلم مملکتوں کا رویہ اس سلسلہ میں سرد مہری کا شکار رہا۔ انھوں نے افغانستان سے سوویت یونین کو نکالنے کے لیے اربوں ڈالر خرچ کئے تھے، لیکن وہ انسانی بہبود اور ملکی اقتصادیات کو ترقی دینے کے لیے ایک پیسہ خرچ کرنے پر آمادہ نہ ہوئیں۔

جب طالبان عہد حکومت کا بعد از طالبان افغانستان سے تقابل کیا جاتا ہے تو ہمیں ان بہت سی تشویش کا نہایت معقول جواب مل جاتا ہے جو 17 اکتوبر 2001ء سے پہلے کی صورت حال پر کی جاتی ہیں۔ مہاجرین کی اکثریت اب بھی واپس جانے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ گویا پاکستانی حکومت ان کے خلاف بہت سخت اقدامات کر رہی ہے، یہاں تک کہ پاکستان چھوڑنے پر مجبور کرنے کے لیے ان کے گھروندوں کو گرایا جا رہا ہے۔⁽²⁴¹⁾

یہ بات بھی پروپیگنڈا کا حصہ تھی کہ مہاجرین طالبان کی وجہ سے واپس افغانستان جانا نہیں چاہتے۔ ذرا اس سوال پر غور کیجئے کہ مغرب میں آباد تارکین وطن اپنے ملک واپس کیوں نہیں آنا چاہتے، صرف اس لئے کہ واپسی پر ان کو مالی مسائل کا سامنا کرنا ہوگا۔ طالبان کے عہد میں افغان مہاجرین بھی صرف اسی وجہ سے واپس افغانستان جانا نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ طالبان کی خود کفالت کی تمام کوششوں کو بیرونی مخالف قوتوں نے ناکامی سے دوچار کیا تھا۔ اگر کوئی طالبان کی اچھائی افغان مہاجرین کی واپسی کو یہاں بنا کر ناپنا چاہتا ہے تو پھر یہ بھی پوچھا جاسکتا ہے کہ ہمیں اسرائیلی حکومت کی وہ ضد اور انکار کیوں دکھائی نہیں دیتا کہ وہ 8 لاکھ سے زائد فلسطینی مہاجرین کو واپسی کی اجازت دینے کی روادار نہیں، جن میں سے 5 لاکھ اب بھی جنوبی لبنان کے مہاجر کیمپوں میں گل سڑ رہے اور اسرائیل کی ظالمانہ بمباری اور گولہ باری کا نشان بن رہے ہیں۔ طالبان نے پاکستان اور ایران دونوں ملکوں سے مہاجرین کی واپسی پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔ اگر مہاجرین کی واپسی کے لیے طالبان کی حکومت کو گرا نا ضروری تھا، تو پھر

فلسطینی مہاجرین کی واپسی کو ممکن بنانے کے لیے کس کی حکومت کو کرانا ضروری ہو جاتا ہے، یہ سوال جواب طلب ہے۔ اقوام متحدہ میں اسرائیل کی رکنیت، تمام فلسطینی مہاجرین کو اپنے گھروں میں دوبارہ آکر آباد ہونے کی اجازت سے مشروط کی گئی تھی۔ اسرائیل کی طرح طالبان نے کبھی بھی لاکھوں مہاجرین کو نکال کر دیار غیر میں رہنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔ پاکستان میں مہاجرین سوویت قبضہ کے زمانے سے آجے تھے۔ طالبان نے مہاجر کیپسوں کو اجاڑنے کے لیے کبھی پاکستان پر حملہ نہیں کیا تھا۔ وہ بھارت اور اسرائیل کی طرح یو این او کی قراردادوں سے سرتابی کے مرکب نہیں ہوئے تھے۔ طالبان کے خلاف اس جھوٹے پروپیگنڈا کا اثر تھا کہ دنیا ایک جزوی حقیقت کو متعصبانہ نظر سے دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔

ایک دلچسپ امر یہ تھا کہ اس وقت یہ بات مشہور کی گئی تھی کہ عالمی برادری طالبان حکومت کو صرف اس شرط پر تسلیم کرنے پر آمادہ ہوگی جب وہ ان اخلاقی اصولوں، معیارات اور ذمہ داریوں کو قبول کرنے پر تیار ہوں جو عالمی برادری کے نزدیک مقدس ہیں اور جن کو کسی بھی صورت توڑنا نہیں جاسکتا۔ کسی نے بھی یہ پوچھنے کی جرأت نہیں کی کہ آخر عالمی برادری نے بھارت اور اسرائیل کے گزشتہ پچاس سالوں سے اپنی سرحدوں کے اندر اور باہر منظم استبداد اور دہشت گردی پر چپ سادھ کر رکھی ہے۔ ذرا امریکہ کا ریکارڈ دیکھیں، کس طرح اس نے بین الاقوامی قانون اور تمام انسانی اقدار کو پامال کئے رکھا ہے۔ سچ یہ ہے کہ امریکہ کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے کے جرائم کی بنیاد پر اپنے جرائم کو سند جواز عطا کر سکے۔ طالبان حکومت کے خلاف جارحیت کا ناجائز اور غیر اخلاقی اقدام کیوں کیا گیا۔ اس کے جرائم کا اگر ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور اس کے قریبی حلیفوں کے جرائم سے موازنہ اور تقابل کیا جائے تو دونوں کا کوئی تناسب بنتا ہی نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب نام نہاد بین الاقوامی برادری کے مفادات کو کوئی خطرہ لاحق ہو تو ”انسانی حقوق“ نامی چیز کی کوئی وقعت ہی نہیں رہتی۔ جب طالبان کے خلاف انسانی حقوق، جارحیت اور دہشت گردی کے بہانے اقدام کرنا ہوتا ہے تو مورتیوں کو توڑنے کے داقعہ کو بڑھا چڑھا کر پیش کر دیا جاتا ہے۔

جون 2001ء میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر وگراں کے تحت ایک کروڑ بیس لاکھ ڈالر سے چلنے والا روٹی مہیا کرنے کا پروگرام معطل کر دیا گیا، جس سے کابل کے تین لاکھ باسی مستفید ہو رہے تھے۔ اس کے لیے یہ شرط رکھی گئی کہ حکمران طالبان خواتین کی خدمات حاصل کرنے کی پابندیاں ختم

کریں۔ اس جیسی حرکت کو شک کی نگاہ سے دیکھنے والے لوگوں کو طالبان کا گوتم بدھ کے مجسموں کو اڑانے کا عمل کم دیوانگی (fanatical) دکھائی دینے لگا، بہ نسبت امریکہ، اس کے اتحادیوں اور اس کی ایجنسیوں کے اس فیصلہ کے جس کی رو سے ہزاروں معصوم لوگ فاقوں کی وجہ سے موت کا شکار ہوتے چلے گئے۔

ورلڈفوڈ پروگرام کی کہانی کچھ زیادہ قابل اعتبار نہیں تھی۔ رائٹرز کے مطابق طالبان وزیر اطلاعات قدرت اللہ جمال نے 4 اپریل 2001ء کو بیان دیا کہ طالبان کی طرف سے ورلڈفوڈ سروے پر کوئی اعتراض نہیں..... اس کے بعد ورلڈفوڈ کے ڈپٹی ڈائریکٹر پیٹر گوسنز اچانک نمودار ہوئے۔ وہ غیر مطمئن دکھائی دے رہے تھے اور اذیتا کر رہے تھے۔ اُن کا مطالبہ تھا کہ انھیں مزید خواتین کی خدمات مہیا کی جائیں اور یہ کہ وہ اس کام میں زیادہ سرگرمی سے حصہ لیں۔ اُن کا کہنا تھا کہ 600 سے 700 خواتین تک اس سروے کے کام کے لیے درکار ہوں گی۔ اس کام کو انہوں نے ایک بھاری بھر کم ایکسرسائز کہا۔ ڈبلیو ایف پی (ورلڈفوڈ پروگرام) نے اپنی 2001ء کی ایمرجنسی رپورٹ نمبر 12 میں کہا تھا کہ 15 لاکھ افغانیوں کو آنے والے چند مہینوں میں خوراک کی سخت قلت کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے ورلڈفوڈ پروگرام نے ان کو صرف اس لئے چھوڑ دیا کہ وہ خاصی تعداد میں خواتین کو بھرتی نہ کر سکے۔

یہ تو عقل کی بات ہے کہ روٹی کوئی ایسی چیز نہیں جسے افغان لوگ بلا ضرورت شاک کریں اور نہ یہ زیادہ وقت کے لیے شاک کی جاسکتی ہے۔ یہ کیسی بے ہودہ سوچ تھی کہ یہ ”وحشی“ مرد ورلڈفوڈ کی بیکریوں سے تمام تقسیم شدہ روٹیاں خود کھائیں گے اور عورتوں اور بچوں کو بھوکا چھوڑ دیں گے۔ کسی نے بھی سروے کی اہمیت یا اس میں عورتوں کی شمولیت کی اہمیت سے انکار نہیں کیا۔ یہ یقیناً اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا کہ اس کی وجہ سے پہلے ہی سے بھوک سے جاں بہ لب افغانوں کو بھوکا مارا جاتا۔ (242)

مسلمان لکھاریوں پر طالبان کے خلاف نہایت غصہ سے بات کرنے کی بنا پر زیادہ توجہ دی گئی۔ مثال کے طور پر سائرہ شاہ نامی خاتون کو طالبان کے خلاف لکھنے کے عوض کئی ایک انعامات دیئے گئے۔ اس نے اس سلسلے میں برطانوی اخبار ”Mirror“ میں کئی ایک مضامین لکھے۔ جب 2001ء کے موسم سرما میں طالبان کے خلاف پروپیگنڈا خاصا زوروں پر تھا، اس

نے لکھا کہ طالبان جسم فروش عورتوں کو سزائے موت دیتے ہیں۔ اُن کا خیال تھا کہ طالبان کو اس بارے میں نرم رویہ اختیار کرنا چاہئے، کیونکہ افغان خواتین غربت کی وجہ سے جسم فروشی پر مجبور ہیں۔ سائرہ شاہ اور اس جیسے دوسرے لوگوں کے لیے ضروری تھا کہ وہ یہ تحقیق کر لیں کہ وہ کیا اسباب ہیں جو دُنیا کے چوتھے بڑے اقتصادی طور پر اہم ملک (برطانیہ) میں عورتوں کو جسم فروشی کے دھندے کی طرف کھینچ لاتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ ان لوگوں کو وسطی لندن میں کوئی ایک بھی ٹیلیفون بکس نظر نہیں آتا جس میں جسم فروش عورتوں کی اشتہاری معلومات پلاسٹک کور میں لگائی ہوئی ہوتی ہیں۔ کیا برطانیہ میں یہ غربت کی وجہ سے ہوتا ہے؟⁽²⁴³⁾ کیا افغانستان میں غربت کے ذمہ دار طالبان تھے؟ ان پروپیگنڈا کرنے والوں میں سے، جو طالبان کے خلاف مواد اکٹھا کرنے کے لیے خفیہ طور پر افغانستان آ جا رہے تھے، کسی نے بھی چچینا جانے کی ہمت نہیں کی کہ وہاں پر عورتوں کے ساتھ جو شرمناک سلوک ہوتا ہے اُس کو بے نقاب کریں۔ انھوں نے اس گرجوشی کے ساتھ ان ہزاروں بوسنیائی مسلم عورتوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کی بھی رپورٹنگ نہیں کی۔ اس طرح ان کے پاس اس کے لئے کوئی وقت نہیں کہ وہ معلوم کریں کہ فلسطینی خواتین گزشتہ 58 سال سے کس کس مصیبت کا سامنا کر رہی ہیں، جبکہ دُنیا میں چوتھے نمبر پر طاقتور فوج ان کے سکول جانے والے بچوں کو فائر کر کے قتل کر دیتی ہے۔

دُنیا میں طالبان کو بدترین حکومت سمجھا گیا، حالانکہ دُنیا میں صحیح معنوں میں کئی بدترین حکومتیں قائم ہیں، لیکن بوجہ ان کو صیہونی نیوکائز اور کروسیڈرز اتحاد کے غضب کا سامنا نہیں۔ کیونکہ وہ کسی ایسے ماڈل کو ترقی دینے کے لیے کام نہیں کرتیں جو کروسیڈرز کے لیے ایک ہدف بنے۔ یہ استبدادی حکومتیں تو امریکہ اور اُس کے حلیفوں کی دوست ہیں، خواہ یہ لاطینی امریکہ میں ہوں یا الجیریا، مصر، اُردن، کویت یا سعودی عرب میں۔ سعودی عرب میں عورتوں کو گاڑی چلانے کی اجازت نہیں۔ سعودی عرب پر کوئی بھی نکتہ چینی سفارتی تعلقات خراب کرے گی اور یہ کمزور سیاستدان ان استبدادی اور آمرانہ حکومتوں کے سامنے جھکتے ہی رہیں گے، کیونکہ یہ regimes کروسیڈرز کی اکانومی کے لیے روزگار مہیا کرنے کا ذریعہ ہیں۔

کسی نے بھی جرأت نہیں کی کہ طالبان حکومت کا کم از کم دُنیا بھر میں انسانی حقوق کی پامالی کے مرتکب لوگوں کے ساتھ ایک تقابلی موازنہ کر لیتا۔ مثال کے طور پر کویت کو دیکھیں، یہ حکومت امریکہ نے بہت بڑی قیمت وصول کر کے دوبارہ بحال کرادی۔ جب امیر کویت دوبارہ اپنے

تحت اقتدار پر براجمان ہوا تو اس نے 3 لاکھ 50 ہزار فلسطینیوں میں سے (جو جنگ سے پہلے وہاں تھے) 2 لاکھ 90 ہزار کو نکال دیا۔ ان کو قید و بند کی تعذیب دی گئی۔ مختلف قسم کے دباؤ ڈال کر اور سری ٹرانزیکٹر کے ان کو نہایت ظالمانہ طریقے سے کویت سے نکال باہر کیا۔⁽²⁴⁴⁾

ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ریکارڈ کیا ہے کہ 40 فلسطینیوں کو مختصر فیصلہ کے بعد موت کی سزا دی گئی۔ 120 لاپتہ ہو گئے۔ 5 ہزار کو قید میں ڈالا گیا، ان کو مارا گیا۔ دیگر 7000 کو ملک سے نکال دیا گیا۔ عورتوں کے ساتھ جو کیا گیا اس کو تو ایک طرف رکھئے۔⁽²⁴⁵⁾ بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق کویت میں پہلے سے موجود 4 لاکھ 50 ہزار فلسطینیوں میں سے صرف 9 ہزار باقی رہے ہیں۔ بقیہ کو بزدل نکال باہر کیا گیا۔⁽²⁴⁶⁾

مڈل ایسٹ وائچ (جونیو یارک میں مقیم ہیومن رائٹس وائچ کا حصہ ہے) کی ایک رپورٹ کے مطابق کویتی حکومت نے گھریلو ملازمین کے ساتھ سلوک کے معاملے میں ہر قسم کے سول اور فوجداری قوانین کو متروک کر کے غیر مؤثر کر دیا۔ کویت میں جتنی بھی خواتین خادماؤں سے انٹرویو لئے گئے، انھوں نے قرضوں کے بدلے خدمت، پاسپورٹ کو قبضہ کر کے اپنی مرضی کے کام پر مجبور کرنا اور کویتی مالک کے گھر میں قیدی کے طور پر رہنے کی شکایتیں کیں۔ طالبان کے ”مظالم“ کی کہانیاں دہرانے والے کویت میں ان خادماؤں کی حالت ذرا نہیں دیکھتے جو عملی طور پر شیوخ کے گھروں میں قید ہیں۔ ڈروٹی تھامس جو ”ومن رائٹ پراجیکٹ“ سے تعلق رکھتے ہیں اور جنہوں نے رپورٹ کی تیاری کے لیے مواد اکٹھا کیا، کہتے ہیں کہ ”ہم نے کوئی ایک کیس بھی ایسا نہیں پایا، جس میں کویتی مالک کے خلاف فیصلہ کیا گیا ہو۔ ہر کیس میں صرف مظلوم کے خلاف فیصلہ کر کے سزا دی گئی ہے۔“⁽²⁴⁷⁾

جن دوسرے جرائم کے لیے طالبان کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے ان کا اگر تقابل کیا جائے تو ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ انھوں نے کسی مسافر بردار جہاز کو نہیں مارا گرایا جس میں سینکڑوں لوگ ہلاک ہو گئے ہوں۔ انھوں نے 33 بمباروں کو کسی دوسرے ملک کے آسمان کو جگمگانے کے لیے روانہ نہیں کیا، جس سے درجنوں معصوم لوگوں کی ہلاکتیں ہوئی ہوں، جن میں سربراہ مملکت کی بچی بھی شامل تھی۔ انھوں نے تو یہ ”مارو اور بھاگو“ ٹیم دوسرے ملکوں کے سربراہوں کو قتل کرنے کے لیے منظم نہیں کی۔ انھوں نے 50 ہزار انسانوں کو قتل نہیں کیا، جس طرح کہ امریکی پشت پناہی میں ایل سلویڈور کی حکومت نے کی، جس کے ڈیڑھ سکوڑا نے لوگوں کے

سر قلم کر کے ان کے اوپر ٹرک چلائے۔ یہ صرف دہشت گردی نہیں بلکہ بین الاقوامی دہشت گردی تھی۔ اب تک ان چیزوں کی کوئی مذمت کی گئی ہے اور نہ ہی کوئی ایجنسی رپورٹ سامنے آئی ہے اور نہ ہی دہشت گردوں کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کی گئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان میں امریکہ ملوث رہا ہے۔ ان طالبان نے 18 لاکھ بے قصور مسلمانوں کو فاقوں سے مروانے کا ارتکاب نہیں کیا۔ انھوں نے دُنیا اور اقوام متحدہ کے سامنے سرتا پا جھوٹ نہیں بولا، تاکہ دوسرے ممالک پر حملہ اور قبضہ کا جواز پیدا کیا جاسکے۔ انھوں نے دوسرے ملکوں پر قبضہ کیا اور نہ ہی ان کے شہروں کو زمین بوس کر دیا اور نہ ہی شہریوں پر سفید فاسفورس کا چھڑکاؤ کیا۔ انھوں نے تمام براعظموں میں اجتماعی کیمپ نہیں بنائے۔ انھوں نے کوئی پولیس سٹیٹ نہیں بنائی جیسے کہ امریکہ کو ایک گیرین سٹیٹ بنا دیا گیا ہے۔

اگر طالبان کو ان کے ”جرائم“ کی وجہ سے ہٹانا اور عمر بھر کے لیے بدنام کرنا ضروری تھا تو پھر ان لوگوں کے متعلق کیا خیال ہے جنہوں نے 1965ء کی شورش کے دوران انڈونیشی افواج کو سینکڑوں ہزاروں سولیلین کو موت کے گھاٹ اتارنے میں مدد دی تھی، جو تاریخ میں سیاسی خون خرابے کے بڑے دلخراش واقعات میں سے ایک ہے۔ طالبان نے کسی دوسرے ملک میں اپنی فوجیں منظم نہیں کیں جس طرح کہ امریکہ نے لاؤس میں ”وہائٹ سٹار آپریشن“ کے نام پر کیا، جو روزانہ 800 فضائی حملوں میں 15 لاکھ ٹن بم گرا کر ”پلان آف جار“ سے اس کی ڈیڑھ لاکھ کی آبادی کا صفایا کرنے کا مرتکب ہوا۔

طالبان 20 لاکھ سے زیادہ لوگوں کو مارنے کے مرتکب نہیں ہوئے۔ انھوں نے 2 کروڑ 30 لاکھ کرئیرز، (بارودی سرنگوں سے پیدا شدہ گہرے گڑھے) نہیں چھوڑے، جنہوں نے ویت نام کی سرزمین کو چھوٹے دلدلوں میں تبدیل کر کے ناقابل کاشت بنا دیا۔ طالبان نے کسی کالگو کی افواج کی مدد نہیں کی، جس نے پیٹریس لومبا کا تختہ الٹ دیا اور لومبا کو یو این او کی حفاظت والے مکان سے اغوا کر کے مروا ڈالا۔ طالبان نے کمبوڈیا پر ایک لاکھ آٹھ ہزار ٹن بم نہیں گرائے جن کی وجہ سے سینکڑوں دیہات صفحہ ہستی سے مٹ گئے اور ہزاروں شہری اس بہانے سے ہلاک کئے گئے کہ یہ نیشنل لیبریشن فرنٹ (NLF) کے سپاہی تھے۔ طالبان نے سخت ترین ظالمانہ سکیورٹی تنظیم نہیں بنائی جو ایران کے شاہ کے اقتدار کو قائم رکھنے کا کام کرے۔ طالبان نے نکاراگوا میں دہشت گردی کی مہمات نہیں چلائیں جہاں سی آئی اے کی

سیوتھاڑ کارروائیوں نے وہاں کے لوگوں کو مفلوج کر کے رکھا اور وہاں روزمرہ کا کاروبار زندگی رُک گیا۔ یہ امریکہ ہے، جو سالانہ بنیادوں پر 100 بلین ڈالر کی مالی امداد دے کر اسرائیل کی دہشت گردی کی مشینری کو مصروف کار رکھتا ہے۔ یہ امداد 1948ء سے مہیا کی جا رہی ہے۔ اسرائیل واحد ملک ہے جسے فی مرد، عورت اور بچہ 1000 ڈالر سالانہ بنیادوں پر امداد ملتی ہے۔ امریکہ اسرائیل کو 10 ہزار ڈالر فی سہ ماہی کے حساب سے سبڈی مہیا کرتا ہے۔

طالبان پر اس وجہ سے نکتہ چینی کی جاتی رہی کہ وہ ان کے خلاف اقدامات کر رہے تھے جو اندرونی طور پر انہیں کمزور کر رہے تھے اور ان کے خلاف فوجی کارروائیوں میں مصروف تھے۔ اس کا تو یہ مطلب ہے کہ طالبان کو اپنے بچاؤ کا کوئی حق حاصل نہ تھا، جبکہ امریکہ کی ہر انتظامیہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خود حفاظتی تدابیر کے بہانے اپنی سرحدوں سے پرے دوسرے ملکوں میں مداخلت کرتا رہے۔ عراق اور افغانستان اس طویل فہرست کے تازہ ترین اندراجات ہیں جن پر خود حفاظتی کے بہانے حملہ کیا گیا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے بھی کئی ممالک امریکی یلغار کا نشانہ بن چکے ہیں۔ البتہ واحد فرق یہ ہے کہ امریکہ نے پانامہ اور دوسری ریاستوں بشمول گریناڈا، نکاراگوا، بولیویا، برازیل، چلی، کیوبا، ایل سلویڈور، گوئٹے مالا، ہیٹی، ہنڈوراس، ایران، لبنان، لیبیا، پانامہ، صومالیہ اور ویت نام پر اس لئے حملہ نہیں کیا کہ امریکہ کو ان ملکوں میں ”اسلام“ سے اپنی حفاظت کی کوئی ضرورت تھی، بلکہ ان ملکوں میں اس کا مقصد اپنی بالادستی کو منوانا تھا جبکہ افغانستان پر حملہ اور قبضہ بنیادی طور پر اسلام کے خلاف حملہ ہے۔

افغانستان کے عوام نے طالبان کے ہاتھوں سے وہ کچھ نہیں دیکھا جو وہ آج امریکی افواج اور کرزئی کی کٹھ پتلی حکومت کی طرف سے ہوتا دیکھتے ہیں۔ گارڈین اخبار کے مطابق امریکہ نے افغانستان کو ایک بہت بڑے قید خانے میں تبدیل کر دیا ہے۔ اخباری رپورٹ کے مطابق ہیومن رائٹس کمیشن کے نمائندہ نادر نادری نے کابل میں بتایا کہ افغانستان کو ایک بڑی امریکی جیل میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔⁽²⁴⁸⁾ یہاں پر نافذ سسٹم فوجی مقاصد کے نکتہ نگاہ سے بنایا گیا ہے اور اس سے حقوق انسانی کی پامالی کی بہت سی راہیں نکلتی ہیں، جس کا افغانستان صرف ایک حصہ ہے۔ گزشتہ 18 مہینوں کے دوران کمیشن نے حقوق انسانی کی پامالی سے متعلق امریکی افواج کے خلاف آٹھ سو شکایات کا اندراج کیا ہے۔⁽²⁴⁹⁾ ڈیلی ٹیلی گراف کے نمائندے ایلک رسل نے 21 فروری 2006ء کی اپنی ایک رپورٹ میں لکھا: ”پنجاگون کے اہل کار یہ تسلیم

کرتے ہیں کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ افغانستان میں جو جیل چلا رہا ہے، وہ گوانتانامو بے سے کہیں زیادہ بدتر ہے۔“

اخباری رپورٹوں سے جو کچھ سامنے آتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امریکہ نے افغانستان کو بہت خوفناک صورت حال سے دوچار کر دیا ہے⁽²⁵⁰⁾ لیکن کسی کو یہ جرأت نہیں کہ ان الزامات کا جو افغانستان پر حملہ اور قبضہ کے لیے جواز بنا دیئے گئے، ان حالات سے موازنہ کرے۔ حیرت ہے، آج بھی افغانستان میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی مجرمانہ مہم جوئی پر بین الاقوامی خاموشی کا بنیادی سبب طالبان کے خلاف من گھڑت الزامات کو گردانا جاتا ہے۔

اس سے زیادہ بد قسمتی کی بات اور کیا ہوگی کہ اپنے بہت ہی ناگفتہ بہ مجرمانہ ریکارڈ کے علی الرغم امریکہ کو تو یہ حق حاصل ہو کہ وہ دوسروں پر دہشت گردی کا الزام لگا کر ان کو زندہ رہنے کا حق دینے سے انکار کر دے، روس کو حق حاصل ہو کہ وہ چیچنیا سے مسلمانوں کا صفایا کرے، بھارت کو کشمیر میں مسلمانوں کے قتل عام کا حق حاصل ہو، اسرائیل کو حق حاصل ہو کہ وہ فلسطینیوں سے جو سلوک کرنا چاہے کر گزرے، لیکن صرف طالبان کو ایک ”بلا“ مانا جائے جو اپنے اندرونی دشمنوں سے برسر پیکار رہے تھے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ افغانستان میں شمالی اتحاد کی امریکہ، فرانس، بھارت، ایران، ترکی، اسرائیل اور سابقہ روسی ریاستیں مکمل طور پر سرپرستی کر رہی تھیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ معاملہ حقوق انسانی یا دہشت گردی کا بالکل نہیں تھا۔ آج بھی اور ماضی میں بھی انسانیت کے خلاف جرائم کے مرتکب، حقوق انسانی کو پامال کرنے والے موجود ہیں اور تھے۔ ادارہ اقوام متحدہ تو خود بھی دہشت گردی مہم کا حصہ رہا، جب اس کی پابندیوں کی وجہ سے ہر ماہ پانچ ہزار بچے قلمہ اجل ہوتے گئے۔ امریکہ ان آمرانہ اور استبدادی حکومتوں اور فوجی آمروں کی سرپرستی کر رہا ہے، جن کا اسلام کے قیام کا کوئی ارادہ نہیں۔

پاکستان کے پرویز مشرف، ازبکستان کے اسلام کریموف، مصر کے حسنی مبارک (جنہیں اب اقتدار سے بے دخل کر دیا گیا ہے) اور سعودی عرب کا سعودی خاندان حقوق انسانی کی پامالی کی نمایاں ترین مثالیں ہیں، جنہیں امریکہ کی مکمل سرپرستی حاصل ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ حقوق انسانی کے بہانے طالبان کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا جانا تھا۔ وجہ بالکل ظاہر ہے۔ امریکہ نہیں چاہتا تھا کہ مسلمان ایک اسلامی تشخص کے ساتھ اپنے آپ کو اجاگر کر کے آگے بڑھیں،

جس سے دوسرے لوگوں کا جذبہ جلاپائے کہ اسلام کے مطابق رہ کر اس استحصالی اور غیر معتدل نظام کے ساتھ رہنے سے انکار کیا جائے۔ کروسیڈرز کبھی نہیں چاہتے تھے کہ کسی بھی شکل میں ایک اسلامی ماڈل قائم ہو جائے خواہ یہ کتنا کچا، نا پختہ اور کمزور ہی کیوں نہ ہو۔

سیاسی وجوہات کے پیش نظر امریکی اہلکار مسلسل یہ دعویٰ کرتے آئے ہیں کہ افغانستان پر حملہ کی وجہ دہشت گردی تھی، اسلام نہیں تھا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ امریکی میڈیا، علمی ذرائع اور سیاسی تجزیہ نگاروں نے طالبان اور عسکریت پسند اسلام کو ہمیشہ اکٹھے رکھ کر بیان کرنے کا طریقہ اپنایا۔ یہ دراصل اسلام خائف طبقہ کے ذہنوں کی پیداوار تھی جو ”سرخ بلا“ (کیوزم) کی جگہ درآئی تھی۔

افغانستان میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے لیے انسانی حقوق اور جمہوریت کبھی بھی ترجیح اول نہ تھیں۔⁽²⁵¹⁾ اصل ترجیح ایک اسلامی ماڈل کے ظہور پذیر ہونے کی وجہ سے اس کی بالادستی کو لاحق متوقع خطرہ کا مذاکرہ تھا۔ دہشت گردی پر مذاکرے تو دنیا کو اصل ایٹھ سے ہٹانے کے لیے ہیں۔ طاقتور امریکہ دنیا پر اپنا غلبہ جاری رکھنا چاہتا ہے اور اس حالت کو برقرار رکھنے (status quo) کے لیے وہ جو حربے استعمال کر رہا ہے اس میں ایک ریاست کو دوسرے کے خلاف اکسانا اور رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لیے حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا جیسی حرکات شامل ہیں۔ اس کی یہ چالیں اکثر مسلم دنیا میں چل رہی ہیں۔

طالبان کے ساتھ دشمنی کا اصل سبب یہ ہوا کہ وہ نہ تو کرزئی کی طرح غیر مشروط طور پر امریکہ کے سماجی، سیاسی اور سیکولر نظام کا حصہ بننے پر تیار تھے، اور نہ ہی اس کے ساتھ ہمدردی اور مدد کے روادار تھے۔ کرزئی کے آقاؤں کے زیر قبضہ کابل کے اس چھوٹے سے رقبہ میں عصمت فروشی، شراب نوشی اور سور کا گوشت کھانے کا عام چلن تھا۔⁽²⁵²⁾ طالبان سمجھتے تھے کہ امریکہ یہ تمام حربے بطور ہتھیار اسلام کے خلاف ہی استعمال کر رہا ہے۔ طالبان اس پر بالکل تیار نہ تھے کہ وہ آزاد خیالی (لبرل ازم) اور جدیدیت (ماڈرن ازم) کے نام پر مسلمانوں اور دوسروں کے درمیان امتیازی روایات اور نشانات کو بالفعل ختم کریں۔

امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے ایسے نا اہل افراد اور گروہوں کو اسلام کے نمائندوں کی حیثیت سے متعارف کروایا، جو اسلامی اقدار سے روگردان منخرفین کا ایک ٹولہ تھا جو امکانی طور پر مذہب کا بھی منکر تھا۔ ایسے لوگوں کے اہلیت کو جانچنے کے لیے کسی قاعدہ قانون کو بروئے کار

نہیں لایا گیا۔ کیونکہ مقصد ہی یہی ہے کہ مسلمانوں کو ان کے دین اور طرز زندگی کے متعلق ریب و تشکیک کا شکار کیا جائے۔ ان خود ساختہ آزاد خیالوں اور بزم خود ااعتدال پسندوں نے اسلامی شریعت کو بہت ہی دور اذکار، غیر متعلقہ، آمرانہ، بہت ہی سخت اور بہت تنگ دامان گردانا۔ ہم جنس پرست کھلے طور پر اسلامی اصلاح کے مدعی بن گئے۔ ایک ایسے فکر کی تشہیر کی گئی جس کے تحت ایسے لوگ بھی مسلمان ہو سکتے ہیں جو حضرت محمد ﷺ کو پیغمبر نہیں مانتے یا ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتے یا جو علانیہ شرک کے مرتکب ہو چکے ہوں۔ دوسری طرف کوششیں تیز کر دی گئیں کہ ایسے حوالوں کو جو بالقوہ ’’جارحانہ‘‘ ہو سکتے ہیں، اپنی گفتگوؤں اور زبانوں سے نکال باہر کیا جائے جیسے مدرسہ، مدارس، جہاد، اخلاف، عدم یقین، انکار، بے عقیدہ اور خصوصی طور پر ایسے الفاظ جو عربی زبان سے تعلق رکھتے ہوں، جیسے کافر، کفر، بدعت وغیرہ۔ اس دوران عالم یا لیڈر کے لیے معیارات کو بھی بدل دیا گیا۔ اس بات پر اصرار کیا گیا کہ اصل عالم فاضل تو سیاستدان، سائنسدان، ذاکترز، وکلاء، انجینئر اور فن تعمیر کے ماہرین اور حقوق نوجوانان کے لیے کام کرنے والے لوگ ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ معاشرہ میں مذہبی علماء کے کردار کا استخفاف کیا جائے اور مذہبی علوم کی تنگی دامان کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جائے، تاکہ یہ لوگوں کے لیے کم پُرکشش ہو سکیں۔ طالبان کے ہٹانے کے بعد ان اقدامات کو مزید تقویت ملی ہے۔

ایسے بیانات جیسے ’’طالبان اسلام پر عمل پیرا نہیں‘‘ یا یہ کہ ’’طالبان درحقیقت مسلمان نہیں‘‘ سے کارل انڈرفرٹھ اور اس جیسے دیگر امریکی ذمہ داران کی منشا یہ تھی کہ ایسی کیفیت پیدا کریں کہ لوگ اسلام کو ایک قومی یا نسلی قسم کی کوئی شے دیکھنے لگیں، یا زیادہ واضح مطلب یہ ہوگا کہ ایک ایسے نئے مذہب کو جنم دیا جائے جسے درحقیقت اسلام نہیں کہا جاسکتا ہو۔ اس اسلام کی حقیقت ایسی ہو کہ وہ امریکہ کی بے انصافیوں اور دہرے معیارات کے لیے کوئی چیلنج ثابت نہ ہو سکے، یا یہ اسلام ایسا دکھائی نہ دے کہ وہ قریب الاختتام مغربی جمہوریت، سرمایہ داریت اور اس کے تعلقات کے لیے ایک زندہ جاوید متبادل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

9/11 سے ایک سال پہلے امریکی نائب وزیر خارجہ کارل انڈرفرٹھ نے یکم ستمبر 2000ء کو وائس آف امریکہ کو بتایا: ’’پاکستان میں جو اسلام مروج ہے وہ نہیں جو افغانستان میں ہے۔‘‘ فرٹھ کا طریقہ واردات دوسرے اسلام خائف (اسلام مخالف) لوگوں جیسا تھا، جو مسلمانوں کو اس قسم کے بیانات کی بنیاد پر تقسیم کرنا چاہتے ہیں، ’’عسکری اسلام اور ماڈرین

اسلام میں فرق ہے۔“ یہ صورت حال مشرف اور دوسرے بہت سارے عناصر سے پہلے کی تھی، جبکہ 9/11 کے بعد 2004ء کے دوران وہ ”ماڈرٹس“ کے روپ میں ”روشن خیال اعتدال پسندی“ (Enlightened Moderation) کا ورد کرتے ہوئے، کثیر تعداد میں نمودار ہوئے۔ سرسری علم اور بد باطن ایجنڈا کے حامل امریکی زعماء اسلام اور مسلمانوں کی خود تراشیدہ اقسام و انواع کی تشریح کرنے میں منہمک ہو گئے تھے، تاکہ وہ ان اصطلاحات کو بقیہ دنیا کے سامنے قانونی اور جائز تصریحات کے طور پر پیش کر سکیں، گو ان کی ان تشریحات کے نہ اسلامی علوم کی ڈکشنری میں معنی ملتے تھے اور نہ ہی یہ مسلمانوں کے نزدیک معروف اور صحیح تصریحات ہو سکتی تھیں۔

ان بیانات سے امریکی رہنما ”ایک پتھ دو کالج“ والا مفاد حاصل کرنا چاہتے تھے، یعنی ان منفی اور بے بنیاد اصطلاحات (جیسے ”Militent Islam“) کو منواسکیں اور ساتھ ہی طالبان کا ایک غیر حقیقی خوف پیدا کر کے ان کے خلاف پابندیوں کو جاری رکھنے اور ان کو تسلیم نہ کرنے کی پالیسی کو دوام بخشا جائے اور اسی طرح حملہ اور قبضہ کے لیے دروازہ کھلا رکھا جائے۔ ضرورت ہے کہ ہم انڈر فرتھ کے بیانات کے دونوں پہلوؤں پر نظر رکھیں، تاکہ ایک کھلا تجزیہ کیا جاسکے جس سے پتہ لگ سکے کہ طالبان کو کس طریقہ سے آہستہ آہستہ کمزور کیا گیا اور اصل مسائل اور ایشوز کو دبا کر رکھا گیا۔

طالبان فوبیا کے پس منظر میں اصل حقائق

طالبان مخالف امریکی پروپیگنڈا کے برعکس ایک غیر جانبدار مبصر نے افغانستان میں ایک ہفتہ قیام کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ طالبان اور ان کی حکومت سے جو شدید خوف کی کیفیت محسوس کی جاتی ہے اس کی حقیقت صرف ایک ایسی ڈس انفارمیشن (disinformation) ہے جس کی بنیاد حقائق کے توڑ مرؤز، نیم سچ اور مکمل کذب بیانی پر استوار کی گئی ہے۔ اس غلط بیانی کی بنیاد پر کہ افغانستان اور پاکستان کے اسلام میں فرق کی بجائے دیگر وجوہات کی بنا پر امریکہ اور اس کے اتحادی طالبان حکومت کو تسلیم کرنے سے انکاری تھے۔ امریکی پروپیگنڈا کو زائل کرنے کے لیے طالبان حکومت کو تسلیم کرنے کے حق میں بہت زیادہ ٹھوس حقائق موجود تھے۔ طالبان کی واپسی ایسے حالات میں ہوئی جب امریکی مالی امداد حاصل کرنے والے دارالارڈز کے ہاتھوں قتل و غارت، آبروریزی اور نسل کشی کا بازار گرم تھا۔ ایسے میں طالبان کی

آمد ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھی گئی اور اسے بڑی گرم جوشی اور تعاون کے ساتھ خوش آمدید کہا گیا۔ اور پھر ایسا ہی ہوا کہ طالبان نے وہ کچھ کر دیا جس کے لیے افغانی گزشتہ کئی سالوں سے ترس رہے تھے یعنی قانون کی عملداری، نظم و نسق اور جان و مال کا تحفظ۔

ایک بہانہ یہ تراشا گیا ہے کہ طالبان کی حکومت کو اس لئے تسلیم نہیں کیا گیا کہ وہ وسیع البیاد حکومت نہیں تھی۔ تو یہ بات پبلک ریکارڈ پر ہے کہ امریکہ اور اقوام متحدہ کی طرف سے سابق افغان حکومتوں میں سے کوئی بھی وسیع البیاد حکومت نہیں تھی۔ جس کو بھی طالبان کا صحیح علم ہے وہ جانتے ہیں کہ طالبان دور میں کابل میں وزارتیں مختلف نسلی گروہوں میں تقسیم کی گئی تھیں۔ منصوبہ بندی، وزارت تعلیم اور سماجی بہبود کی وزارتیں بدخشانی فارسی خواں اقلیت کے ہاتھ میں تھیں۔ کبھی پہلے ایسا نہیں ہوا تھا کہ پکتیا پر جو پختون اکثریتی صوبہ تھا، کسی بیرونی شخصیت کا اقتدار رہا ہو، جبکہ طالبان دور میں بدخشانی فارسی خواں اس صوبے کا گورنر رہا۔ اسی نسلی اقلیت کو فوج کی انفنٹری ڈویژن کی ذمہ داری سونپی گئی تھی، جس میں شیعوں پر مشتمل ڈویژن بھی شامل تھا۔ وہ سنیوں کے ساتھ مل کر شانہ بشانہ ان طالبان مخالف عناصر کے خلاف لڑتے تھے جن کو بیرونی امداد حاصل تھی۔

طالبان حکومت نے ہر ایک اقلیت کو شریک اقتدار کیا تھا۔ اس کے باوجود کہ اس طرح کے نام نہاد الیکشن بالکل نہیں ہوئے تھے جو امریکہ کے زیر تسلط افغانستان میں اب ہو رہے ہیں۔ طالبان اپنے درمیان جن لوگوں کو نہیں چاہتے تھے وہ سابقہ کیونسٹ اور نام نہاد آزاد خیال تھے، جو سابقہ بادشاہ طاہر شاہ کو دوبارہ اقتدار میں لانا چاہتے تھے۔ افغانستان کو اس وقت کم از کم شہنشاہیت کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی بجائے اسے ایک مضبوط اور منظم حکومت کی ضرورت تھی جو امن و امان اور نظم و نسق کو برقرار رکھ سکتی اور یہی چیز طالبان نے قائم کر رکھی تھی۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور اس کے اتحادی اس ہدف کو گزشتہ چار سالوں کے دوران حاصل نہ کر سکے۔ اگرچہ طالبان حکومت کمزوریوں اور خامیوں سے مبرا نہیں تھی مگر اسے تسلیم کرنا اسلام کے قیام کے لئے جدوجہد کو تسلیم کرنے کے مترادف مانا جاتا۔ طالبان کے ظہور سے پہلے افغانستان میں صورت حال کو سوو سے بھی بدتر تھی اور ان سر تا پا مسلح گروہوں اور عوام کو غیر مسلح کرنے کے لیے سنجیدہ اقدامات کی ضرورت تھی۔ نیٹو افواج کو سوو میں وہی کام کر رہی ہیں۔ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے برعکس طالبان نے یہی کام افغانستان میں نہایت کامیابی سے

سرا انجام دیا۔ نیویارک ٹائم نے لکھا:

”افغانستان میں خواتین کو گھروں کے اندر مقید رکھا جاتا ہے۔ بنیاد پرست طالبان جن کا افغانستان کے ایک بڑے حصے پر قبضہ ہے، فتوے پر فتویٰ جاری کر رہے ہیں، جن کی رو سے عورتوں اور لڑکیوں کو سکول جانے، کام کرنے اور علاج معالجہ کے لیے ہسپتال جانے سے منع کیا جا رہا ہے۔ بین الاقوامی تنظیم اور پرائیویٹ ادارے خواتین کی مدد کرنا چاہتے ہیں، لیکن اس کے لیے طالبان کی مرضی حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس سوال کا جواب مشکل ہے کہ طالبان کے ساتھ کس حد تک ہمنوائی کی جاسکتی ہے۔ حال ہی میں اقوام متحدہ نے طالبان کے ساتھ ایک معاہدہ کر کے سخت غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔“ (253)

یہ پروپیگنڈا ز مینی حقائق کے برعکس تھا، مگر بڑے منظم انداز سے اُسے پھیلایا جاتا رہا۔ اس پروپیگنڈا کے عروج کے دوران وزارت خارجہ میں طالبان کے ڈپٹی چیف آف پروٹوکول داؤد شاہ نیازی نے ایک انٹرویو میں واضح کیا کہ افغانستان کے تقریباً 70 فیصد علاقے میں طالبان کے برسر اقتدار آنے سے پہلے ہی خواتین کے لیے بنیادی تعلیم کے ذرائع مفقود تھے۔ پھر یہ کہ سکول اور یونیورسٹی گزشتہ پندرہ سالوں کے دوران بسا اوقات بند رہ چکے ہیں، لیکن کسی نے بھی اس کو ایشو نہیں بنایا۔ ہر ایک نے گلاس کے خالی حصے ہی پر نظر رکھی۔ اُنہوں نے صرف طالبان حکومت کو ہدف تنقید بنانے کا وطیرہ اپنایا اور بالکل بے جا طور پر یہ امیدیں وابستہ کر رکھیں کہ طالبان راتوں رات اس تمام گند کو صاف کرنے کا معجزہ کر دکھائیں گے جو وقت کی دو سپر پاورز کی برسوں کی کارستانیوں کی وجہ سے جمع ہو چکا ہے۔ دراصل طالبان نے اپنے چند سالہ دور اقتدار میں جو کچھ کر دکھایا تھا، 2001ء میں افغانستان پر قابض ہونے کے بعد اتنے ہی سالوں کے دوران امریکہ اس کا عشر عشر بھی نہ کر سکا۔ کرائنکل آف ہائیر ایجوکیشن کے 15 جنوری 1999ء کے شمارہ میں میرین لائیڈ نے طالبان کی مشکلات کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

”یونیورسٹی جو گزشتہ 15 سالوں کے دوران بسا اوقات بند رہی تھی، دوبارہ مارچ 1997ء میں طالبان حکومت نے کھول دی۔“ اس نے یہ بھی نوٹ کیا کہ ”کیمپس جو سول وار کی وجہ سے تباہ ہو چکا تھا اب مفلسی کا شکار ہونے کی وجہ سے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا قابل نہ رہا۔“ (254)

اس جھوٹے پروپیگنڈے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے احمد شاہ مسعود اور ربانی کے شمالی اتحاد نے موقع پا کر اپنے آپ کو زیادہ متمحل اور آزاد خیال قوتوں کے طور پر ظاہر کرنا شروع کر دیا۔ صورت حال کی اصل حقیقت یہ ہے کہ جنگ کی وجہ سے تباہ حال ملک میں عورت کو جو تحفظ طالبان نے دیا تھا، اسے ان کے بنیادی حقوق سے انکار کی صورت میں پیش کیا گیا۔ اس کے بالکل برعکس احمد شاہ مسعود اور ربانی کے قیام کا بل کے دوران جس خوفناک درندگی کے ساتھ عورتوں کی عصمت دری کی گئی اور ان کو قتل کیا گیا، اس سب کچھ کو یکسر بھلا دیا گیا۔

سرکاری حکام، فیکٹی ممبرز اور کا بل یونیورسٹی کے چانسلر کے ساتھ گفتگو کے دوران یہ معلوم ہوا کہ کسی کبھی عورتوں کی تعلیم کے حصول یا گھر سے باہر کام کرنے پر اختلاف نہیں تھا، بشرطیکہ یہ چیزیں اسلامی اصولوں کے تحت اور غیر مردوں و عورتوں کے اختلاط کا لحاظ رکھتے ہوئے کی جارہی ہوں۔⁽²⁵⁵⁾ کا بل یونیورسٹی میں اس وقت کے چانسلر مولوی پیر محمد روحانی نے بتایا کہ خواتین تمام ہسپتالوں میں کام کرتی ہیں اور کا بل یونیورسٹی میں میڈیکل کے طلبہ کو پڑھاتی بھی ہیں۔ خواتین کلاسیں 1999ء کے موسم سرما میں شروع کی گئیں۔⁽²⁵⁶⁾ اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق قندھار، ہرات اور جلال آباد میں خواتین نرسنگ کے سکول کھول دیئے گئے ہیں۔⁽²⁵⁷⁾ ان سکولوں میں خواتین ڈاکٹرز اور صحت سے متعلق شعبہ جات میں تعلیمی پروگرام شروع کئے جا چکے ہیں۔ یہ بھی بتایا گیا کہ خواتین کے ہسپتالوں میں کا بل اور قندھار میں واقع دو ہسپتالوں کی ازسرنو بحالی ہو چکی ہے۔ اسی طرح افغان امور کے ماہر نیویارک یونیورسٹی کے پروفیسر برنٹ راہن نے انکشاف کیا کہ طالبان نے متعدد مراکز ملک کے مختلف حصوں میں کھول دیئے ہیں جہاں خواتین کو ڈاکٹری اور صحت کے متعلق دیگر شعبہ جات میں تربیت دینے کے پروگرام ترتیب دیئے گئے ہیں۔ کا بل یونیورسٹی خواتین کے لیے گیارہ فیکلٹیز کھولنے کا منصوبہ بنا رہی تھی، لیکن نیویارک ٹائمز کی رپورٹ کے برعکس، کوئی ایسا موجود نہیں تھا جو مالی یا عملی طور پر یونیورسٹی کو ازسرنو تعمیر کے کام میں مدد دے کر خواتین کے لیے علیحدہ سہولیات کا انتظام کرے۔ طالبان حکومت نے کسی بھی ڈونر پر جو خواتین کے لیے کا بل یا ملک کے دوسرے حصوں میں سکول کھلوانا چاہتا تھا، کوئی اعتراض نہیں کیا۔ مسئلہ یہ تھا کہ کوئی بھی ڈونر آگے آنے کے لیے اس وقت تک تیار نہ تھا جب تک اس کام کے ساتھ اپنی اقدار (values) کو بطور شرط نہ تھی نہ کرے۔ مثال کے طور پر ڈونرز نے مخلوط طریقہ تعلیم پر مسلسل اصرار جاری رکھا۔ اس شرط کے

بغیر کوئی بھی ڈونر از سر نو تعمیر کے کام یا تعلیمی سہولیات مہیا کرنے کے کام پر رضامند نہیں ہوا۔ یہ اسی طرح کا ایک کیس ہے جس کا کہ پہلے ورلڈ فوڈ پروگرام کے روٹی کی تقسیم کے ضمن میں ذکر کیا گیا ہے۔ مغربی ممالک کے منفی اور غیر مصالحانہ رویہ کی طرح ڈونرز برادری نے طالبان کے حق میں وہی غیر منصفانہ رویہ اور طرز عمل اختیار کئے رکھا۔⁽²⁵⁸⁾

کسی بھی آزاد قوم کی طرح طالبان بھی فنڈز کو قبول کرنے کے سلسلہ میں اپنی اقدار اور شرائط رکھتے تھے۔ وہ ڈالروں کے ساتھ سختی شرائط کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی غیر ان مصیبت رسیدہ لوگوں پر امداد کے نام پر اپنی مرضی مسلط کرے۔ کابل یونیورسٹی کے چانسلر کے مطابق حکومت نے این جی اوز اور دوسری پارٹیوں کو جو گھریلو سکولوں (Home based Schools) میں دلچسپی رکھتی تھیں، اجازت دے رکھی تھی کہ وہ آگے بڑھیں۔ انھوں نے ان کو سرکاری سکولوں کی از سر نو تعمیر کی بھی اجازت دی تھی، اس شرط کے ساتھ کہ اس میں مخلوط تعلیم نہیں ہوگی۔ اس کے علاوہ چانسلر نے اس کتاب کے مصنف (عابد اللہ جان) کو یہ بات بھی بتائی کہ

”ہمارے پاس خواتین کی تعلیم کے مسئلہ کا حل تو ہے لیکن ہمارے پاس اس کا کوئی حل نہیں جو دنیا ہم سے چاہتی ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں اکٹھے تعلیم حاصل کریں۔ ہم دوسری قوموں کے اندرونی معاملات میں دخل نہیں ہوتے، پھر وہ کیوں اپنی مرضی اور اقدار ہم پر زبردستی ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور تو اور اقوام متحدہ کا چارٹر بھی کسی کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ کسی قوم کو اس کی مذہبی اور سماجی اقدار کو بدلنے پر مجبور کرے۔“⁽²⁵⁹⁾ واحد پابندی جو طالبان عائد کرنا چاہتے تھے، وہ عام پبلک میں مناسب حجاب اور تعلیمی اداروں اور کام کے مراکز میں مرد و زن کی علیحدگی تھی۔ عورتوں کو شاپنگ اور اپنی دوسری ضروریات کے لیے باہر جانے کی مکمل آزادی تھی، صرف شرط یہ تھی کہ وہ پبلک مقامات پر مناسب حجاب کے ساتھ جائیں۔

1996ء کے بعد پہلی دفعہ خواتین کا عالمی دن 8 مارچ 2000ء کو افغانستان میں منایا گیا۔ اس پروگرام میں یونیورسٹی کے سابقہ پروفیسرز، انجینئرز، اساتذہ، ڈاکٹروں، نرسوں اور سکول کے پرنسپلوں نے حصہ لیا۔ اس موقع پر کل 700 خواتین جمع ہو گئیں۔ ریڈیو شریہ (طالبان کا سرکاری ریڈیو) نے اس فنکشن کو مکمل کوریج دی۔ اس موقع پر ملا محمد عمر مجاہد کے نمائندے نے اپنا خطبہ دیا۔ پہلی دفعہ ایسا ہوا کہ طالبان لیڈر شپ نے پبلک میں خواتین سے

خطاب کیا۔ اس سے افغان خواتین کا یہ تصور قائم ہوا کہ ان کو چار ہی سالوں کے اندر اپنے مسائل پر گفتگو کرنے کا موقع مل گیا۔ (260)

واحد مسئلہ یہ تھا کہ خالی ہاتھ طالبان خواتین کو جداگانہ سہولیات مہیا کرنے کی پوزیشن میں نہ تھے، جہاں یہ خواتین کام کر سکیں اور تعلیم حاصل کر سکیں۔ محکمہ صنعت کے وزیر مولوی عید محمد کے مطابق وہ مدد کی تلاش میں تھے۔ اس نے ان رپورٹروں کو چیلنج کئے رکھا جو خواتین کی تعلیم کے سلسلہ میں جھوٹی رپورٹیں اور من گھڑت کہانیاں گھڑ رہے تھے۔ انھوں نے کہا ”یہ رپورٹرز ایک بھی مثال ایسی پیش کریں جہاں کسی کمیونٹی ڈیولپمنٹ ڈونرز یا یو این او کی کسی ایجنسی نے کبھی یہ تکلیف گوارا کی ہو کہ وہ آگے بڑھ کر کسی گرلز سکول کی تعمیر یا شاف کی تنخواہ دینے میں اعانت کرے اور طالبان نے اُس کے ساتھ تعاون نہ کیا ہو۔“ (261)

میڈیا نے طالبان کو خوفناک وحشیوں کی حیثیت سے ظاہر کرنے کی شیطانی حرکت جاری رکھی، جبکہ طالبان کے پاس اپنی پوزیشن کو موثر طریقے سے واضح کرنے کے لیے کوئی ذریعہ ابلاغ نہیں تھا۔ جن لوگوں کو افغانستان کی حالیہ تاریخ اور ذہنی حقائق کے متعلق معلومات حاصل تھیں وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ طالبان جن قوتوں سے روز اول سے برسرِ پیکار ہیں یا وہ جو افغانستان پر قبضہ کئے ہوئے ہیں وہ کن کن دھشتاک جرائم کے مرتکب ہو چکی ہیں۔

یہ بات جاننے کی ہے کہ سوویت یونین کی واپسی کے بعد بیرونی پشت بنای میں کئی سالوں پر محیط باہمی جنگ وجدل نے افغان معاشرہ کو کس مقام پر پہنچایا تھا۔ افغانوں کو ایسی حالت میں چھوڑا گیا تھا کہ ان کا تمام انفراسٹرکچر تباہ ہو چکا تھا اور انسانی ضروریات کا کوئی سامان انھیں میسر نہ تھا، جس سے بحالی یقینی ہو سکے۔ طالبان پر اسامہ کو جسے ”دہشت گرد“ قرار دیا گیا تھا پناہ دینے کا الزام لگایا گیا تھا۔ اگر اسامہ دہشت گرد تھا تو پھر یقیناً وہ تمام مجاہدین بھی اسی قبیل کے دہشت گرد تھے جو امریکہ کے تعاون سے سوویت یونین کے خلاف برسرِ پیکار تھے۔ اسامہ اور اُن مجاہدین میں فرق کیا ہے؟ وہ مجاہدین افغانستان سے سوویت یونین کی فوجوں کا انخلا چاہتے تھے اور اسامہ بن لادن سعودی عرب سے امریکی افواج کے انخلا کا مطالبہ کر رہا تھا۔

جب افغانستان میں یہ تمام اسامے (یعنی مجاہدین) جنہیں امریکی سی آئی اے نے تین بلین ڈالر کے اسلحہ سے مسلح کیا تھا آپس میں ملک پر قبضہ جمانے کے خاطر گتھم گتھا ہو گئے تو امریکہ خاموشی کے ساتھ کنارے ہو کر ملک کے ٹکڑے ہونے کا تماشا دیکھنے لگا۔ بھوک اور

قلعہ خوراک کا دور دورہ تھا۔ جنگ کی وجہ سے عام شہریوں کی اموات بڑھ گئیں، کیونکہ علاج معالجہ کی کوئی سہولیات موجود نہ تھیں۔ بارودی سرنگوں کی بہتات کی وجہ سے معذور اور کٹے ہوئے اعضاء والے بچے عام نظر آتے تھے۔ گلی کوچوں میں سڑنے والی لاوارث لاشیں اس بات کی شہادت دے رہی تھیں کہ بیرونی پشت پناہی میں برپا خانہ جنگی کے دوران افغانی کس خوفناک صورت حال سے دوچار کر دیئے گئے ہیں۔

بد قسمتی یہ ہے کہ چند روزہ حکومتیں جنہیں کابل کے اندر بھی بمشکل چند محلوں ہی پر کنٹرول حاصل ہوتا تھا وہ تو اقوام متحدہ، ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور اس کے حلیفوں کو قابل قبول تھیں، مگر طالبان جن کو طاقت حاصل کرنے کے لیے ابتداء امریکہ کی پوری حمایت حاصل تھی اور جو افغانستان کے 95% حصہ پر کنٹرول رکھتے تھے، اب کسی صورت امریکہ کے لیے قابل قبول نہ تھے۔ دوسری طرف اقوام متحدہ اور امریکہ نے حامد کرزئی کو تسلیم کیا ہے جسے صرف کابل شہر کے بھی 95% حصہ پر کنٹرول حاصل نہیں۔

طالبان سے پہلے افغانستان پر لاقانونیت کی حکمرانی تھی۔ مختلف ٹولیوں میں منقسم بد معاش گھروں کو لوٹنے، قتل کرتے اور لوگوں کو مارتے اور اذیتیں دیتے تھے۔ گینگ ریپ کے واقعات عام تھے۔ خود ایمنسٹی انٹرنیشنل نے بھی تصدیق کی ہے کہ ”ان گروہوں کے لیڈر عصمت دری جیسے جرم سے اس بنا پر چشم پوشی کرتے تھے کہ ایک تو اس سے ”مفتوح“ آبادی پر دہشت گردی کا رعب بیٹھتا ہے اور دوسرے یہ ”سپاہیوں“ کے لیے ایک قسم کا انعام بھی ہے۔“ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے اپنی ایک رپورٹ میں لکھا کہ کابل میں 1994ء کے اوائل میں ایک بیوہ عورت اپنے تین بچوں کو گھر میں چھوڑ کر کھانے کی تلاش میں نکلی۔ دو سپاہیوں نے اسے باہر گلی سے اغوا کر کے اپنی پناہ گاہ میں پہنچایا، جہاں 22 آدمی تین دن تک اس کی عصمت دری کرتے رہے۔ جب وہ مظلوم و مقہور عورت گھر واپس ہوئی تو اسے اپنے تین بچے Hypothermia (بدن کا ٹمپرچر نارمل سے گر جانا) کی وجہ سے مرے ہوئے ملے۔

قبل از طالبان دور کے ان سنگین جرائم اور خوفناک حالات سے عالمی چشم پوشی سے یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس وقت امریکہ، اس کے اتحادیوں اور حقوق انسانی کے کارکنوں کے لیے یہ سب کچھ مکمل طور پر قابل قبول تھا۔ کسی نے بھی کابل میں براجمان اس وقت کی حکومت کابل کے خلاف کسی قسم کی پابندی لگانے کا مطالبہ نہیں کیا۔ مزید یہ کہ

انٹرفیث (Interfaith) یا اقوام متحدہ کے کسی اور ادارے نے پاکستان کو افغانستان کی صورت حال پر کسی بھی لاحق خطرہ سے خبردار نہیں کیا۔

باہم متصادم گروہوں کو غیر مسلح کرنے کے علاوہ طالبان نے عصمت دری، لوٹ مار، ڈکیتی اور قتل و غارت جیسے جرائم کا کامیابی کے ساتھ خاتمہ کر دیا تھا۔ طالبان نے یہ کرشمہ شریعت کے نفاذ کے ذریعے کر کے دکھایا، جس حد تک وہ شریعت سمجھتے تھے اور جس قدر وہ اس کی تنفیذ کر سکتے تھے۔ طالبان نے لوگوں کو بھوک سے تحفظ دینے کی خاطر بنیادی خوراک کی ضروریات کے نرخوں کو مؤثر طریقے پر کنٹرول کیا۔ طالبان کا پڑوسی ملک پاکستان اتنی بھاری بیوروکریسی کے ہوتے ہوئے بھی یہ کام 60 سالوں میں نہ کر سکا۔ سب سے بڑی بات افغانستان میں قانون کی حکمرانی کا قیام تھا، جو ایک بڑا کرشمہ تھا، جسے نہ امریکہ اور یورپ اور نہ ہی اقوام متحدہ بحال کر سکے تھے۔ اس کا ثبوت موجودہ امریکی تسلط سے پیدا شدہ خراب صورت حال اور بعد از طالبان غیر ختم افراطفری سے ملتا ہے۔ افسوس کہ ان تمام کے حقائق کے باوجود امریکہ اور اس کے اتحادی طالبان کو کسی قسم کا کریڈٹ دینے اور ان کو تسلیم کرنے کے روادار نہیں۔

اگر طالبان کو اپنی خواتین کو برقعہ نہ پہننے اور اپنے مردوں کو داڑھی نہ رکھنے پر سزا دینے کا حق نہیں تھا تو امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو بھی ایسا کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ انھیں برقعہ پہننے اور داڑھی رکھنے پر سزا دیں۔ افغان لوگوں کے چہروں سے داڑھی صاف کرنے اور برقعہ کو ہٹانے سے کہیں زیادہ اور باتوں کی ضرورت تھی۔ جہاں تک پردہ کا تعلق ہے تو کابل شہر میں تو یقیناً عورتوں کی ایک بڑی اکثریت مغربی لباس پہننا اختیار کر چکی تھی، لیکن بیرون کابل خواتین اسی لباس کو پہننا پسند کرتی تھیں جو وہ مدتوں سے پہنتی آئی ہیں اور یہ لباس جسم، چہرہ اور بالوں کے لیے سائر لباس تھا۔ یہ صورت حال ان تصاویر سے صاف عیاں ہے جو طالبان کی ”غلامی“ سے ”آزادی“ کے چار سال پورے ہونے پر افغانستان سے باہر آرہی ہیں۔

برقعہ اور داڑھی کے خلاف ہرزہ سرائی کے برعکس وقت کا تقاضا تھا کہ اس حکومت کو تسلیم کیا جاتا جس نے جنگ سے تباہ حال ملک کو استحکام بخشا۔ ضرورت تھی کہ اقوام متحدہ کا ادارہ برائے ترقیات (UNDP) اور دوسری امدادی تنظیم (donars) کھل کر طالبان حکومت کی مدد کے لیے آگے آتے، تاکہ افغانیوں کی صلاحیتوں کو بروئے لا کر ان کی غربت ختم کرنے اور ان کو اپنے پاؤں کھڑا کرنے میں مددگار بن جاتے۔ یہ بات اہمیت کی حامل تھی کہ ان قوتوں

سے آگاہی حاصل کی جاتی جو حقوق کے ایٹوز کی آڑ میں اپنے سیاسی مقاصد کو آگے بڑھانا چاہتی تھیں۔ دُنیا کو اس وقت دو باتوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ پہلا یہ کہ طالبان حکومت کو تسلیم کر کے اس کو مستحکم بنائے۔ دوسرا یہ کہ طالبان پر پابندیاں (Sanctions) لگا کر ان کی کمر توڑ دے اور اس طرح امریکہ کے لیے افغانستان پر حملہ آور ہو کر قبضہ جمانے کی راہ ہموار کرے۔ دُنیا نے دوسرے آپشن کا انتخاب کیا اور اس طرح نہ صرف یہ کہ افغانستان کو ایک مکمل انتشار کے حوالہ کر دیا گیا بلکہ عالمی صلیبی استعماری اب یہ منصوبہ بندی کر رہے ہیں کہ یکے بعد دیگرے مسلمان ممالک پر حملہ آور ہو کر قابض ہو جائے۔

اصل مسئلہ سے صرف نظر

طالبان پر اسامہ بن لادن کو ٹھکانہ مہیا کرنے کا الزام لگایا گیا۔ تاہم اس ختم نہ ہونے والے پروپیگنڈے میں کبھی بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا کہ 1989ء میں سوویت یونین کی واپسی کے معا بعد، افغان عرب بشمول اسامہ نے واپس عرب دُنیا میں اپنے گھروں کا رخ کرنا شروع کیا۔ ان کی بیدار سیاسی حس نے ان کو یہ احساس دلایا کہ سعودی عرب اور مصر جیسے ممالک بھی تو امریکہ کے اسی طرح تابع ہیں، جیسے کہ نجیب اللہ کی حکومت ماسکو کی تابع ہے۔ بیرونی قبضہ اور استبداد کے خلاف جذبہ سے سرشار سوویت یونین کے خلاف امریکی جہاد کے ان آزمودہ کاروں کا اپنے ملکوں میں ایک بہت ہی مضبوط حلقہ وجود میں آیا۔ سوویت امپریلیزم کو شکست دینے پر انھیں یہ احساس ہوا کہ وہ اپنے ملکوں کی کرپٹ، بے ایمان اور ڈکٹیٹر حکومتوں کے ساتھ بھی ایسا کر سکتے ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ وہ امریکہ کی سعودی عرب میں امپریلیزم کو بھی جو اس کی ابتدا یعنی 1932ء سے قائم ہے، ختم کر سکتے ہیں۔

طالبان کو ”دہشت گردوں“ کو ٹھکانہ دینے پر مورد الزام ٹھہرایا گیا، لیکن میڈیا نے قصداً مغربی عوام الناس کو مسئلہ کے اصل اسباب سے بے خبر رکھنے کی پالیسی اختیار کئے رکھی۔ مثال کے طور پر 1990ء میں کویت کے بحران کے وقت سعودی عرب میں 5 لاکھ 40 ہزار مغربی غیر ملکی افواج کا ٹھہرنا ایک ایسا عمل تھا جس نے بہت سے سعودی نژاد آزادی پسند لوگوں خصوصاً علماء میں ایک غصہ اور اشتعال پیدا کر دیا، کیونکہ اس سرزمین میں مکہ و مدینہ واقع ہیں، جنہیں پیغمبر خدا حضرت محمد ﷺ کی جائے پیدائش اور جائے وصال ہونے کا شرف حاصل ہے۔ سعودی لوگوں کی اکثریت اپنی سرزمین پر بیرونی افواج نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ ان کی بد اعتمادی

اُس وقت اور بڑھ گئی جب مارچ 1991ء کو کویت کو آزاد کرانے کے بعد بھی پیناگان نے سعودی مملکت سے تمام فوجوں کا انخلاء نہیں کیا۔ جن لوگوں نے اس رویہ کے خلاف زبانی احتجاج کیا، ان میں اسامہ بھی شامل تھے جنہوں نے ایک باقاعدہ کمیٹی ترتیب دے دی جس نے مذہبی سیاسی اصلاحات کی پُر زور وکالت کی۔

1993ء میں شاہ فہد نے ایک مشاورتی کونسل بنائی۔ اس نے اس کونسل کے تمام ممبروں کا تقرر کیا جو صرف مشیر کی حیثیت میں کام کرتے تھے۔ اسامہ بن لادن اور دوسرے افراد امریکی غلامی کو اس کی افواج کے انخلاء کے ساتھ ختم کرنا چاہتے تھے۔ 1994ء میں اپریل تا جولائی جنگ یمن کے دوران جب سعودی عرب نے جنوبی یمن کے مارکسٹ لیڈروں کی پشت پناہی کی تو اسامہ اور دوسروں نے اس سرکاری پالیسی کو مسترد کر دیا۔ چنانچہ حکومت نے اسامہ کو سعودی شہریت سے محروم کر کے انھیں ملک سے نکال دیا۔ امریکہ کی طرف سے اسامہ پر دہشت گردی کا الزام لگانے سے یہ بہت پہلے کی بات تھی۔ تاہم اسامہ کی سوڈان کی طرف جلا وطنی بھی دوسرے آزادی پسندوں کو ان مہروں کو ایوان اقتدار سے نکال باہر کرنے کے ارادے سے باز نہ رکھ سکی، جو اپنے لوگوں کی بہ نسبت واشنگٹن کے مفادات کے لیے کام کر رہے تھے۔ نومبر 1995ء میں ریاض میں سعودی نیشنل گارڈز کے مرکز پر حملہ کیا گیا۔ اس حملہ میں امریکہ کے پانچ اہلکار جو وہاں مقیم تھے، مارے گئے۔ چار مشتبہ سعودی افراد جو پکڑے گئے، ان میں تین ”افغان“ تھے۔ ان تمام پر جرم ثابت ہوا اور انھیں پھانسی دے دی گئی۔ یہ ایسی بات تھی کہ افغانی اس طرح سعودیوں کا بدلہ چکا رہے تھے جیسے کے سعودیوں نے سوویت قبضہ کے سلسلہ میں افغانیوں کی مدد کی تھی۔ تاہم جس چیز نے سعودی عرب میں امریکی فوج کی موجودگی کو زیادہ نمایاں کیا، وہ دہران ایئر بیس کے نزدیک الخیر کیمپس کے باہر 25 جون 1996ء کو ہونے والی ایک ٹرک بمباری تھی۔ اس دھماکے کے نتیجے میں 19 امریکی فوجی مارے گئے اور چار سو سے زائد زخمی ہو گئے۔ یہ واقعہ اسامہ کے سوڈان سے افغانستان منتقل ہونے کے چند ہی ہفتے بعد وقوع پذیر ہوا۔ جب سوڈانی حکومت پر واشنگٹن اور ریاض کی طرف سے دباؤ پڑا، تو اسامہ پر ملک چھوڑنے کے لیے زور دیا گیا۔ تاہم تمام اخباری رپورٹوں سے اس وقت یہ پتہ چلتا تھا کہ امریکہ کی بڑی خواہش تھی کہ اس دھماکہ میں تہران کو ملوث کیا جائے، یہ جاننے کے باوجود کہ یہ کارروائی مقامی مخالفین کی تھی جو سعودی عرب میں امریکی موجودگی کے

خلاف سرگرم عمل تھے۔

امریکی میڈیا یہ نہیں چاہتا تھا کہ سعودی عرب کی سرزمین پر امریکی موجودگی کی وجہ سے سعودیوں کی ناراضی کو آشکارا کر دے۔ تب اسامہ نے اپنے ملک میں امریکیوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔ ان کے وسیع پیمانے پر تشہیر شدہ الفاظ میں اس نے اعلان کیا ”مسلم خلیجی ریاستوں میں امریکی صلیبوں کی موجودگی سب سے بڑا خطرہ ہے اور یہ دنیا کے سب سے بڑے تیل کے ذخائر کے لیے ایک خوفناک تنبیہ بن رہی ہے۔ اللہ کو ماننے (یعنی کلمہ پڑھنے) کے بعد اس قابض دشمن کو نکال باہر کرنا سب سے بڑا فریضہ ہے“۔ اگرچہ اسامہ کے 1998ء کے اس فتویٰ پر بہت سارے لوگوں نے دستخط کئے تھے، تاہم اُس کے افغانستان میں ہونے کے باوجود طالبان کے کسی معروف لیڈر نے اس فتویٰ پر دستخط نہیں کئے۔

الخیر دھماکے کے بعد سعودی حکمرانوں نے بے دلی کے ساتھ سعودی سرزمین پر امریکیوں کی موجودگی تسلیم کی۔ یہ امریکی امریکہ کی اس فورس کا حصہ تھے جس میں 170 فائٹرز، بمبار اور ٹینک کیلرز شامل تھے جو سعودی عرب، کویت اور بحرین میں ٹھہرائے گئے تھے۔ باخبر مشاہدہ کاروں کا کہنا تھا کہ امریکی فوجی اہلکاروں کی تعداد سعودی مملکت میں 15 سے 20 ہزار تک تھی جن میں کئی ہزار سولین کپڑوں میں ملبوس فوجی بھی شامل تھے جنہیں دہران، جدہ اور ریاض میں وزارت دفاع میں رکھا گیا تھا۔

طالبان کا سعودی حکومت کے اس معاملہ سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ غصہ تو لوگوں کا امریکہ پر تھا، جس نے سعودی عرب میں اسے عراق کے حملہ سے بچانے کے بہانے اپنی افواج رکھی تھیں۔ اب جبکہ امریکی سربراہی میں بنے ہوئے اتحاد نے عراقیوں کو کویت سے نکال باہر کیا تھا تو یہ مشن مکمل ہو گیا۔ ایسے میں بیزدنی افواج کا مزید وہاں رہنا بلا ضرورت تھا۔ اس سلسلہ میں اس کی موجودگی کے متعلق کوئی سرکاری وضاحتی بیان بھی نہیں تھا۔ غیر سرکاری طور پر یہ بتایا جاتا ہے کہ سعودی عرب میں امریکی جہازوں کی موجودگی عراق میں ”نوفلانی زون“ کو استحکام دینے کے لیے ہے۔ اس منطق میں کم از کم چار حوالوں سے خامی موجود ہے۔

1۔ واشنگٹن نے کھلے عام کویت اور بحرین سے دفاعی معاہدہ کا اقرار کیا تھا تو پھر سوال یہ ہے کہ پھر اُس نے ان دو مقامات تک اپنے آپ کو محدود کیوں نہ کیا اور سعودی عرب کو اس سے باہر کیوں نہ رکھا، جبکہ اسے تمام مسلمانوں کے نزدیک خصوصی مذہبی حیثیت حاصل ہے؟

2- جنوبی ”نوفلائی زون“ کو اگست 1992ء (یعنی جنگ خلیج کے خاتمہ کے سترہ مہینے بعد) تک قائم نہیں کیا گیا تھا جس کا مقصد بظاہر صدام حکومت کی کارروائیوں سے جنوبی عراق کی شیعہ آبادی کو محفوظ کرنا تھا۔ لہذا اس کا توجہ نہیں تھا کہ امریکی جہاز اس وقت سے پہلے وہاں رکھے جاتے۔

3- امریکہ کا پانچواں بحری بیڑہ مستقل طور پر بحرین میں موجود تھا جس کے ایک دو ایئر کرافٹ کیرئرز مستقل طور پر آبنائے فارس میں متحرک رہتے تھے۔ پھر کیا ضرورت رہ جاتی ہے کہ امریکی جنگی جہازوں کو سعودی سرزمین پر رکھا جائے۔ یہی چیز تو سعودی عوام کی ناراضی میں اضافہ کا سبب بنی جبکہ ان کا یقین یہ تھا کہ سعودی سرزمین پر امریکہ نے اسی طرح قبضہ کر رکھا ہے جس طرح کہ سوویت یونین نے افغانستان کی سرزمین پر قبضہ کر رکھا تھا۔

4- عراق کے حوالہ سے جو پابندیاں اقوام متحدہ کی طرف سے عائد کی گئی تھیں نوفلائی زون یا ان کا کوئی حصہ اس میں شامل ہی نہیں تھا۔ لہذا ان نوفلائی زون کو یو این او کا مینڈیٹ حاصل نہیں تھا۔ یہ امریکہ نے یکطرفہ (بد معاشی کے طور پر) قائم کئے تھے۔ (282)

اہم ترین بات یہ ہے کہ 2003ء میں عراق پر حملہ کی تیاری کے سلسلہ میں امریکہ نے سرکاری طور پر اعلان کر رکھا تھا کہ وہ سعودی عرب سے جلد اپنی افواج کا انخلا کرے گا لیکن یہ ایک دھوکا اور فریب تھا، جسے بروئے کار لا کر امریکہ عراق پر ناجائز حملہ کے لیے تائید حاصل کرنا چاہتا تھا۔

یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ اس تمام منظر نامے میں طالبان کا دور دور تک بھی پتہ نہیں، لیکن عجیب بات ہے کہ تمام نزلہ ان پر گرایا گیا۔ گویا وہ براہ راست واشنگٹن کی پالیسیوں میں دخیل ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکی سعودی منخرفین (اسامہ وغیرہ) کو ”اسلامی تشدد پسند“ اور طالبان کو ان کے محافظین کے طور پر پیش کرنا چاہتے تھے۔

لندن میں قائم مشرق وسطیٰ سے تعلق رکھنے والے انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف سٹریٹجک سٹڈیز کے ایک ماہر کا دعویٰ ہے کہ انھیں واشنگٹن ریاض کی ایک مشترکہ سٹریٹجی معاہدہ کا پتہ ہے جو نومبر 1979ء میں مکہ میں بغاوت کے بعد سعودی عرب اور امریکہ کے درمیان طے پایا۔ اگر کبھی شاہی خاندان کے خلاف کوئی بغاوت ہو جائے تو امریکی فوج کو اپنی پوری طاقت کو فرنٹ پر لا کر بغاوت کو کچلنے کے لیے 72 گھنٹے درکار ہوں گے۔ سالہا سال سے سعودی

وزارت دفاع امریکہ ہی سے بہت جدید اسلحہ خریدتی رہی ہے۔ لیکن پیٹاگان کے کان اُس وقت کھڑے ہو گئے جب جنرل نارمن شوواؤزکوف نے (جو جنگ خلیج میں امریکہ کی سرگرمی میں بنے ہوئے اتحاد کا کمانڈر تھا) بتایا کہ سعودی فوج خصوصاً ایئر فورس اس بہت ہی پیچیدہ اور جدید اسلحہ کو استعمال کرنے کے قابل نہیں۔ لہذا سعودی عرب کے اہم مقامات پر امریکی فوج کے اہلکاروں کی موجودگی ایک ناقابل گریز امر ہے، تاکہ کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں ایک بروقت اور فوری اشتراک عمل اور باہمی رابطہ کو یقینی بنایا جاسکے۔ پس منظر میں جو حقیقت تھی اس سے اسامہ اور دوسرے اس بات پر ہمنوا بن گئے کہ ان کے ملک کے حکمرانوں کی حفاظت کا ذمہ امریکہ نے لے کر ان کے ملک پر ایک گونہ قبضہ کر رکھا ہے۔ تب سے خلیج فارس میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات نے، جن میں عراق امریکہ تعلقات کو مرکزیت حاصل ہے، سعودی منخرفین کے نقطہ نظر کو سچا ثابت کر دیا ہے۔ ان لوگوں کو ایک مشترکہ نام ”القاعدہ کے دہشت گرد“ سے پکارا گیا، تاکہ ان کو ممکنہ حد تک بدنام کیا جاسکے۔

فروری 1998ء کے دوران بغداد، واشنگٹن کے تلخ تر ہوتے ہوئے بحران کے دوران جس کے نتیجے میں امریکہ کا بہت بڑا بحری بیڑا خلیج میں لنگر انداز ہوا، ان منخرفین (اسامہ اور ساتھیوں) نے پورے مشرق وسطیٰ کے حوالے سے ایک بیان شائع کیا۔

23 فروری 1998ء کو انٹرنیشنل اسلامک فرنٹ کے زیر اہتمام اسامہ بن لادن، ایمن الزواہری (جہاد الاسلام مصر) ابوباسر احمد طہ (جماعت الاسلامیہ مصر) شیخ میر حمزہ (جمعیت علماء پاکستان) اور فضل الرحمن (حرکت الجہاد بنگلہ دیش) نے ایک اعلامیہ جاری کیا، جس کی زبان وہی تھی جو اس سے پہلے افغانستان میں سوویت یونین کی موجودگی کے خلاف امریکہ نے استعمال کی تھی۔ لیکن واضح ہو کہ امریکہ کی پالیسیاں ان پابندیوں سے مبرا ہیں، جن کا وہ دوسروں پر اطلاق کرنا چاہتا ہے۔ آئی آئی ایف (انٹرنیشنل اسلامک فرنٹ) نے ان لوگوں کی بھی تائید کی جن کو یقین ہے کہ القاعدہ کے نام سے کوئی تنظیم کبھی تھی ہی نہیں۔ اعلامیہ میں کہا گیا تھا:

”سات سالوں سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا کہ امریکہ جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کے مقدس مقامات پر قبضہ کر کے اس کی دولت کو لوٹ رہا ہے، اس کے حکمرانوں پر اپنے احکام چلاتا ہے، اس کے عوام کی تذلیل کر رہا ہے، اس کے پڑوسیوں کو دہشت گرد کہہ رہا ہے اور اس کی سر زمین کو اپنے بیس بنا کر وہاں سے پڑوس کے مسلمان ملکوں پر حملہ آور

ہورہا ہے۔ طالبان نے تو ایسا کچھ ہی نہیں کیا جبکہ امریکہ یہ سب کچھ کرتا رہا ہے۔“ (263)

مزید کہا گیا:

”دوسرا یہ کہ عراقی لوگوں پر صلیبی صیہونی اتحاد کے ہاتھوں تباہی کے علی الرغم، امریکی ایک بار ہی اس خوفناک قتل عام کا اعادہ چاہتے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگر ان جنگوں کے پیچھے امریکہ کے مقاصد مذہبی اور اقتصادی ہوں، تو ایک مقصد اور بھی ہے اور وہ ہے یہودیوں کی چھوٹی سی غاصبانہ ریاست کے مقاصد کی تکمیل۔ ساتھ ہی یہ کہ یروشلم پر غاصبانہ قبضہ اور مسلمانوں کے وہاں قتل سے دُنیا کی توجہ ہٹادی جائے۔“ (264)

یہ نکتہ اب پوری طور ظاہر ہو چکا ہے کہ امریکہ کی مہمات ان مذہبی جنگوں کا حصہ ہیں جو وہ مختلف حیلے بہانوں سے دھوکا دے کر لڑنا چاہتا ہے۔ اس کا اطلاق اسرائیل کی مذہبی اور نسلی جذبات کے زیر اثر تیار کردہ ریاستی پالیسی پر بھی مکمل طور پر ہوتا ہے، جس کی رو سے وہ ناجائز طور پر دوسروں کی سر زمین پر قبضہ جمائے ہوئے ہے۔

وسط دسمبر 1998ء کے دوران واشنگٹن اور لندن کے عراق پر مشترکہ ہوائی حملوں کے بعد، طالبان نے اسامہ بن لادن کے حوالہ سے واشنگٹن کے مطالبہ کے جواب میں تجویز پیش کی کہ امریکہ اس کے خلاف ثبوت مہیا کرے، تاکہ اس کی روشنی میں اسے اسلامی عدالت میں لایا جاسکے مگر امریکہ نے تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔ لہذا دسمبر کے آخر میں طالبان کے چیف جسٹس نے اسامہ کی بے گناہی کا اعلان کر دیا۔ افغانستان سے روسی انخلاء کے ایک عشرہ بعد امریکہ اور سعودی پالیسی سازوں کی بالٹی میں ابال آیا۔ جیسا کہ اسسٹنٹ سیکرٹری آف سٹیٹ رچرڈ مرفی نے کہا کہ ”ہم نے افغانستان میں خوفناک اثر دھوں کی تخم ریزی کی ہے۔“ (265)

امریکہ کو بڑا صدمہ ہوا جب اس نے دیکھا کہ تحریک مزاحمت کا اثر دھا جس کے پنجے نکل آئے ہیں، مغربی چین سے الجزائر، اور وہاں سے امریکہ کے مشرقی ساحل تک پھیل گیا ہے۔ امریکہ کا خیال تھا کہ سوویت یونین کی قبضہ گیری اس کے اپنی قبضہ گیری سے کوئی مختلف شے ہے۔ اسے یہ خیال ہی نہیں رہا کہ حملہ تو اُس نے افغانستان (ایک ملک) پر ہی کیا ہے، تاہم وہ براہ راست یا بالواسطہ تقریباً تمام مسلم ممالک پر قابض ہو چکا ہے۔

سالوں بعد مشاہدہ یہ ہے کہ طالبان کو تو مؤثر طور پر قربانی کا بکرا بنا کر رکھ دیا گیا ہے، لیکن امریکی مداخلت کی لعنت جواب مذہبی جذبہ کے تحت جاری ہے، جانے کا نام نہیں لیتی۔

اب یہ اصل بلا ہے جو دنیا کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ اکیسویں صدی کی صلیبی جنگ اب یہاں جاری رہے گی کیوں کہ اس کی حقیقت یہ نہیں کہ یہ نائن الیون حادثہ کے رد عمل کے طور پر شروع کی گئی تھی، بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ نائن الیون کے واقعات سے بہت پہلے اس کی منصوبہ بندی ہو چکی تھی۔

طالبان کے حقیقی ”جرائم“

مغربی ذرائع ابلاغ کے ذریعہ مشہور کیے گئے اُن قصے کہانیوں کا طالبان کے اصل جرائم سے کوئی تعلق نہیں ہے جو اُن کے دوسروں پر مظالم اور انہیں زبردستی محکوم بنانے کے بارے میں ہیں۔ سعودی عرب میں شریعت کے نام پر فیصلے کرنا ایک معمول کی کارروائی ہے۔ اس کے باوجودہ امریکہ کا انتہائی قریبی اتحادی ہے۔ پے در پے آنے والی ہر انتظامیہ اس بادشاہت کا یقینی دفاع اپنا اہم فریضہ خیال کرتی ہے۔ اپنے ہاں طالبان نے جو سلوک اپنے دشمنوں سے کیا، وہ اُس کے ذرہ برابر بھی نہیں جو انتہائی ظالمانہ سلوک اسرائیلی 1940ء سے فلسطینیوں سے کرتے آرہے ہیں۔ اسرائیل پر حکومت کی تبدیلی کے لئے حملہ کئے جانے کے بجائے تمام مغربی طاقتیں یک جان ہو کر اُس کے دفاع کو مضبوط تر بناتی ہیں۔ امریکہ اس انتہائی متعصب نسلی امتیاز کے معاملے میں دوسروں پر خاص سبقت رکھتا ہے۔ خاص طور پر امریکہ انتہائی متعصب نسلی امتیاز حقوق انسانی کو پامال کرنے، دوسروں کو محکوم بنانے، اور اُن پر ظلم کرنے میں باقیوں پر سبقت رکھنے کے باوجود کسی کو جواب دہ بھی نہیں ہے۔ طالبان نے اپنے ملک میں اپنے مخالفین سے ایسا سلوک نہیں کیا جیسا اسرائیلیوں نے اپنے مسلح فوجی دستوں کے ذریعے سے تلکرم، میروان اور رملہ میں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار کر کیا۔ طالبان نے اسرائیل کے کم درجے کے انسان دشمن مظالم کی طرح مثلاً 218 افغان دیہاتوں کا پانی بھی کبھی بند نہیں کیا۔

طالبان کی انسانی حقوق کی پامالی کی داستانیں اس وجہ سے غیر اہم نہیں ہیں کہ دو غلطیاں ایک درست بات کو جنم دیتی ہیں۔ بلکہ افغانستان پر امریکی حملہ اور قبضہ کسی بھی سبب سے جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اسامہ کے بارے میں بھی امریکہ نے صدام کی طرح بولے گئے جھوٹ اور جھوٹے ہتھکنڈوں کا استعمال کیا۔ فروری 2001ء میں طالبان نے مذاکرات کے ذریعہ سے ایسا حل ڈھونڈنے کی تجویز دی جس سے دونوں ملکوں کی ساکھ برقرار رہے۔ طالبان کے سفیر ملا عبدالسلام ضعیف نے اسلام آباد میں پاکستان بزرگ کو ایک انٹرویو میں کہا: ہم اس تلخ مسئلے کا ایسا

حل چاہتے ہیں جو افغانستان اور امریکہ دونوں کے لئے قابل قبول ہو۔ انہوں نے یہ انکشاف کیا کہ طالبان وزیر خارجہ نے ایک خط کے ذریعہ فروری 2001ء میں اسامہ کے مسئلے کے باعث حل کے لئے امریکہ کو دوطرفہ مذاکرات کی دعوت دی تھی۔ ہم اب بھی امریکہ کے جواب کے منتظر ہیں، اور ایک مثبت جواب کی اُمید رکھتے ہیں۔ امریکی وزیر خارجہ کے دفتر کے ایک پیغام کے مطابق ملا عمر نے امریکی وزارت خارجہ کو ٹیلیفون پر مذاکرات کی دعوت دی۔ یہ تائن الیون اور امریکہ کی طرف سے لگائی گئی پابندیوں سے بہت پہلے کی بات ہے۔ ایک دن قبل کہ جب مل کنٹین نے 1998ء میں افغانستان کے خلاف میزائل داغے۔ معاملات کو بگاڑنے کے لئے افغانستان پر یہ حملہ امریکہ کے ایک سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ تھا۔ 30 جنوری 2004ء کو ہنری شسٹر کی سی این این پر جاری کردہ رپورٹ اور دوسری اطلاعات کا موازنہ کریں تو معاملہ سمجھ میں آ جاتا ہے۔ شسٹر کی رپورٹ کے مطابق امریکہ نے طالبان کو اسامہ کی ملک بدری کے لئے تین بار کہا۔ آخر کار افغانستان اور خود اسامہ نے جب اس بات کو تسلیم کیا تو امریکہ نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ امریکی مطالبہ تھا کہ اسامہ کو امریکہ کے حوالے کیا جائے۔

ملا عمر کی 19 ستمبر 2001ء کی ایک تقریر اس بات کا ثبوت ہے کہ افغانستان اسامہ کے معاملے میں پُر امن حل کا خواہاں تھا، لیکن امریکی ہٹ دھرمی آڑے آئی۔ اُس نے کسی حل کو نہ مانا۔ معاملہ بالکل سادہ تھا کہ امریکہ ہر قیمت پر اپنے مفاد میں اپنے منصوبے کے مطابق افغانستان پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ مختصر یہ کہ طالبان کے درج ذیل نام نہاد جرائم ایک انوکھی ہم کاسب بنے۔

۱۔ باب 3 کے مطابق سب سے پہلا سبب طالبان کا موجودہ دور کی خود مختار حکومتوں کے نظریہ سے خود کو تبرج دور کرنا تھا۔ اور وہ اضافی آزادی جس کے تحت افغانستان میں اہم اسلامی اصولوں کا نفاذ اور غلط نظریات کا خاتمہ ہونے جا رہا تھا۔

۲۔ اسلامی نظام سے خوفزدہ افراد اس بات سے چونک گئے تھے کہ طالبان افغانستان میں ایک مثالی اسلامی امارت قائم کرنے کے خواہاں تھے۔ اس چیز کے مد نظر اسلام سے خوفزدہ افراد نے کمیونسٹوں اور دہریوں سے اتحاد کر لیا۔ خود کو میانہ رو کہلانے صرف نام کی حد تک مسلمان افراد بھی اُن کے ساتھ شریک ہو گئے۔ وہ طالبان کے کسی غلط اقدام کو بے انتہا مبالغہ آرائی سے کئی گنا بڑھا چڑھا کر پیش کرتے۔ وہ ان اقدام کو ایسے پیش کرتے گویا تاریخ انسانی میں پہلے نہ کبھی ایسا ہوتا دیکھا گیا نہ سنا گیا۔ اسلامی معاشرے اور اسلامی حکومت کو الزام دینے کے لئے وہ طالبان کو

بھوتوں سے تشبیہ دیتے۔ آج اُن کی اکثریت امریکی مفاد کو تقویت دینے کے لئے کامل میں مختلف فرائض انجام دے رہی ہے۔

ج۔ تیسرا بہت اہم اور طاقتور عنصر شراکتی اداروں اور تیل کی صنعت سے وابستہ افراد کا ہے جو اس علاقے میں اثر و رسوخ حاصل کرنے کے خواہاں تھے۔ یہ عنصر طالبان سے تعلق بنا بھی رہا تھا اور ساتھ ساتھ طالبان کے متبادل کی تلاش میں بھی تھا تا کہ اس علاقے میں اختیار حاصل کر کے امریکی منصوبے کی تکمیل کی راہ ہموار کر سکے۔

طالبان کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ کارپوریٹ دہشت گردوں، نوکاز اور اسلام دشمن دانشوروں کے معاون میڈیا سے مؤثر طور پر نپٹ نہ سکے۔ یہاں آکر مغربی صحافی طالبان کو جتانے کے لیے یہاں کی اصل صورت حال اور طالبان رہنماؤں کے بیانات کو صحیح صحیح رپورٹ کرنے کا وعدہ کرتے تھے، لیکن جب واپس اپنے ملکوں میں جاتے تو حقائق کو بدل کر بالکل متضاد رپورٹیں تیار کرتے تھے۔

کابل یونیورسٹی کے وائس چانسلر پیر محمد روحانی کے پاس ایک فائل ان مراسلات سے بھری ہوئی تھی جن کے ذریعے انھوں نے تمام مغربی ڈونرز سے اپیل کی تھی کہ وہ آکر بچیوں کے سکولوں کی از سر نو تعمیر میں ان کی مدد کریں۔ ان تمام درخواستوں کو منظور کرنے کے لیے یہ شرائط رکھی گئیں کہ تمام تعلیمی سہولیات مخلوط نظام تعلیم کی یقین دہانی پر ہی مہیا کی جائیں گی۔ روحانی رپورٹرز کو بتایا کرتے تھے کہ طالبان لڑکیوں کی تعلیم کے بالکل خلاف نہیں ہیں۔ ان کے پاس خواتین کی تعلیمی سہولیات کو از سر نو بحال کرنے کے لیے فنڈز اور ذرائع نہیں۔ تاہم یہ رپورٹرز اتنا تعصب برتتے کہ واپس جا کر رپورٹ دیا کرتے تھے کہ طالبان نے خواتین کی تعلیم پر پابندی عائد کر دی ہے۔ یہ ان معاملات میں سے صرف ایک مثال ہے، جن کے ذریعے طالبان کو بدنام کیا جاتا تھا۔

اس کے باوجود کہ میڈیا، اسلام دشمن دانشور اور مذہبی فرنٹ کے حقیقی کروسیڈرز ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ مصروف عمل تھے، انھوں نے ایک دوسرے کے ایجنڈے کو اس حد تک تقویت پہنچائی اور اس حد تک ایک دوسرے کے معاون رہے کہ مغربی امپیریلزم اور پروپیگنڈا پر سخت تنقید کرنے والے بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے عناصر بھی اس کذب بیانی کا شکار ہوتے چلے گئے۔ ذیل کا تجزیہ اس کی مزید وضاحت کرے گا۔

طالبان کو رام کرنے کے لیے کارپوریٹ گروہوں نے ترغیب و ترہیب (carrot and stick) کا طریقہ اختیار کیا تھا۔ اگر طالبان غیر مشروط تعاون پر ذرا بھی آمادگی ظاہر کرتے تو امریکہ ان کی حکومت تک کو تسلیم کرنے پر تیار تھا۔ لیکن ہوا یہ کہ اسلام مخالف یا اسلام خائف گروہ نے اتنی پھرتی دکھائی کہ کارپوریٹ گروپ بھی اپنی تزویراتی پالیسیوں پر نظر ثانی کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ آخر کار انھوں نے فیصلہ کر ہی لیا کہ وہ طالبان کا سہارا لینا چھوڑ دیں، اس لیے کہ انھیں واشنگٹن کے مکمل کنٹرول میں متبادل مکمل تابع مہمل حکومت دستیاب ہو سکتی ہے۔ اب وہ حکومت ان کو حاصل ہو چکی ہے۔ کابل میں نیپلٹی کا سربراہ حامد کرزئی سینکڑوں امریکی باڈی گارڈز کے حفاظتی حصار کے بغیر ایک دن بھی نہیں رہ سکتا، جبکہ اس کا اقتدار امریکی کامرہون منت ہے۔ لہذا اس کا یا را نہیں کہ وہ امریکی حکم سے سرتابی کر سکے۔

رابن رافیل کی یہ بات کہ طالبان کے عہد میں امریکی مفادات کی نفی ہو رہی تھی بالکل غلط اور ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹس کے برعکس ہے جس کے مطابق:

”بہت سے افغان تجزیہ کاروں کا خیال ہے کہ امریکہ کے طالبان ملیشیا کے ساتھ

بہت قریبی سیاسی روابط تھے۔ وہ اس سلسلہ میں ان مہینوں کے دوران طالبان

نمائندوں کی امریکی یا ترا اور امریکی وزارت خارجہ کے سینئر افسران کے قہقہہ آواز

کا حوالہ دے رہے ہیں، جن میں ایک وہ دورہ بھی شامل ہے جو جلال آباد پر قبضہ

کرنے سے عین پہلے ہوا تھا۔“ (273)

امریکی اعلیٰ حکام کے حقائق کو اس طرح جھٹلانے کے عمل نے طالبان اور بقیہ دنیا کو اصل

امریکی عزائم سے اندھیرے میں رکھا، جن کے نتائج اب ظاہر ہو رہے ہیں۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل

کی ایک رپورٹ میں اخبار گارڈین کے ایک تبصرے کی طرف اشارہ ہے۔

”1996ء کے وسط میں سینٹر طالبان نے واشنگٹن میں منعقدہ ایک کانفرنس میں شرکت

کی۔ اسی طرح امریکی سفارت کار باقاعدگی کے ساتھ طالبان ہیڈ کوارٹرز آتے

جاتے رہے۔“ طالبان ان ترغیبات کے پیچھے اصل عزائم کو نہ سمجھ سکے۔ گارڈین کا کہنا

ہے ”اس آنے جانے کے عمل کی توجیح اگرچہ ممکن ہے تاہم طالبان کے ضمن میں

امریکی حکام کا لائحہ عمل اور وقت کا تعین غیر یقینی معاملات ہیں۔“ (274)

امریکی کارپوریٹ میڈیا کی اس وقت کی رپورٹیں اور تجزیے ریکارڈ پر موجود ہیں۔ ان

میں امریکہ کے افغانستان کو پامال کرنے اور اس پر کنٹرول حاصل کرنے کے عزائم کی بہت کم نشاندہی ہوتی ہے، تاہم یہ ان تفصیلات سے بھری پڑی ہیں جن میں طالبان کو تاریخ کی بدترین وحشی مخلوق کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان دو باتوں (یعنی ان رپورٹوں میں طالبان کو بدنام کرنے کے لیے بھرپور تفصیلات کی موجودگی اور امریکی عزائم پر پردہ ڈالنے کے لیے اس کے متعلق تفصیلات کی عدم موجودگی) نے تجزیہ کاروں کی اکثریت کو ابہام سے دوچار کئے رکھا، جس کی وجہ سے وہ صحیح نتیجہ اخذ نہ کر سکے۔ وجہ یہ ہے کہ اس پورے کھیل کے پیچھے ایک طرف کروسیڈر تھے تو دوسری طرف تیل کے بھوکے کارپوریٹ دہشت گرد۔ اس سلسلہ میں بین سی و بجن لکھتا ہے کہ

”کارپوریٹ میڈیا دہشت گردی کو تیز کرنے میں امریکی کردار پر خاموش رہا۔ مغرب کی طرف سے دہشت گردی پر بہت کم رپورٹنگ کی گئی۔ ان انٹیلی جنس روابط کے متعلق کچھ نہیں کہا گیا جو امریکہ کے اسلامی گوریلوں کے ساتھ تھے، اور جو جنگ کا جواز مذہب کے حوالہ سے دے رہے تھے، ان کا تعلق ٹریپولی اور تہران کی بہ نسبت، لانگلے ورجینیا (Langly, Virginia) کے ساتھ زیادہ قریب تھا۔ افغان خانہ جنگی کے لیے بھرتی کی مہم میں سی آئی اے اور ضیاء الحق نے اس خطے میں اسلام پسندوں کو اس امر پر ابھارا کہ وہ اس جنگ کو جہاد کے طور پر عوام کے سامنے پیش کریں۔“ (275)

بہت سے لوگوں کو یہ تو نظر آتا ہے کہ کارپوریٹ دہشت گرد اور امریکی انتظامیہ طالبان کو ساتھ ملانے کے کام میں لگی ہوئی تھی، جبکہ دوسری طرف ان کو یہ نظر نہیں آتا تھا کہ اسلام خائف کروسیڈرز میڈیا کے ذریعے طالبان کو بدنام کرنے کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔

نائن الیون کا اسٹیج تیار: منصوبہ بند صلیبی جنگ شروع ہوتی ہے

جار جیا کے سابق سینیٹر اور نائن الیون کمیشن کے سابق ممبر میکس سلی لینڈ کا کہنا ہے:

”انھوں نے جنگ شروع کے لئے پلان بنایا تھا۔ اور جب نائن الیون کا حادثہ رونما ہوا جو انھوں نے خود کیا، تو جنگ شروع کر دی گئی۔“

نائن الیون کی سرکاری توضیح یہ ہے ”کہ افغانستان کے کسی غار میں بیٹھ کر کسی نے یہ منصوبہ ترتیب دیا اور اسے 19 عرب انتہا پسند و UNDP 09 Jahliyat 2015.INP نے عملی جامہ پہنایا، کیونکہ انھیں ہماری آزادیوں سے نفرت ہے۔“ (278) اور یہ حملے اس لئے کامیاب ہوئے کہ ذمہ داران اس امر سے بے خبر تھے کہ وہ دہشت گردی کے خلاف حالت جنگ میں ہیں (277) اور یہ کہ انٹیلی جنس ادارے ایک دوسرے کے ساتھ اطلاعات کا تبادلہ نہ کر سکے، نیز یہ حملے اتنے پھرتی اور چابکدستی سے کئے گئے تھے کہ امریکی دفاعی نظام کو کوئی پتہ ہی نہیں چلا کہ کیا کچھ ہونے والا ہے۔“ (یہ ہے منطق۔)

یہ کتنی غیر منطقی بات ہے کہ اتنے سارے سسٹم بیک وقت فیل ہو گئے۔ ہو سکتا ہے، بعض لوگ اس پر یقین کریں، تاہم وہ یقیناً چکر جائیں گے، جب وہ اس کے بالکل برعکس دلائل کی روشنی میں اس واقعہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس باب میں ان دستیاب شہادتوں کے حوالہ سے بات ہوگی جن کی رو سے یہ ثابت ہوگا کہ نائن الیون کا واقعہ ایک ”اندرون خانہ“ سازش تھی جو اس غرض سے مرتب کر کے رو بہ عمل لائی گئی کہ پہلے سے طے کردہ افغان جنگ کے لیے جواز گھڑا جاسکے۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ نائن الیون کا ڈراما افغانستان پر قبضہ اور طالبان حکومت کو گرانے کے لیے رچایا گیا۔ اس تناظر میں امریکہ کی کچھ اندرونی سیاسی وجوہات بھی پیش کی جاسکتی ہیں، جن کی وجہ سے بُش انتظامیہ کو نائن الیون کے لیے منصوبہ بندی کرنی پڑی۔ مثلاً بُش نے ریاست فلوریڈا میں قانون کی آنکھوں میں دھول جھونک کر غیر قانونی طور پر اقتدار تک

رسائی حاصل کی تھی، جس کی وجہ سے وہ تضحیک کا نشانہ بنا تھا۔ یہ عام بات ہے کہ جنگوں اور دوسری ایمر جنسیوں کے دوران عوام اپنی لیڈر شپ کے پیچھے متحد ہو جاتے ہیں۔ جب نائن الیون وقوع پذیر ہوا تو بُش کی حیثیت متنازعہ نہ رہی۔ افغانستان اور بعد ازاں عراق کی جنگ نے اُس کے دوبارہ انتخاب کو بھی یقینی بنایا، کیونکہ لوگ عام طور پر دوران جنگ موجود صدر کے خلاف ووٹ نہیں دیا کرتے۔ دوسری ممکنہ چیزیں جو نائن الیون کے لیے آمادگی کا سبب بنیں، اُن میں گیس پائپ لائن اور ایندھن کی ضروریات بھی ہو سکتی ہیں۔ لیکن پھر ایک بہت اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ چیزیں ان ”اندرون خانہ“ عناصر کو نائن الیون جیسے حد درجہ ظالمانہ جرم پر تیار کرنے کے لیے کافی ہیں؟ اس سلسلہ میں اس کتاب کے باب اول تا چہارم میں دی ہوئی وجوہات کا ایک سرسری جائزہ کافی ہے، جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ بات ان اندرونی سیاسی وجوہات تک محدود نہیں تھی۔

یہاں ہم نگاہ اس بات پر مرکوز کریں گے، کہ سرکاری کہانی کے بالکل خلاف نائن الیون کا واقعہ القاعدہ نیٹ ورک کی دسترس سے بالکل باہر ہونے والا واقعہ ہے۔ اگر کوئی سرکاری کہانی کو سچ تسلیم کرتا ہے تو اسے یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ حملہ کے لیے جس آسان اور موزوں ترین وقت کا انتخاب کیا گیا تھا وہ بالکل اتفاقی بات تھی۔ جبکہ اصل بات یہ ہے وسط اکتوبر میں افغانستان پر حملہ کا منصوبہ ترتیب ہی اس لئے دیا گیا کہ اُسے امریکہ کے اندر ”دہشت گرد حملہ“ کے ساتھ جوڑ دیا گیا تھا۔ واشنگٹن کے دارلارڈز یہ جانتے تھے کہ یہ واقعہ وقوع پذیر ہونے والا ہے اور یہ سب سے بڑی شہادت ہے جو سرکاری کہانی کو جھوٹا ثابت کرتی ہے۔ یہ دستیاب شہادت بہت سے امریکی تجزیہ کاروں کو اس نتیجہ پر پہنچاتی ہے کہ صرف یہ نہیں کہ نائن الیون کے متعلق پہلے سے علم تھا بلکہ یہ کہ یہ ایک ”اندرون خانہ“ معاملہ تھا۔ تاہم اتنی حقیقت جاننا تو ابتدا ہے، انتہا کو سمجھنا ابھی باقی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس بڑے کھیل (game plan) کو سمجھ سکیں، جس کے لیے نائن الیون کو بطور لاپتہ پیڑ استعمال کیا گیا۔

بہت ساری کتابیں (278) رپورٹس، (279) DVDs، ویڈیوز اور فلیش موویز (280) اب دستیاب ہیں، جو نائن الیون کے سرکاری جھوٹ کو بے نقاب کرنے کے لیے کافی ہیں۔ جو کڑی موجود نہیں وہ صرف یہ ہے کہ اس مقصد (ہدف) کی نشاندہی کی جائے جس کے لیے نائن الیون کے متعلق جھوٹ پر مبنی سرکاری کہانی گھڑی گئی۔ اس سے تو بات نہیں بنے گی کہ ہم محض یہ کہنے پر

اکتفا کریں کہ یہ ایک ”اندرون خانہ“ معاملہ تھا اور یہاں بات ختم ہو جائے، اور یہ فرض کر لیں کہ ایک منضبط طریقے سے ورلڈ ٹریڈ سینٹر کو گرانے اور 3000 بے گناہ انسانوں کو ہلاک کرنے سے سازشیوں کا کوئی اور مقصد اور غرض نہیں تھی سوائے بلڈنگ کو منہدم کرانے کے؟ (ایسا سوچنا تو بالکل خلاف عقل بات ہوگی) کینڈین نیشنل ٹی وی کا میزبان ہیری وکراپنے شو میں بتاتا ہے کہ

”یہ ناممکن ہے کہ کوئی بھی صحیح انسان نائن الیون کے متعلق شہادتوں کے انبار سے تھوڑا سا حصہ بھی سمجھے اور اسے یہ جاننے میں ذرا بھی مشکل کا سامنا ہو کہ نائن الیون کا گھڑا ہو آپریشن اور اس پر عمل درآمد و ہائٹ ہاؤس ہی میں ترتیب شدہ تھا اور اگر ان میں عرب تھے تو ان کو تفصیلات سے بے خبر رکھا گیا تھا۔“ (281)

جس دستیاب شہادت کی رو سے نائن الیون کے واقعہ کی امریکی حکومت مرتکب قرار پاتی ہے، اس کے خلاف اس کے سوا کوئی دلیل پیش نہیں کی جاسکتی کہ امریکی امریکیوں کو نہیں مارا کرتے۔ (281) اس قسم کے دلائل کا بہترین جواب تو ڈبلیو جی تار پلے کی کتاب میں دیا گیا ہے۔ اپنی 480 صفحات کی کتاب میں امریکی تاریخ دان نے چار ہمہ گیر پہلوؤں سے بحث کی ہے۔ 1۔ موجودہ oligarchy (چند ایک ہاتھوں میں حکومت) خصوصاً اینگلو امریکن اتحاد کے حوالے سے بحث۔

2۔ بنکاروں اور ان کے دوسرے (کم حیثیت) ساتھیوں کے اثر و رسوخ کے حوالے سے بحث۔
3۔ ان خفیہ ایجنٹوں کے حوالے سے بحث جن کو ”موت کے سفیروں“ کا نام دیا جاسکتا ہے اور جن کا تاریخی اعتبار سے ایک اہم کردار ہے اور جو اپنے آقاؤں کے اشاروں پر جھوٹے آپریشنوں کو عملی جامہ پہنانے میں ماہر ہیں۔

4۔ سب سے ضروری عنصر یعنی کارپوریٹ میڈیا جو ناقابل گریز حقیقت ہے، کیونکہ اس کے بغیر آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ اپنی سرکاری توضیح کو قابل یقین اور سچا بنانے کے لیے آپ کو اسے پھیلا نا اور لوگوں کے ذہنوں میں بٹھانا ہے، تاکہ سرکاری کہانی کا جھوٹا پن، تضادات اور ناممکنات کو چھپایا جاسکے۔ (283)

نائن الیون کی اصل حقیقت کے سلسلے اُن میں چند قابل قدر اور قابل غور تصانیف کا حوالہ مفید رہے گا جو نائن الیون کی امریکی سرکاری کہانی کو طشت از بام کرنے کے لیے کافی ہیں۔

جیسے برطانوی محقق نفیز احمد کی کتاب، "The War on Truth: 9/11, Disinformation and the Anatomy of Terrorism" (2005) طرح کیلی فورنیا کے عالم دینیات اور فلسفی ڈیوڈ رے گریمفن کی دو کتابیں ہیں:

(i) The New Pearl Harbor: Disturbing Question about the Bush Administration and 9/11 (2004)

(ii) The 9/11 Commission Report: Question and Distortures (2005)

(یہ دونوں کتابیں Olive Branch Press نے شائع کی ہیں۔) اس کے علاوہ مائیکل روپرس کی تصنیف

"Crossing the Rubicon: The Decline of the American Empire at the End of the Age of Oil" (2004) اسے New society publishers of Gabriola نے شائع کیا ہے۔

روپرس پہلا صحافی ہے جس نے برسر عام اپنے نیوز لیٹر "From the Wilderness" میں کہا تھا کہ ٹائن الیون ایک False-flag operation ہے۔ اس نے ڈک چین کی آپریشن کا ماسٹر مائنڈ بتایا ہے۔

ان ابھرتے ہوئے حقائق کے برعکس ٹائن الیون سانحہ کے اصل سازشی بُش اور ڈک چین دُنیا کو باور کرانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ تاریخ عالم میں ہونے والے اس سب سے بڑے واقعہ کی صبح ہوائی جہازوں کی ہر چیز اصلی حالت میں تھی۔ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی غیر مجاز یا ناقابل شناخت جہاز داخل ہوتا ہے، یا جہاز سے رابطہ منقطع ہو جاتا ہے یا عام شیڈول کے خلاف کوئی معاملہ ہو جاتا ہے، (ضروری نہیں کہ اس سے کسی قسم کا خطرہ لاحق ہو) تو فوری طور پر ایئر فورس کو الارٹ کیا جاتا ہے اور جیٹ فائٹرز فضا میں بھیج دیئے جاتے ہیں۔ ٹائن الیون کے حوالہ سے جو خلاف معمول بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ایسے اقدامات اٹھائے ہی نہیں گئے۔ اس موقع پر ہائی کمان کے حکم کے بغیر ایئر فورس کو خود بخود ایکشن میں آنا چاہیے تھا، مگر ایسا نہیں ہوا۔ چاروں جہازوں میں سے ہر ایک کے لیے عام طریق کار کو ترک کیا گیا۔ چند ایک ناراض مسلمانوں کے لیے یہ بات ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنے خوفناک مشن کی تکمیل

کے لیے دنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ کیونٹکشن سسٹم جام کر سکیں۔ یہ بالکل ہی ناممکن ہے۔
 حیرت ہے کہ چار مسافر جہاز 11 ستمبر 2001ء کو نہایت کامیابی کے ساتھ ہائی جیک کر لیے
 گئے۔ فلائٹ نمبر 11 نے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے شمالی جانب کریش کیا۔ فلائٹ 175 نے اُس کے
 جنوب میں کریش کیا۔ فلائٹ 77 نے پینٹاگون میں کریش کیا اور فلائٹ 93 نے پنسلوینیا کے
 اطراف میں کریش کیا۔ جس وقت جہازوں کی ہائی جیکنگ اور ٹکرانے کا عمل جاری تھا، اُس
 وقت ناتھ امریکن ایئر ڈیفنس کمانڈ (NORAD) بھی ایک اہم آپریشن "Operation
 Northern Vigilance" میں مصروف تھا۔ وہ اس وقت اپنے پورے سٹاف سمیت
 الرٹ حالت میں تھا اور سینئر افسران تمام شیٹنوں پر موجود اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔
 جب پہلے جہاز کی ہائی جیکنگ کی خبر آئی تو تمام چین آف کمانڈ موجود اور تیار تھی۔ مگر کوئی دفاعی
 تدبیر نہیں کی گئی، حالانکہ معاملہ اس بات کا متقاضی تھا کہ ان دہشت گردانہ حملوں کے جواب
 میں ایک فوری رد عمل ظہور پذیر ہونا چاہیے تھا۔ (284) چاروں "ہائی جیک" شدہ جہاز فیڈرل
 ایوی ایشن اتھارٹی (FAA) کے راڈار پر تھے اور امریکہ کے ملک بھر کے ایئر ٹریفک کنٹرولرز
 (ATCs) ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ میں تھے۔ اگلے سیکشن میں یہ بات واضح ہو جائے گی
 کہ امریکی نائب صدر فلائٹ 77 کو جو پینٹاگون کی طرف بڑھ رہی تھی، کئی میلوں سے مانیٹر کر
 رہا تھا۔ انٹر سپشن (یعنی کسی غیر متعلقہ جہاز کی راہ میں مزاحم ہونا) کے معمول کے طریق کار میں
 مداخلت کے چونکہ جونیر افسران مجاز نہیں تھے، اس لئے اس سسٹم کا حرکت میں نہ آنا یہ ثابت
 کرتا ہے کہ یہ کسی بڑی اتھارٹی کے حکم پر حرکت میں آنے سے باز رہا جس کے لیے احکام بھی
 خفیہ طور پر دیئے جا چکے تھے۔

امریکی انتظامیہ اور مرکزی دھارے میں شامل میڈیا نے نائن الیون کے متعلق ہر حقیقی
 تشویش اور متعلقہ سوال سے پہلو بچانے کی کوشش کی ہے، لیکن حقیقت کو چھپایا نہیں جاسکتا۔
 اینڈریو ایریٹس سے جو پینٹاگون سے صرف دس میل کے فاصلے پر واقع ہے، فلائٹ نمبر 77 کو
 باسانی انٹر سیپ کیا جاسکتا تھا، لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ حالانکہ یہ انٹر سپشن اینڈریو ایریٹس سے
 بھی پہلے ہونا چاہیے تھی۔ چونکہ ایسا نہیں ہوا، لہذا یہ تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ نائن الیون کے
 متعلق سرکاری کہانی ایک مشکوک داستان ہے۔

اگر کوئی سرکاری کہانی پر یقین کرے بھی تو بہت ساری چیزیں ایسی ہیں، جو کسی بھی منطق

کی رو سے ٹھیک نہیں بیٹھتیں۔ مثلاً صبح 9 بج کر 5 منٹ پر پیناگون کو معلوم ہو چکا تھا کہ دو ہائی جیک شدہ طیارے ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرا گئے ہیں اور کم از کم ایک اور ہائی جیک شدہ طیارہ اب بھی لاپتہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس لمحہ یہ معلوم نہ ہو کہ فلائٹ 77 واشنگٹن کی طرف بڑھ رہی ہے، لیکن یہ تو معلوم ہو چکا تھا کہ ایک بہت بڑا حملہ ہونے والا ہے یعنی ایک اور جہاز کسی بھی جگہ ٹکرانے کے ارادے سے محور واز ہے۔

ان حقائق کی کچھ جھلکیاں سرکاری کہانی میں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ اینڈریو ایئر بیس پر فائٹرز تیار کھڑے تھے۔ تاخیر سے بھی ہو تو کم از کم 9 بج کر 25 منٹ پر تو معلوم ہو چکا تھا کہ فلائٹ 77 واشنگٹن کی طرف بڑھ رہی ہے۔ نہ صرف یہ کہ ایک اینڈریو ایئر بیس پر فائٹرز کھڑے کے کھڑے رہے بلکہ جہاں سے ابتدائی طور پر جہاز کو ”ہائی جیک“ کیا گیا تھا وہاں علاقہ کو کور کرنے کی ذمہ داری جس سکواڈرن کی تھی، وہ بھی حرکت میں نہیں آیا۔

9 بج کر 41 منٹ پر (یعنی پیناگون کے ساتھ ٹکرانے سے صرف دو منٹ پہلے) دو ایف 16 فائٹرز لائلے ایئر بیس سے انٹرپشن کے لیے روانہ کئے گئے۔ لیکن لائلے ایئر بیس 130 میل کی دوری پر ہے۔ اس لئے ان جہازوں کو فلائٹ 77 کو انٹرپسپ کرنے کی کوئی اُمید نہیں تھی۔ سرکاری کہانی میں یہ کہا گیا ہے کہ اینڈریو ایئر بیس پر اس دن کوئی فائٹرز موجود نہیں تھے۔ امریکی تحقیق کاروں نے اس کو جھوٹ قرار دیا ہے۔ کیونکہ اینڈریو ایف بی ویب سائٹ کا ایک صفحہ جو 12 ستمبر 2001 کو ہٹایا گیا تھا، یہ بتاتا تھا کہ بیس پر ایف 16 فائٹرز موجود تھے جو فلائٹ 77 کو انٹرپسپ کر سکتے تھے۔ (285)

اینڈریو ایئر بیس پر فائٹرز کا خاص مینڈیٹ یہ ہے کہ وہ واشنگٹن ڈی سی کے تحفظ کے ذمہ دار ہیں۔ اگر وہ موجود نہیں تھے تو پھر واشنگٹن ڈی سی (پیناگون) پر حملہ ہونے سے چند منٹ بعد وہ آسمان پر کیسے نمودار ہو گئے؟ اگلے ہی دن روسی ایئر فورس کے کمانڈر انچیف نے بھی سرکاری کہانی کے اس حصہ پر شکوک کا اظہار کیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ”عمومی طور پر یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ کے کل کے منظر نامے کے حالات میں کوئی دہشت گردانہ کارروائی کی جاسکے۔ جیسے ہی اس طرح کا کوئی وقوعہ پیش ہو رہا ہو تو مجھے براہ راست اس کی رپورٹ کی جاتی ہے اور ایک ہی منٹ میں ہم پوری طرح چوکس ہو جاتے ہیں۔“ (286)

برٹس ایم پی مائیکل میجر نے بھی ان الفاظ میں اپنے شکوک کا اظہار کیا ہے۔ ”یہ امریکہ

ہے جو عسکری ٹیکنالوجی کے لحاظ سے دنیا کا سب سے زیادہ طاقتور ملک ہے۔ اور یہ یقین کرنا ناممکن ہے کہ وہ اس حد تک ناکام ثابت ہو سکے۔“ (287)

سرکاری کہانی کا ایک اور حصہ یہ ہے کہ ذمہ داران نے اس وقت یہ سمجھا کہ جہاز وہاٹ ہاؤس کو نشانہ بنانے والا ہے۔ یہ تشریح اور بھی بے معنی بن جاتی ہے کیونکہ ایسی صورت حال تو اس کی زیادہ متقاضی تھی کہ امریکی ایئر فورس اور بھی تیزی سے حرکت میں آ جاتی۔ مزید برآں اگر ایسی کوئی بات تھی، جیسا کہ دعویٰ کیا گیا ہے تو پھر کیا وجہ تھی کہ وہاٹ ہاؤس کو خالی نہیں کیا گیا۔ ہاں یہ خالی کیا گیا مگر پینڈاگون پر حملہ سے دو منٹ بعد۔

فلائٹ 77 کے ٹرانسپونڈر (transponder) کے بند ہونے اور جہاز کے پینڈاگون کے ساتھ ٹکرانے کے دوران 44 منٹ کا وقفہ ہوا۔ عام حالات میں بھی ٹرانسپونڈر کے بند ہونے کے بعد چاہے تھا کہ خود کار انٹرپشن سسٹم کام شروع کر دیتا، (44 منٹ تو بہت زیادہ وقفہ ہے)۔ یہ اور بھی دور از کار معاملہ ہے کہ اس حالت میں کہ جس وقت فلائٹ 77 کا ٹرانسپونڈر آف کیا گیا یعنی صبح 8 بج کر 56 منٹ (288) پر، تو اس وقت پہلے سے 10 منٹ کا وقت گزر چکا تھا جب ایک ہائی جیک شدہ یونائیٹڈ ایئر لائنز فلائٹ 175 ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرانے لگی تھی اور اس کے پانچ ہی منٹ بعد یہ معلوم ہوا تھا کہ ایک تیسرا جہاز امریکی ایئر لائنز فلائٹ 11 ہائی جیک کر دیا گیا ہے۔ 9 بج کر 3 منٹ پر فلائٹ 11 نے بھی ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو نشانہ بنایا، مگر اینڈریو ایئر بیس پر کوئی حرکت نہیں ہوئی۔ 9 بج کر 24 منٹ تک نارٹھ امریکن ایئر ڈیفنس کمانڈ (NORAD) کو خبردار نہیں کیا گیا تھا کہ فلائٹ 77 ممکنہ طور پر ایک ہائی جیک شدہ جہاز ہے (اس کا مطلب ہے کہ ریڈیو کمیونیکیشن بند ہونے کے 34 منٹ بعد تک اطلاع نہیں دی گئی) (289) تاہم رزکوہٹ ہوئے 21 منٹ بعد جہاز آف شدہ ٹرانسپونڈرز کے ساتھ واشنگٹن ڈی سی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پریس رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ (صحیح صورت حال کی بجائے) صرف کسی ”مشکوک ہائی جیکنگ“ کی اطلاع دی گئی تھی۔ (290)

9 بج کر 25 منٹ پر تو پوری صورت حال واضح ہو چکی تھی، پھر بھی نہ انڈریو ایئر بیس پر کوئی حرکت ہوئی اور نہ ہی دائٹ ہاؤس اور پینڈاگون کو خالی کرایا گیا۔ صرف دکھانے کے لئے انڈریو ایئر بیس کے جہاز اُس وقت اُڑائے گئے اور پینڈاگون اور وہاٹ ہاؤس کو خالی کرایا گیا، جب فلائٹ 77 نے اپنا مشن مکمل کر لیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک ایسے وقت جب بہت بڑا

سکیورٹی خطرہ درپیش تھا، فلائٹ 77 کو اپنے ٹرانسپونڈرز آف کرنے اور بشمول ممنوعہ علاقہ میں تین سو میل اڑان بھرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی۔ تمام راستہ پر جہاز راڈار کی نگاہ میں تھا، مگر پھر بھی بغیر انٹریپ ہوئے اپنے نشانہ پر جا پہنچا۔ یہ الفاظ دیگر کسی رکاوٹ کے بغیر یہ ملک کے دارالحکومت تک پہنچا اور وہاں ہاؤس پر سے ہو کر پیٹھاگون سے جا نکلایا۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے نکلانے والے دو جہازوں کو انٹریپ نہ کرنے کی حقیقت ٹھیک طور پر اس لئے نہیں بتائی جاسکتی کہ سرکاری کہانیاں جو اس سلسلہ میں گھڑی گئی ہیں وہ بدلتی رہتی ہیں۔ تاہم NORAD نے اتنا تو اقرار کیا ہے کہ اسے ہائی جیکنگ کے متعلق صبح 8 بج کر 35 منٹ پر الرٹ کیا گیا تھا۔ لیکن پیٹھاگون کو ہٹ کرنے کے بعد تک اس نے ایئر فورس کو کسی قسم کی کارروائی کرنے کے لیے متحرک نہیں کیا۔ ساتھ ہی NOARD یہ تسلیم کرتا ہے کہ جیٹ فائٹرز کا سویلین جہازوں کو انٹریپ کرنا معمول کی بات ہے۔ (291) این بی سی کی رپورٹ کے مطابق ”پائلٹوں کو اپنی صحیح نشان راہ (Fix) سے گزرتا ہوتا ہے اور کوئی جہاز 15 ڈگری انحراف کرتا ہے یا اپنے روٹ سے 2 میل پرے جاتا ہے تو فلائٹ کنٹرولرز panic مٹن دباتے ہیں اور جہاز کو پکارا جاتا ہے ”امریکن 11، تم راستے سے ہٹ گئے ہو۔“ یہ ایک حقیقی ایئر جنسی خیال کی جاتی ہے، جیسے کہ کوئی پولیس گاڑی 100 میل کی رفتار سے چنگھاڑتی ہوئی کسی شاہراہ پر گزرتی ہو۔ گالف ریپائن سٹیورٹ کے ساتھ ایسا ہی ہوا تھا، جب اس کے جہاز نے ایک turning fix کو miss کیا اور مغرب میں ٹیکساس جانے کی بجائے شمال کی طرف ہو چلا، تو اسے انٹریپ کرنے کے لیے فوری طور پر F.16 انٹر سپیڈر بھیج دیئے گئے تھے۔ (292)

فلائٹ نمبر 93 کے متعلق تو یہ بات اور بھی ظاہر ہے کہ اگر وہ چاہتے تو اس کو گرا سکتے تھے یا کم از کم انٹریپ کر سکتے تھے۔ ان کے پاس 27 منٹ کا کافی وقت تھا۔ وہ یہ بھی جان چکے تھے کہ تین جہاز اس سے پہلے بھی کریش ہو چکے ہیں۔ اس طریق عمل کے متعلق پوچھنے پر ڈک چینٹی لوگوں کو کنفیوژ کرنے کے لیے یہ غلط تاثر دینے کی کوشش کرتا ہے کہ اس سلسلہ میں اس لیے کچھ نہیں کیا گیا، کیونکہ ذمہ داران سراسیمگی کی حالت میں حیران و پریشان تھے، اور وہ یہ طے نہ کر سکے کہ معصوم لوگوں سے بھرے ہوئے جہاز کیسے گرائیں۔

ڈک چینٹی خوب جانتا ہے کہ انٹر سپشن کر کے کسی جہاز کو گرانے کے عمل سے روکا جاسکتا ہے۔ ڈک چینٹی یہ عذر لنگ تراشتا ہے کہ فلائٹ 77 کے ضمن میں انٹر سپشن اس لئے نہیں کی گئی

کہ اینڈر یو ایئر میں پرفائٹرز دستیاب نہیں تھے۔ ڈک چینی کا یہ بیان لایعنی ہے، اس لیے کہ خود NORAD یہ اعتراف کرتا ہے کہ انٹر سپشن ایک معمول ہے جس کے تحت نائن الیون کے رونما ہونے سے پہلے ستمبر 2000ء سے جون 2001ء کے درمیانی عرصے میں یو ایس ملٹری نے 67 مواقع پر مشکوک جہازوں کے تعاقب کے لیے فائٹر جہازوں کو استعمال کیا۔⁽²⁸³⁾

حقائق کو چھپانے اور قصداً مبہم بنانے کے لیے گھڑی ہوئی بے سرو پا سرکاری کہانیوں کی اس کے سوا کوئی توجیہ ممکن ہی نہیں کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ یا تو امریکی ایئر فورس کے کسی بڑے افسر یا پھر بش انتظامیہ کے حکم سے ایئر فورس کو اس غرض سے غیر متحرک ہی رکھا گیا، تاکہ تمام حملے کامیابی کے ساتھ اپنے منطقی انجام تک پہنچ سکیں۔ سابق فیڈرل کرائمز پراسیکیوٹر جان لوفٹس کا کہنا ہے کہ نائن الیون سے پہلے یورپی انٹیلی جنس سرسز نے جو معلومات فراہم کی تھیں، وہ اتنی بھرپور تھیں کہ سی آئی اے اور ایف بی آئی کے لیے کوئی چیز چھپانے کا بہانہ بنانا ممکن ہی نہیں رہا (مثلاً یہ کہا جائے کہ فلاں فلاں چیز کی تھی جس کی وجہ سے ان حملوں کو روکا نہ جاسکا)۔⁽²⁹⁴⁾

11 ستمبر کو سرکاری طور پر جہاز کے کسی بلڈنگ سے ٹکرانے کے منصوبے سے متعلق ایک مصنوعی کارروائی کی نمائش کا بھی ہتھام کیا گیا تھا۔⁽²⁹⁵⁾ مزید براں نورٹھ سٹار میں 9 دسمبر 2001ء کو شائع شدہ سکاٹ سیسی کے ایک مضمون کی رو سے ”آپریشن ناردرن ڈیجیٹلس“ کو ختم کر دیا گیا اور ہر قسم کی ”انجیکٹ“ (مصنوعی وارگیم کے متعلق خبر کے لیے اصطلاح) کو سکریٹوں پر سے ہٹا دیا گیا۔⁽²⁹⁶⁾ مزید براں یہ بھی آثار ہیں کہ بعض اہم وارگیمز جو اکتوبر 2001ء کو ہونے والی تھیں، کسی نامعلوم اتھارٹی کے حکم پر ستمبر تک ملتوی کر دی گئیں۔⁽²⁹⁷⁾ دلچسپ بات یہ ہے کہ بظاہر نائب صدر ڈک چینی تمام وارگیمز کے انچارج بھی تھے اور 11 ستمبر کے حملوں پر سرکاری رد عمل کا پورا اہتمام بھی انہی نے کیا۔⁽²⁹⁸⁾ اگرچہ حکومت مسلسل انکار کر رہی ہے، لیکن سیکرٹری ٹرانسپورٹ نارمن منیہا نے نائن الیون کیشن کے سامنے بطور شہادت جو ویڈیو کلپ پیش کی ہے، وہ اس بات کی مکمل تصدیق کرتی ہے کہ فلائٹ 77 کے پینٹاگون تک پہنچنے سے پہلے ڈک چینی کئی میلوں سے اُس کو مانیٹر کر رہا تھا۔⁽²⁹⁸⁾ اس ویڈیو کا متعلقہ حصہ یوں ہے:

لی ہملٹن بولا ”میں چاہتا ہوں کہ کچھ لمحوں کے لیے صدارتی ایمر جنسی آپریٹنگ سنٹر پر فوکس کروں۔ تم دن کے اچھے حصے میں وہیں تھے۔ میرا خیال ہے تم وہاں نائب صدر کے ساتھ تھے، جب وہ احکام آرہے تھے۔ میرا خیال ہے کہ صدر ہی نے اس کمرشل

جہاز کو جس کے دہشتگردوں کے قبضہ میں ہونے کا گمان ہوتا ہے، مار گرانے کا حکم دیا تھا۔ کیا تم وہاں تھے جب یہ حکم دیا گیا؟“

نارمن منیٹا کہتا ہے: ”نہیں، میں نہیں تھا۔ مجھے کوئی اطلاع نہیں دی گئی۔ جب جہاز پینٹاگون کی طرف آرہا تھا تو ایک نو جوان اندر آیا اور نائب صدر کے قریب آکر بولا ”جہاز 50 میل دور ہے، 30 میل دور ہے“ اور جب اس نے کہا کہ ”جہاز 10 میل کی دوری پر ہے، ساتھ ہی اس نے پوچھا ”کیا احکام اب بھی وہی ہیں؟“ تو نائب صدر نے گردن گھما کر کہا ”یقیناً احکام اب بھی وہی ہیں۔ کیا تم نے اس کے برعکس کوئی حکم سنا ہے؟“ میں اس وقت نہیں سمجھتا تھا کہ سب کچھ کیا ہے۔“

لی ہملٹن: ”جس فلائٹ کا تم حوالہ دے رہے ہو وہ۔۔۔؟“

نارمن منیٹا: ”فلائٹ جو پینٹاگون کی طرف آئی“

لی ہملٹن: ”پینٹاگون“ (300)

اب معلوم ہوا کہ دنیا کی محفوظ ترین بلڈنگ کیسے دہشت گردانہ حملوں کا شکار ہوئی۔ امریکی نائب صدر نائن الیون کی دہشت گردی کے امور کی خود نگہ رانی کر رہا تھا۔ وہ کئی میل سے جہاز کو آتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ یہ حقائق بھی قابل غور ہیں کہ انغوا شدہ جہاز کو کریش کرنے سے پہلے کئی فوجی مراکز کے اوپر سے اڑ کر گزرنا تھا۔ پھر یہ کہ وار گیمز بھی ہو رہی تھیں اور ملٹری کو چوکس کر دیا گیا تھا۔ (301) ان تمام باتوں کی بعد میں محکمہ دفاع کی سرکاری ویب سائٹ سے تصدیق ہو چکی ہے۔ (302) پھر یہ دو چیزیں بھی لاجسٹک نقطہ نظر سے دیکھی جانی چاہیے۔ ایک یہ کہ ہزاروں میل دور کسی غار میں چھپا ہوا کوئی شخص (اسامہ بن لادن) کس طرح دنیا کی واحد سپر پاور کے ایئر ڈیفنس سسٹم کو شکست دے کر حملہ آور ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک شخص (جیسے ڈک چیننی) نہ صرف یہ کہ نائن الیون کے دوران تمام ڈیفنس سسٹم پر کنٹرول حاصل تھا بلکہ وہ وار گیمز اور کاؤنٹر ٹیررزم سے متعلق کل اختیار کا بھی مالک تھا۔ اس کے باوجود ”دہشت گردوں“ نے پورا سسٹم کیسے ناکارہ بنا دیا؟

غار میں بیٹھے ہوئے اسامہ بن لادن اور ابمن الزواہری تو کامل اور قندھار کے درمیان بھی رابطہ کرنے کے قابل نہ تھے، کیونکہ ان کے کمیونیکیشن سسٹم پر طالبان نے قبضہ کر رکھا تھا۔ وہ اپنے وائرلیس ریڈیو کو بھی قندھار کے اندر کام میں نہیں لاسکتے تھے۔ سائنس ایم ہرش نے

اعلیٰ حکومتی اور فوجی حکام ہی نے یہ ساری سازش تیار کی، یا کم از کم اس حد تک تو وہ ضرور اس میں ملوث ہیں کہ انھوں نے اس بات کو یقینی بنانے کا سامان تو کر ہی دیا تھا کہ حملے کا میاں بی سے ضرور ہمکنار ہوں۔ (305)

کھیل میں بُش کا کردار

بُش اس صلیبی جنگ کا مرکزی کردار ہے۔ اُس کے قول و فعل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہونے والے واقعات کے متعلق پورا علم رکھتا تھا۔

تخمینوں اور سازشی مفروضوں کی بحث میں پڑے بغیر بُش کے اپنے الفاظ ہی نائن الیون کی سرکاری کہانی کو رد کرنے کے لیے کافی ہیں۔ بُش صدارتی لیوزین کار میں تھا جب پہلا جہاز ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرایا۔ اس نے دو دفعہ بتایا کہ اس نے یہ منظر ٹی وی پر دیکھا۔ ایک بار تو 4 دسمبر 2001ء کو جب اُس سے یہ سوال کیا گیا کہ ”آپ نے کیا محسوس کیا، جب آپ نے دہشت گرد حملوں کا سنا؟“ اس کا جواب تھا: ”میں کلاس روم کے باہر بیٹھا اندر جانے کا ارادہ کر رہا تھا تو میں نے جہاز کو ٹاور سے ٹکراتے دیکھا۔ ظاہر ہے، ٹی وی آن تھا۔ میں نے کہا، یہ ضرور ایک خوفناک حادثہ ہوگا“ (306) جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت کوئی لائیو ٹی وی کوریج تھی ہی نہیں کہ اصل واقعہ کو دیکھا جاسکتا۔ بوکر اٹلیمنٹری سکول کے پرنسپل کا بھی یہی کہنا ہے کہ نہ تو اس کو ریڈور میں کوئی ٹی وی تھا جس سے ہو کر بُش اندر داخل ہو، اور نہ ہی اس کلاس روم کے نزدیک کوئی ٹی وی تھا، جسے دیکھنے کے لیے وہ آیا تھا۔

دو امریکی محققین ایلن ووڈ اور پال تھا سن کا بھی کہنا ہے کہ یہ بات حیرانی کی ہے کہ بُش کے مشیروں نے بھی اُس کی اس بات کی تصحیح نہیں کی یا کم از کم اس کو یہ کہنے سے منع نہیں کیا۔ چنانچہ اس نے چار ہفتے بعد پھر وہی کہانی دہرائی۔ 5 جنوری 2002ء کو بُش نے کہا ”ہاں میں فلوریڈا کے ایک سکول میں بیٹھا تھا (میرا چیف آف سٹاف بھی موجود تھا)۔ جب ہم کلاس روم میں جانے لگے تو میں نے وہ جہاز دیکھا جو پہلی بلڈنگ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ظاہر ہے، ٹی وی سیٹ آن تھا“ (308) اس کا مطلب یہ ہے کہ دو میں سے ایک بات کا امکان ہے۔ یا تو بُش اس واقعہ کے متعلق کذب بیانی سے کام لیتا ہے کہ اس نے وقوعہ کو کیسے دیکھا، یا پھر وہاں کلوزڈ سرکٹ ٹی وی تھا، سکول میں نہیں، بلکہ صدارتی لیوزین کار میں، جس پر اسے پراگرس رپورٹ موصول ہوئی۔ بُش کا یہ جھوٹ خود اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ وہ کسی چیز کو چھپاتا ہے، جسے وہ

درحقیقت جانتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر کوئی انسان کسی چیز کو چھپانا نہیں چاہے تو پھر اسے جھوٹ کا سہارا لینے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

بُش کی ایک ویڈیو کلپ جسے بڑے پیمانے پر پھیلا یا گیا ہے، ایک بے سرو پا کہانی بیان کرتی ہے۔ وہ بُش انتظامیہ کا منہ چڑاتی ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ جو کچھ اس ویڈیو میں ہے بلکہ اس لئے کہ جو کچھ اس ویڈیو میں ہونا چاہیے تھا، وہ اس میں نہیں۔ اس ویڈیو کے مطابق امریکہ پر حملوں پر بُش اور اس کے چیف آف سٹاف انڈریو کارڈ کا رد عمل بڑا دلچسپ تھا۔ بُش کے چہرے سے حیرانی کے کوئی آثار ہوید انہیں ہوئے۔ اور نہیں لگتا تھا کہ اینڈریو کارڈ کسی غیر متوقع واقعہ کی اطلاع دے رہا ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ صدر کو ایک ایسے معاملے کی پراگرس رپورٹ پیش کر رہا ہے، جس کا اسے پہلے سے علم ہو۔ اور کارڈ سمجھتا ہو کہ اس پر بُش کا کوئی رد عمل دکھائی نہ دے گا۔ (309)

اس وقت دو جہاز ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرا چکے تھے۔ دو مزید ملک پر سے اڑتے ہوئے نامعلوم منزل کی طرف رواں دواں تھے۔ بوکر ایلمینٹری سکول کے گرد کئی ایک ہوائی اڈے ہیں، جن میں سے ایک صرف چارمیل کی دوری پر واقع ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیکرٹ سروس کو یہ کیسے معلوم تھا کہ یہ ماحول بُش کے ٹھہرنے کے لیے محفوظ ہے اور ان کے شیڈول کو قوم کے لیے ساڑھے نو بجے نشر بھی کیا گیا؟

امریکی محققین نے گہرائی میں اتر کر 11 ستمبر کو بُش کی باتوں اور کاموں کا تجزیہ کرنے سے نتیجہ نکالا ہے کہ بُش اس واقعہ سے اپنے پیٹنگی مطلع ہونے کو جھوٹ بول کر چھپا رہا تھا۔ مثلاً ایک ویب سائٹ "What Really Happened" یہ نتیجہ اخذ کرتی ہے کہ "ٹائن الیون کے دن بُش کی مصروفیت وغیرہ سے متعلق معلومات کو جھوٹ، غلط اوقات اور تفصیلات دے کر چھپایا اور مشتبہ بنایا گیا ہے۔ ایک سال بعد یعنی 11 ستمبر 2002ء کو ان حملوں کی برسی کے موقع پر جس کی بہت زیادہ تشہیر کی گئی تھی، کہانی کو از سر نو رقم کرنے کی کوشش صاف دکھائی دیتی ہے۔ اس کے باوجود کہ اس کے متعلق سرکاری رپورٹوں میں بہت بڑا تضاد پایا جاتا ہے۔ حیرت ہے قومی دھارے میں شامل میڈیا میں سے کسی نے بھی ان تضادات کے متعلق ذمہ داروں سے سوال کرنے کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ اور اگر کسی نے اس سلسلے میں وضاحت طلب کی تو اسے ڈانٹ کر اور اس پرائیٹی امریکن کی تہمت لگا کر حالت جنگ میں صدر پر الزام تراشی

کا مرتکب قرار دیا گیا یا اس پر سازشی ہونے کا لیبل لگا دیا گیا۔“ (310)

کسی بھی شخص کے پاس پیشگی معلومات ہونا درحقیقت اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ شخص نائن الیون جیسے خوفناک واقعہ کی منصوبہ بندی میں خود بھی شریک تھا۔ اس نوعیت کے جرم کو وقوع پذیر ہونے دینا اس کی دلیل ہے کہ بعد میں کئے جانے والے اقدامات اور خصوصاً افغانستان پر حملہ اس بڑے کھیل کے ایک حصہ کے طور پر پہلے ہی سے طے کئے گئے تھے۔ یہ بات ہر پہلو سے خلاف عقل لگتی ہے کہ انتظامیہ نے جان بوجھ کر ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹاگون پر حملہ ہونے دیا ہو، یا اس معاملہ میں اپنی طرف سے کوئی سرگرم کردار ادا نہ کیا ہو۔ ہاں اس کا امکان صرف ایک ہی صورت میں ہو سکتا ہے، جب اس حادثہ کو ”جوابی کارروائی“ کے لیے جواز اور بہانہ بنانا مطلوب ہو۔

نائن الیون، تجزیہ کاروں کی نظر میں

افغانستان پر حملہ اور قبضہ کے لیے نائن الیون کا واقعہ بڑے کھیل کا حصہ تھا، بالکل اسی طرح جس طرح کہ عراق پر حملہ کرنے کے لیے تباہ کن ہتھیاروں کی موجودگی کے سلسلہ میں جھوٹ پر جھوٹ بول کر راہ ہموار کی گئی تھی۔ یہ بات ماننا مشکل ہے کہ نائن الیون کے متعلق ہش کے متضاد بیانات، دھوکا، فریب اور جھوٹ اُن کی نااہلیت یا پریشان حالی کا نتیجہ ہیں۔ اگر دستیاب حقائق سے صرف نظر کیا جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ نائن الیون جیسی ظالمانہ کارروائی کی سازش کرنے والے نظروں سے اوجھل ہو جائیں گے۔ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے سابق اور موجودہ اعلیٰ حکام کے حال ہی میں یہ بیانات سامنے آئے ہیں کہ نائن الیون حملوں کی حقیقت وہ نہیں جو نظر آتی ہے یا جس طرح کہ سرکاری طور پر اسے پیش کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر یو پی آئی پریس انٹرنیشنل کے جان ڈائل نے واشنگٹن ٹائمز میں لکھا ہے کہ ہش کے پہلے دور صدارت کے دوران ممکنہ محنت میں چیف اکاؤنٹنٹس کے عہدہ پر فائز مارگن رینالڈ نے اب نائن الیون حادثہ میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے گرنے کے واقعہ پر سخت شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے۔ رینالڈ کا خیال ہے کہ سرکاری بیان جعلی ہے اور زیادہ قرین قیاس بات یہ ہے کہ ان جڑواں ٹاور زاوران سے متصل بلڈنگ نمبر 7 کو ایک منضبط (controlled) طریقہ سے گرایا گیا ہو۔ (311) رینالڈ جو ڈلاس کے نیشنل سنٹر فار پالیسی اینالسس میں بحیثیت ڈائریکٹر کریمنل جسٹس سنٹر کام کر چکے ہیں، اس وقت ٹیکساس کے ایس ایس ایم یونیورسٹی میں بحیثیت پروفیسر

ایمرٹس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے:

”گلتا ہے کہ معاملہ (ڈراما) اندرون خانہ ہی بنایا گیا ہے اور امریکہ پر یہ ضرب خود اس کی اپنی حکومت نے لگائی ہے۔ کسی بھی انجینئرنگ اصول اور سائنسی مباحثے سے سرکاری بیان کی توثیق نہیں ہو سکتی۔ ظروف و احوال ایسے ہیں جن کی بنیاد پر سرکاری مفروضہ کی تردید کی جاسکتی ہے۔ تمام حقائق اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ صرف ایک ہنرمندانہ طریق کار (Professional demolition) ہی کے ذریعے ان تینوں عمارتوں کو

زمین بوس کرنا ممکن ہوا ہے۔“ (312)

رینالڈر پورٹ کا تفصیلی تجربہ لیوراک ویلز کی ویب سائٹ پر دستیاب ہے، جسے بٹش کا ساتھ دینے والے کنزرویٹو اخبارات بھی نظر انداز نہ کر سکے۔

بہت سے بار سوخ کنزرویٹو اور سابقہ اہلکاروں نے بھی سرکاری کہانی پر شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے۔ مثال کے طور پر ریگن عہد کے اسٹنٹ سیکرٹری خزائن پال کریگ رابرٹس کا دعویٰ ہے کہ نیوکوز کا ایجنڈا اسی طرح کی دیوانگی ہے جیسے کہ ہٹلر اور نازی پارٹی کی دیوانگی تھی، جنہوں نے روس پر جاڑے کے عین وسط میں حملہ کیا۔ (313) پال کریگ کوئی عام آدمی نہیں۔ اس کا نام ”کون کون ہے“ (Who is who) کی فہرست میں شامل ہے جس میں دُنیا کے سب سے زیادہ بااثر سیاسی مفکرین کے ایک ہزار ناموں کا اندراج ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر رابرٹ ایم بوین نے اپنے ایک تفصیلی بیان میں اپنی ویب سائٹ پر بعض ایسے سوالات پوچھے ہیں، جن کا ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا جا سکا۔ (314) یہ صاحب ایک اہم شخصیت ہیں جو ڈیموکریٹس اور ری پبلکن دونوں حکومتوں میں یو ایس سٹار وارسپیس ڈیفنس پروگرام کے ڈائریکٹر رہ چکے ہیں۔

جرمن کا بینہ کے ایک سابق وزیرِ واران بلوو کا یقین ہے کہ سی آئی اے ہی نے نائن ایون کا ڈراما رچایا، تاکہ بعد ازاں افغانستان اور عراق پر ہونے والی جارحیت کے لیے جواز پیدا کیا جاسکے۔ ان کی کتاب "The CIA and September 11" ایک لاکھ تک فروخت ہو چکی ہے۔ مسٹر دان نے ”ڈبلی ٹیلی گراف“ کو بون میں واقع اپنے گھر میں بتایا کہ جو کچھ کہ میں کہتا ہوں وہ صحیح ہو تو پھر تو امریکی حکومت کے کل اہلکاروں کو جیل جانا چاہیے۔ انھوں نے مزید کہا کہ انھوں نے حقائق کو پس پردہ رکھ کر تمام شہادتوں کو منایا اور 19 مسلمانوں کی کہانی گھڑی، جو مبینہ طور پر اسامہ بن لادن کی القاعدہ کے ساتھ منسلک تھے، تاکہ وہ خود کردہ خفیہ

آپریشن کو چھپا سکیں۔⁽³¹⁵⁾ مسٹر وان بلوڈ اپنے بیان کا اختتام اس طرح کرتا ہے:

”جو کچھ 11 ستمبر کو میں نے دیکھا وہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کے مکمل تعاون کے بغیر پایہ تکمیل تک پہنچانا ناممکن ہے۔ جو کوئی اس کو کنٹرول کر رہا تھا، اسے خوب معلوم تھا کہ اس سے صرف مسلم دنیا کو ضرر پہنچایا جاسکتا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس میں یو ایس کی پوری سرکاری مشینری کا کردار ہے۔ میری تھیوری کو اس بات سے پوری تقویت ملتی ہے کہ حکومت (وائٹ ہاؤس) نے اس ضمن میں کوئی ثبوت پیش کرنے کی تکلیف گوارا نہ کی۔“⁽³¹⁶⁾

سابقہ ایم آئی 5 کے ایجنٹ ڈیوڈ فیلر کا کہنا ہے کہ نائن الیون کے متعلق اس کے شکوک پہلی دفعہ اس وقت پیدا ہوئے جب جرم کی تفتیش کی راہ، باقیات کو فوری طور پر ہٹا کر چین منتقل کر کے مسدود کر دی گئی۔ فیلر کہتا ہے: ”کسی کرائم سین یعنی جائے وقوعہ پر سے چیزوں کو ہٹانے کی کارروائی خود ایک جرم ہے۔ تاہم نائن الیون واقعہ کی تمام باقیات (دھات + کنکر پتھر وغیرہ) کو سمندری راستے سے چائنا منتقل کیا گیا، اور اس کو کسی عدالتی تحقیقات کے لیے پیش کیا گیا اور نہ ہی پبلک کے سامنے لایا گیا۔ اس سے میں یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ امریکی نہیں چاہتے تھے کہ کوئی بھی اس مواد کو دیکھ پائے، کیونکہ اس سے ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی تھی کہ لوگوں کو بتایا جاسکے کہ یہ کام القاعدہ نے کیا ہے۔“⁽³¹⁷⁾

اور بھی بہت سے لوگ سرکاری کہانی سے مختلف سوچ رکھتے ہیں۔ ان میں بہت سارے سرکاری اہلکار، ماہرین اور سابقہ امریکی ذمہ داران شامل ہیں۔ مثلاً بریگم یونگ یونیورسٹی کے علم طبیعیات کے ایک پروفیسر سٹیون ای جوز نے حال ہی میں کہا ہے کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو ایک کنٹرولڈ طریقہ ہی سے زمین بوس کیا گیا۔⁽³¹⁸⁾ نو ہزار الفاظ کے ایک مضمون میں جو اس کی زیر تصنیف کتاب "The Hidden History of 9/11" میں شامل کیا جائے گا، سٹیون ای جوز کہتا ہے کہ تینوں عمارتیں ترتیب اور ضابطہ سے ایسے گریں کہ وہ آکر خود اپنی بنیاد یا قاعدہ (قدموں) ہی پر ڈھیر ہو گئیں۔ ایسا تب ہو سکتا ہے جب گرانے کا عمل ایک کنٹرولڈ کارروائی ہو۔ ڈبلیو ٹی سی 7 بلڈنگ کو تو ہائی جیک طیاروں نے ہٹ نہیں کیا تھا، وہ کیسے 6.6 سیکنڈ میں زمین پر آگئی یعنی کسی رکاوٹ کے حائل ہوئے بغیر زمین پر گرنے والی چیز کے مقابلے میں اس نے صرف 0.6 سیکنڈ زیادہ لئے۔ بحیثیت ایک طبیعیاتی ماہر جوز Conservation of Momentum کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ ایسا ناممکن ہے جب تک ایکسپلوسیو کے ذریعے

نیچے والی چھتوں کی رکاوٹ کو اوپر سے گرنے والی چھتوں کی راہ میں حائل نہ ہونے دیا جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ اصل حقیقت تب سمجھ میں آسکتی ہے جب ایک پلو سیو ڈیمالیشن ہائی پاتھیس (Explosive Demolition Hypothesis) کو ملحوظ رکھا جائے۔ ایسے مشاہدات کا کسی بھی تحقیقی ادارے FEMA، NIST اور نائن الیون کمیشن تجزیہ کے لیے مطالعہ ہی نہیں کیا۔ (319)

سمتس لیوی جو کتاب "Why Buildings Fall Down" کا شریک مصنف اور عمارتوں کے گرنے کے عمل کا ایک ماہر ہے، کہتا ہے کہ "کنٹرولڈ ڈیمالیشن سے بلڈنگ سیدھے نیچے آ رہی ہوتی ہے (درخت گرنے کے عمل کے بالکل برعکس) کیونکہ عمودی کالمز (سہارے) دھماکہ خیز مواد کے ذریعے بیک وقت تباہ کر دیئے جاتے ہیں۔ نائن الیون کو یہی کچھ ہوا۔" (320)

مسٹر مائیک ٹیلر جو ڈولس ٹاؤن پنسلوانیا میں نیشنل ایسوسی ایشن آف ڈیمالیشن کنٹریکٹرز کا سربراہ ہے، بیان کرتا ہے کہ کہ ٹاورز کا زمین بوس ہونا بالکل ایک کلاسک کنٹرولڈ ڈیمالیشن لگتا ہے۔ (321) فائر انجینئرنگ ٹریڈ میگزین کے ایڈیٹر بل میننگ نے کہا کہ ٹاورز گرنے کے متعلق جو تفتیش ہے اس کی حقیقت ایک نیم پختہ سوانح کی ہی ہے، جو رچایا گیا ہو۔ (322)

بہت سے دوسرے فائر فائٹرز، قانون نافذ کرنے والے اہلکار اور قابل اعتماد گواہوں نے بھی امریکی انتظامیہ کی نائن الیون اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے گرنے کے متعلق وضاحتوں کو ناقابل یقین گردانا ہے۔ (323) مثلاً "یو ایس اے ٹو ڈے" کے رپورٹر جیک کیلی نے لارن آف برن کو نیویارک کے نائن الیون کرائم سین سے بتایا کہ ایف بی آئی کو یقین ہے کہ بلڈنگ کے ہیومنٹ میں بم رکھے گئے تھے، جن کی وجہ سے بلڈنگ زمین بوس ہوئی۔ (324) نیویارک فائر ڈیپارٹمنٹ کا چیف بھی بموں کی موجودگی کی بات کرتا ہے۔ (325)

نیویارک شہر کے آگ بجھانے والے عملے کا جو ان حملوں کو دیکھ رہا تھا بیان ہے کہ "ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان عمارتوں کے اندر بم رکھے گئے ہوں" (326)۔ لوئی کا کچو لی نے جس کی عمر 51 سال ہے، جو نیویارک شہر میں ہارلم میں انجن 47 پر تعینات تھا، بتایا کہ "آخری ٹرپ پر ایک بم پھٹا، ہم سمجھتے ہیں کہ بلڈنگ کے اندر بم رکھے گئے تھے۔" (327) ایم ایس این بی سی کے رپورٹر ک فریکس نے بھی یہ بتایا کہ پولیس کو ایک مشتبہ چیز مل گئی تھی "ان کو تشویش ہوئی کہ یہ کوئی ایسی چیز ہو سکتی تھی جو دوسرے دھماکے کا سبب بنے۔" پولیس اہلکاروں کو یقین ہے کہ ان

دھماکوں میں سے ایک دھماکہ اس گاڑی سے ہوا جو عمارت کے اندر کھڑی کی گئی تھی جس میں پھٹنے والے مادے کی موجودگی کا احتمال ہو سکتا ہے۔ لہذا ان کو شک ہے کہ یا تو دھماکہ خیز مواد عمارت کے اندر موجود تھا اور یا بہر صورت ملحقہ علاقہ میں پڑا تھا۔“ (328)

نیویارک سٹی کے ایک دوسرے فائر فائٹر کا بیان ہے کہ جنوبی ٹاور کے دھماکہ کے ساتھ ہی بحث شروع ہو گئی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عمارت میں ممکنہ طور پر دھماکہ خیز مواد رکھا گیا ہے جس نے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو آن لیا ہے۔ (329)

نیوسیم کی 2002ء میں لکھی گئی کتاب "Running Towards Danger Stories Behind the Breaking News of 9/11" میں وال سٹریٹ جرنل اخبار کے ایک رپورٹر کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ ”میں نے دھماکی گرجدار آواز سنی، اوپر دیکھا تو مجھے نظر آیا کہ فرش یکے بعد دیگرے نیچے سے اوپر کی طرف سلسلہ وار دھماکے سے اڑتے ہیں۔ میں نے خیال کیا یا اللہ اس سے تو یہ عمارت زمین بوس ہی ہوگی۔ اور وہ جو کوئی بھی تھے، انھوں نے باقاعدہ دھماکہ خیزی کے لیے چار جزر رکھے تھے، جو اپنا کام کر گئے۔“ (330)

ٹریسا ویلیز ایک فیملی فیجر ہے، جو شمالی ٹاور میں ایک سافٹ ویئر کمپنی میں کام کر رہا تھا اُسے پورا یقین ہے کہ تمام جگہوں میں بم پلانٹ کئے گئے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ کنٹرول سینٹر پر باقاعدہ کوئی بیٹھا ہوا ہے جو ڈیٹا مینٹریشن کو دیتا ہے۔ (331)

ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے اجارہ دار لیری سلورسٹین نے پی بی ایس کی ایک ڈاکو میٹری میں بتایا کہ بلڈنگ نمبر 7 کو 11 ستمبر کو کھینچا (pull) گیا۔ (332) لفظ "Pulling" تعمیراتی صنعت کی اصطلاح ہے جو ”ارادنا گرانے کے عمل“ کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ یہ لفظ بعینہ ان معنوں میں پی بی ایس انٹرویو میں نائن الیون سے چھ ہفتے بعد استعمال کیا گیا۔ (333) ڈیوڈ رے گریفن درج ذیل تین بڑے نتائج نکال کر یہ ثابت کرتا ہے کہ نائن الیون کے معاملہ میں امریکی حکومت پوری طرح ملوث تھی۔

(1) ملبہ کو فوری طور پر ہٹایا گیا اور کسی قسم کی عدالتی تحقیقات یا واقعہ کو جاننے کے لیے بات چیت کا کوئی سلسلہ شروع ہی نہیں کیا گیا۔ اس سے سرکار کے ملوث ہونے کی پوری نشاندہی ہوتی ہے۔

(2) صرف ورلڈ ٹریڈ سنٹر 7 کو گرانے کا عمل ہی یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ انٹیلی جنس

ایجنسیاں اس منصوبہ بندی میں پوری طرح شریک تھیں یا کم از کم ان کو پہلے سے اس کا پورا علم تھا۔

(3) کم از کم پیناگون کا اس معاملہ میں ملوث ہونا تو بہت حد تک یقینی ہو جاتا ہے، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قانونی تقاضوں کے ہوتے ہوئے جہازوں کو انٹریپ کرنے کی ذمہ داری سے تغافل کیا گیا اور حملہ کر دینے میں ناکامی ہوئی۔ (334)

بش انتظامیہ کا غیر معمولی رد عمل

پہاڑوں جیسے حقائق، چشم دید گواہوں کے بیانات اور تحقیقی رپورٹوں کو جن کی ایک جھلک اوپر دکھادی گئی ہے، نظر انداز کر کے امریکی انتظامیہ نے اپنے نائن الیون کمیشن کے ذریعے یہ نتیجہ اخذ کرایا کہ اسامہ بن لادن اور اس کے ”دہشت گردوں“ نے ہی دو ہی جہازوں کے ذریعے تین عمارتوں کو گرایا۔ ایک طائرانہ نظر ہی اس حقیقت کو اجاگر کرنے کے لیے کافی ہے کہ دراصل کوئی حقیقی تحقیقات کرائی ہی نہیں گئیں بلکہ حکومت کے اہلکاروں کا رویہ یہ رہا کہ تحقیق کے لیے ہر کوشش کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کریں۔ اصول تو یہ ہے کہ تمام فوجداری مقدمات میں کئی کترانا، رکاوٹیں پیدا کرنا، شواہد کو موقع سے ہٹانا، ایسی چیزیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ملزم خواہ مخواہ اس معاملہ میں جھوٹی شہادتیں پیش کر رہا ہے، تاکہ تو جہات کو اصل سازش سے ہٹا یا جاسکے۔

ابتدا ہی میں بش اور ڈک چینی دونوں نے امریکی کانگریس سے غیر روایتی طور پر یہ درخواست کی کہ نائن الیون کی تحقیقات کو صرف انٹیلی جنس کی ”ناکامی“ تک محدود رکھا جائے۔ (335) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کانگریس کی طرف سے کسی بھی متعلقہ ایشو کی کوئی تحقیق ہی نہیں کی گئی ہے۔ امریکی انتظامیہ نے نائن الیون کمیشن کے قیام کی بھی مخالفت کی۔ (336) پھر جب نائن الیون کے سانحے میں ہلاک ہونے والوں کی بیواؤں نے انتظامیہ پر دباؤ ڈالا تو فلیپ ذیلی کاؤ کی سرکردگی میں نائن الیون کمیشن بنا دیا گیا۔ ذیلی کاؤ کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ انتظامیہ ہی کا آدمی ہے، جس نے 2001-2002 کے دوران صدر بش کی ٹرانزیشن ٹیم میں خدمات انجام دی ہیں۔ جب بش نے اقتدار سنبھالا تو اسے فارن انٹیلی جنس ایڈوائزری بورڈ کا ممبر بنا دیا۔ اس کے علاوہ اسے دیگر ٹاسک فورسز اور کمیشنوں میں بھی ذمہ داریاں دی جاتی رہیں۔ وہ کوئڈ الیزارٹس کا پُرانا ساتھی بھی رہ چکا ہے۔ (337)

کمیشن کے تقرر کے بعد اسے بہت کم فنڈز مہیا کئے گئے۔ (یہ فنڈز مونیکا لیونسکی سکیڈل میں مہیا کردہ فنڈز کا عشرِ عشر بھی نہیں)۔ (338) اہم دستاویزات بھی فراہم نہیں کی گئیں۔ (339) اونچے عہدوں پر فائز اہلکاروں کو قسم لے کر شہادت دینے سے انکار کرایا گیا۔ اس کی بھی اجازت نہیں دی گئی کہ بُش اور ڈک چینی سے اکٹھے پوچھ گچھ کی جاسکے۔ (340) اگرچہ آخر کار جارج ڈبلیو بُش 29 اپریل 2004ء کو کمیشن کے سامنے پیش ہوئے، لیکن یہ پیشی مشروط تھی۔ بنیادی شرط یہ تھی کہ ڈک چینی بُش کے ساتھ ہو، اور وہ بھی شہادت دے۔ پھر یہ کہ بیان پرائیوٹ طور پر دیا گیا اور وہ بھی بیان حلفی نہیں۔ کسی قسم کے پریس کوریج کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ اور جو کچھ بیان دیا گیا اس کی نہ تو ریکارڈنگ کرائی گئی اور نہ اس کی کوئی نقل لینے کی اجازت دی گئی۔ (341) ٹائن الیون سے متاثرہ خاندانوں کے وکیل نے بیان دیا کہ بُش نے ٹائن الیون کمیشن کو آزادانہ کام کرنے اور حقائق و واقعات سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ (342)

سب سے اہم بات یہ کہ ٹائن الیون کمیشن نے اصل میں ہر وہ شہادت لینے سے انکار کر دیا جو سرکاری کہانی کے برعکس ہوتی تھی۔ اس سلسلے میں بہت سی مثالوں میں سے یہاں صرف دو کو پیش کیا جاتا ہے۔ ٹائن الیون کمیشن رپورٹ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی بلڈنگ نمبر 7 کے گرنے یا اس کے اندر کسی بھی قسم کے دھماکہ خیز مواد کا تذکرہ ہی نہیں کرتی (لفظ ”ایکسپلوژن“ رپورٹ میں ہے ہی نہیں)۔ کمیشن نے کسی بھی فائر فائٹرز کو آزادانہ طور پر پبلک کے سامنے شہادت دینے کی اجازت نہیں دی۔ (343) حالانکہ یہ وقوعہ کے چشم دید گواہ تھے۔

بے شک ٹائن الیون کمیشن کے پہلے کمشنر میکس کلی لینڈ نے کمیشن سے نہایت بے زاری کے ساتھ استعفا دیا۔ جارجیا کے اس سابق سینیٹر نے اس پر شدید احتجاج کئے رکھا کہ انھیں وائٹ ہاؤس کی دستاویزات تک رسائی کی اجازت نہیں دی جا رہی۔ اس نے صاف بیان دیا ”بُش امریکہ کو۔۔۔ آئیے کہ اس خرگوش کا اس کے بل تک پیچھا کریں۔“ کلی لینڈ نے ایک انٹرویو میں کہا (344) ”انھوں نے جنگ شروع کرنے کا پلان بنایا تھا اور جب ٹائن الیون ہوا تو وہ جنگ میں کود پڑے۔“ اس نے اسے ایک قومی سکیڈل قرار دیا۔ کمیشن تو عوامی میڈیا رڈار پر بس ایک Blip ہی تھا۔ ’سالان‘ کے انٹرویو کے علاوہ کلی لینڈ کی ”بغاوت“، کو دو اہم اخبارات نیویارک ٹائمز اور واشنگٹن پوسٹ میں محض سطحی کوریج دی گئی۔ خبروں کی اتنی بلیک آؤٹ کی گئی کہ کمیشن کے طریق کار پر نظر رکھنے والے اس سے بھی بے خبر رہ گئے کہ آیا کلی لینڈ مستعفی ہو گئے

ہیں یا اب بھی کام کر رہے ہیں۔ (345)

"The 9/11 Commission Report: Omissions And Distortions" میں لکھتا ہے: "نائن الیون کمیشن ایک دھوکا تھا۔" ڈیوڈ رے گریفن اپنی وقیع کتاب "Pultizar" کا انعام یافتہ رپورٹر سیسور ہرش ہے۔ رے گریفن اس حوالے سے پہلے درجے کا مصنف ہے، جو عوام سے متعلق ہر قسم کے ضروری اور حقائق پر مبنی واقعات کو من و عن اور بلا کم و کاست رپورٹ کرتا ہے، خواہ ایسا کرنا لوگوں کو کتنا ہی ناگوار محسوس ہو۔" (346)

عقل عام نہیں مانتی

صرف اس مفروضہ پر کہ طالبان نے نائن الیون سانحہ کے ملزمان کو پناہ دے رکھی ہے، امریکی انتظامیہ نے کسی تفتیش و معلومات کے بغیر ہی افغانستان پر حملہ اور قبضہ جمانے کا فیصلہ کر لیا۔ اگر یہ یقین کیا جائے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی غیر مرئی تفتیش اتنی موثر تھی کہ چند ہی دنوں میں مجرموں کی نشاندہی کر لی گئی اور اس کی فوج اس قدر مستعد تھی کہ صرف 25 روز کے اندر اندر اس نے حملہ کرنے کی کل تیاری مکمل کر لی تو پھر کیسے یقین کیا جائے کہ وہی ملک روزمرہ کی عام سکیورٹی انتظامات کے سلسلہ میں اس حد تک ناکام رہا؟ جو کچھ کہا جاسکتا ہے، بس اتنا ہی ہے کہ اتنا تضاد اور اس قدر نا اہلی نا قابلِ توجیہ ہے۔

یہ دو منظر نامے ایسے ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ بیک وقت اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم ایک طرف اس بات کو قابلِ اعتبار سمجھتے ہیں کہ نائن الیون کے رد عمل کے طور پر صرف پچیس دن کے اندر افغانستان پر ایک منظم اور کامیاب حملہ کی تمام تیاریوں کی تکمیل کر لی گئی تو پھر تو بلا خوف و تردید یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ نائن الیون کے واقعات ایک اندرونی سازش ہے، کیونکہ اتنی مستعد انتظامیہ سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ اس کے خلاف اتنی بڑی کارروائی کی گئی اور اسے کوئی خبر ہی نہ ہوئی۔ اس سے یہ تلخ حقیقت سمجھنے میں بڑی دشواری ہو رہی ہے کہ جب یہ تمام معاملہ ایک درونِ خانہ کارروائی تھی تو اس کا اتنے بڑے پیمانے پر رد عمل فوجی کارروائی کی صورت میں کیوں کیا گیا؟ بہر حال اس سے اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ نائن الیون کے رونما

ہوتے وقت تک افغانستان پر حملہ کی منصوبہ بندی کافی حد تک ہو چکی تھی (اسی لئے تو صرف 25 دن میں حملہ کیا جاسکا)۔ امریکہ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کر رہا ہے کہ تاریخ کا سب سے زبردست دہشت گردانہ حملہ بس ویسے ہی بالکل اتفاقاً کسی اندرونی نقل و حمل اور تکنیکی مدد کے بغیر وقوع پذیر ہو گیا۔ دنیا کو بے وقوف بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ وہ یہ مان لے کہ یہ نائن الیون کے حملے ہی تھے، جو افغانستان پر حملہ کے لیے جواز مہیا کرتے ہیں۔ اگر کوئی یہ یقین کرنا چاہے کہ افغانستان پر حملہ نائن الیون حادثہ ہی کے رد عمل کے طور پر کیا گیا اور یہ کہ نائن الیون سے امریکی حکام بالکل بری الذمہ ہیں تو لمحہ بہ لمحہ کی اس کہانی کو مختلف حوالوں سے تولنے کے بعد عقل عام (common sense) اس کو تسلیم کرنے پر تیار دکھائی نہیں دیتی۔

ایسی کوئی عقلی اور منطقی بنیاد نظر نہیں آتی کہ یہ مان لیا جائے کہ نائن الیون کا حادثہ چند سر پھرے عربوں کا کام تھا اور یہ افغانستان پر حملہ کرنے کے بڑے منصوبے کا حصہ نہیں تھا۔ حقائق کو پرکھنے کی کسی مناسب کوشش کے بغیر صرف ایک متعصبانہ مفروضہ کی بنیاد پر حقیقت سے انکار کیا گیا۔ اگر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ کوئی بھی ملک اپنے ہی شہریوں کے خلاف ایسے اقدام کا سوچ بھی نہیں سکتا تو پھر اس سوچ کی کیا توجیہ ہے جو پبلک ریکارڈ پر موجود ہے۔ اس کے ثبوت کے طور پر ناتھ وڈوز (Northwoods) نامی کلاسیفائیڈ ڈاکومنٹ کو پیش کیا جاسکتا ہے جس کے مطابق 1962ء میں امریکی ہائی ملٹری کمانڈ اور سی آئی اے نے سنجیدگی کے ساتھ اس بات پر غور کیا تھا کہ امریکی شہریوں پر حملہ کر کے اس کا الزام کیوبا پر لگایا جائے اور اس طرح اس ملک پر امریکی حملہ کے لیے جواز پیدا کیا جاسکے۔⁽³⁴⁷⁾

اب یہ کیسے ممکن ہے کہ امریکی انٹیلی جنس سروسز اور ایئر فورس دونوں کی مہارت اور استعداد کے ہوتے ہوئے تاریخ عالم کے سب سے مشکل ترین اور پیچیدہ دہشت گردانہ حملوں کا نہ بروقت (وقوع سے پہلے) کچھ پتہ لگ سکے اور نہ اس کا کوئی مؤثر تدارک کیا جاسکے۔ یہ دو تناظر بیک وقت سامنے نہیں آسکتے۔ یعنی یا تو امریکی انٹیلی جنس اور ایئر فورس سروسز کی استعداد کی نفی کرنی ہوگی، یا اس تمام معاملہ کو جھوٹ اور ایک اندرونی کہانی تسلیم کرنا ہوگا۔ یہ بات عجیب لگتی ہے کہ امریکی انتظامیہ اس قابل تھی کہ اس نے نہ صرف یہ کہ ایک دن سے بھی تھوڑے وقفے کے اندر ملزم کی نشاندہی کی بلکہ دو دن کے اندر اندر کسی بھی شک و شبہ کے بغیر اس کی

پہچان بھی کر لی گئی۔

بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے بعض ترقی پسند عناصر کا دعویٰ ہے کہ یہ چند مسلم اہمچاندوں کا کام ہے جنہوں نے امریکی خارجہ پالیسی کے رد عمل کے طور پر یہ حملے کئے ہیں۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اگرچہ معین طور پر تو نہیں، تاہم انتظامیہ کو ان حملوں سے متعلق قبل از وقت کچھ تنبیہات مل چکی تھیں۔ اب اگر اس بات سے اتفاق کیا جائے تو پھر تو یہ ماننا پڑے گا کہ نائن الیون کی صبح صدر امریکہ اور اس کی ایئر فورس کا حرکت میں نہ آنا اور بروقت مدافعتی اقدام نہ کرنا اس حقیقت کو مزید تقویت پہنچاتا ہے کہ یہ ایک درون خانہ کام (سازش) تھا، نہ کہ یہ کسی غفلت یا عدم استعداد کے نتیجے کے طور پر ظہور پذیر ہوا ہے۔

پینٹاگون کے اندر جس جگہ کو حملہ میں نشانہ بنایا گیا، صرف ایک ہفتہ پہلے تک وہاں نہایت اہم سینئر سٹاف ممبران بیٹھا کرتے تھے۔ اب بظاہر بالکل اتفاقیہ طور پر ایک بہت بڑی تبدیلی عمل میں لائی گئی اور تمام اہم سٹاف اور سامان کو عمارت کے دوسرے حصے میں منتقل کیا گیا۔⁽³⁴⁸⁾ پینٹاگون سے متعلق یہ حیران کن واقعہ ہے جو اس بات کو مزید تقویت دیتا ہے کہ یہ سب کچھ اندرون خانہ معاملہ ہے۔ اگر حملہ ایک ہفتہ پہلے ہوتا تو طیارہ بالکل صحیح نشانے کو ہٹ (Hit) کر کے پینٹاگون کی بنیادی اہم آپریشنل مشینری کو تباہ کر کے ناکارہ کر دیتا۔ یہ ایک بہت ہی وزنی شہادت اور ثبوت ہے کہ پینٹاگون میں کوئی بہت ہی اعلیٰ پوزیشن پر فائز شخصیت ایسی تھی، جس کے علم میں تھا کہ حملہ ہونے والا ہے۔ ان واقعات کے علی الرغم کوئی اور نتیجہ نکالنا صرف ایک غیر واقعی اور خود ساختہ مفروضہ ہی ہو سکتا ہے، جسے ماننے کے لیے ذہن کو تیار کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

طالبان کے خلاف بلا ثبوت الزام تراشیاں

امریکی انتظامیہ اب تک نائن الیون حادثہ میں طالبان کے ملوث ہونے کے متعلق کوئی بھی ثبوت پیش نہ کر سکی۔ واحد جواز جو امریکی دار لارڈز سامنے لا رہے ہیں، وہ یہ ہے کہ طالبان نے ”دہشت گردوں“ کو پناہ دے رکھی تھی۔ وسط دسمبر 2001ء تک نیوکنزرویٹوز اور ان کے اتحادی صرف اسامہ کے نام کو بار بار دہرا رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اس گردان کے ذریعے اپنے الزامات کو سچا ثابت کر سکتے ہیں۔ القاعدہ کے ساتھ روابط کی بنیاد پر طالبان کو ملزم گردانا گیا۔

13 دسمبر کو ایک مضحکہ خیز وڈیو ٹیپ جاری کی گئی جس میں یہ ثابت کرنے کے لیے کافی مواد موجود ہے کہ امریکی انتظامیہ بالکل جان بوجھ کر اسامہ کو طرم بنا کر پیش کر رہی ہے، تاکہ اس بہانے طالبان پر ہاتھ ڈال سکے۔ اس انتہائی غیر معیاری ویڈیو ٹیپ کی ثقاہت پر فوری طور پر انگلیاں اٹھائی گئیں، جس سے ہٹس اس حد تک مشتعل ہوا کہ اس نے تھائی لینڈ کے وزیراعظم کے ساتھ ایک مختصر فوٹو سیشن کے دوران یہ بیان داغ دیا کہ ”یہ بات غیر معقول ہے کہ کوئی خیال کرے کہ یہ ٹیپ دھوکا دہی اور فریب کے لیے بنائی گئی ہے۔ یہ ایک ایسا کمزور بہانہ ہے، جو ایک بہت ہی بُرے انسان کو معافیت مہیا کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس نے مزید کہا کہ جو لوگ اس کو ایک مضحکہ خیز اور بناوٹی ٹیپ خیال کرتے ہیں وہ دراصل ایک بُرے انسان کے ساتھ خیر کی امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہیں۔“ (349) یہ بن لادن ہی ہے، جس نے قتل عام کیا، اس شخص نے معصوم لوگوں کا خون کیا۔“ برطانوی سیکرٹری خارجہ جیک سٹرانے اصرار کر کے کہا کہ بلاشبہ یہ حقیقت ہے، یہ اصل حقیقی بات ہے۔ (350) ویڈیو ٹیپ کے حق میں اتنی بلند سطح پر توثیق بیانات سے یہ بات مزید پختہ ہوگئی کہ یہ ویڈیو خصوصی پر تیار کی گئی، تاکہ اصل مجرموں کو چھپا کر طالبان حکومت کے خاتمے کا جواز فراہم کیا جاسکے۔

اگر ایمانداری سے بات کی جائے تو اس ویڈیو ٹیپ کو صحیح جاننا ایک مضحکہ خیز بات ہی ہوگی، لیکن پھر بھی آئیے کہ اس پر ایک نظر ڈال ہی لیں۔ یہ نیکنالوجی کا دور ہے، جہاں شفاف قسم کی فلموں سے بہت سارے کام لئے جاسکتے ہیں، مثلاً آپ Forest Gump کو جان ایف کینیڈی کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے دکھا سکتے ہیں۔ جہاں نقلی سائیکلون جھکڑ مودی سیٹ میں برپا کئے جاسکتے ہیں۔ جہاں ڈائنا سورس کو جو دو کروڑ سالوں سے معدوم ہو چکے ہیں، ایسے واضح طور پر دکھایا جاسکتا ہے کہ آپ قسم کھا کر کہیں گے کہ وہ آپ کے سامنے موجود دکھائی دیتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں اتنی حیران کن صفائی کے ساتھ پیش کی جاتی ہیں کہ ہمارے پاس واحد ذریعہ ان کے حقیقی نہ ہونے کی حیثیت جاننے کا صرف یہ رہ جاتا ہے کہ ہمیں پہلے ہی سے یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ نقلی ہے۔ یہاں اسامہ کی پانچ مختلف تصاویر ہیں۔ کوئی بھی شخص ان میں سے جو جی چاہے مطلب لے سکتا ہے۔ یہ تصاویر [C D] [A B E] مارک کی گئی ہیں۔ (351) اور تو اور سکول کے ذہن بچے بھی یہ بتا سکیں گے کہ اسامہ E ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے کہ ایک Sore Thumb ہو (معنی ہے بہت ہی نمایاں طور پر نظر آنے والا)۔ اس آدمی کی ناک اور رخساروں کے

درمیان خدو خال یہ واضح کرتے ہیں کہ یہ آدمی اسامہ نہیں۔ نمایاں طور پر مختلف نظر آنے والی بھویں، آنکھیں، منہ اور داڑھی کو تو ایک طرف کیجئے۔ (352)

اب یہ دلچسپ معاملہ دیکھئے، امریکی حکومت کی جاری کردہ ویڈیو میں اُسامہ 'E' اپنے دائیں ہاتھ سے نوٹس لکھتے ہوئے دکھایا گیا ہے، تاہم ایف بی آئی اسامہ کی جو تفصیل دیتی ہے (353) اس میں بتایا گیا ہے کہ اسامہ بائیں ہاتھ سے لکھتا ہے یعنی left handed ہے۔ اسامہ 'E' اپنے دائیں ہاتھ پر ایک انگوٹھی (ring) پہنے ہوئے دکھایا گیا ہے جو اسامہ کی دوسری مصدقہ تصاویر میں دکھائی نہیں دیتی، مثلاً اسامہ "B" میں۔ ایک دوسرا آدمی ایک سونے کی انگشتری پہنے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔ (354) چونکہ اسلام میں سونے کی انگشتریاں مردوں کے لیے ممنوع ہیں، لہذا اس سے تو یہ لگتا ہے کہ نہ تو اس دوسرے آدمی اور نہ ہی اسامہ کے دل میں اسلام کا کوئی لحاظ ہے۔

اگر یہ ٹیپ صحیح ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا امریکی حکام نے اس کی ایڈٹنگ کر لی؟ امریکی حکام یہ ماننے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ جو "ترجمہ" جاری کیا گیا ہے وہ تراشا گیا ہے۔ محکمہ دفاع کے ایک ترجمان کا کہنا ہے کہ ٹیپ لفظ بہ لفظ ترجمہ نہیں، لیکن یہ ضرور ہے کہ یہ پیغامات اور معلومات فراہم کرتا ہے۔ بینٹا گون نے یہ بھی مزید اضافہ کر دیا کہ "ترجمہ جو بھی ہے" ہے، ہم نے یہ بات خوب واضح کر دی ہے کہ یہ لفظ بہ لفظ ترجمہ نہیں۔ (355) پھر یہ سوال بھی اہم ہے کہ کیا بینٹا گون کی طرف سے (ویڈیو ٹیپ کے) مزید مکمل شکل میں ترجمہ پر کام کیا گیا اور پھر کیا یہ مکمل تحریری شکل میں عوام الناس کے سامنے پیش کیا گیا؟ ظاہر ہے، ان دونوں سوالوں کے جوابات نفی میں ہیں۔

جو ٹیپ 13 دسمبر کو جاری کی گئی وہ کب اور کہاں بنائی گئی اور کہاں سے برآمد ہوئی؟ یہ سوالات بھی حل طلب ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ٹیپ 9 نومبر 2001ء کو قذہار میں بنائی گئی۔ یہ وہ وقت ہے، جب کافی پہلے سے امریکی بمباری شروع ہو چکی تھی، اور یہ جلال آباد میں کسی گھر سے برآمد ہوئی، اور 14 نومبر کو طالبان دشمن قوتوں کے ہاتھ لگ گئی۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ صرف 4 دنوں کے اندر قذہار سے جلال آباد اس حالت میں پہنچی جب یہ شہر گھیرے میں آچکا تھا اور سخت خطرے سے دوچار ہو کر دشمن کے قبضے میں جانے کے قریب تھا۔ ایسے میں یہ مانے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ ہم یہ تسلیم کریں کہ تیاری کے فوراً بعد کسی نے بغیر کسی وجہ کے اسے فوری طور پر جلال آباد پہنچا کر وہاں آرام سے ایسی جگہ چھوڑا، جہاں یہ آسانی کے ساتھ طالبان مخالف

قوتوں کے ہاتھ لگ سکے۔ یہ کتنی بے سرو پا بات ہے۔ اگرچہ ایسا ہونا ناممکن نہیں، تاہم اس سے یہ ہوا آتی ہے کہ سب کچھ نائن الیون کا جرم طالبان کے کھاتے میں ڈالنے کے لیے کیا گیا۔ اسامہ کو قربانی کا بکرا بنانے کے لیے دو ہی باتیں کافی تھیں، یعنی اس کا افغانستان میں قیام اور امریکہ کے خلاف اعلان جہاد جو وہ بیانگ دہل کر چکا تھا۔

27 دسمبر 2001ء کو الجزیرہ پر ایک دوسری ویڈیو ٹیپ کے ذریعے ایک ”زررورڈ“ اور بہت ہی ”حقیقی“ اسامہ (جیسا کہ تصویر C میں ہے) دکھایا گیا۔⁽³⁵⁶⁾ اس ٹیپ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ 19 نومبر 2001ء کو بنائی گئی۔⁽³⁵⁷⁾ یعنی ”lucky find“ ٹیپ کے بنانے سے دس دن بعد۔ اگر فی الواقع ایسا ہے تو کیا اس بات پر یقین کیا جاسکتا ہے کہ صرف دس دنوں کے اندر اسامہ کا وزن اتنا گھٹ گیا اور اس کے چہرے، بالوں اور داڑھی کی رنگت اتنی بدل گئی؟ اس ٹیپ کے نشر ہونے سے امریکہ کے جھوٹ کی قلعی کھل گئی۔ بش انتظامیہ نے اس ٹیپ کو ایک ”نا کام پروپیگنڈا“ کا نام دیا۔ وہاٹ ہاؤس کے ایک اہلکار نے کہا کہ ممکن ہے، اسامہ بن لادن نے یہ ٹیپ بنا کر ہدایت کی ہو کہ اسے اس کی موت واقع ہونے کی صورت میں جاری کیا جائے۔⁽³⁵⁸⁾ یہ ان تجزیہ نگاروں کا خیال تھا جو سمجھتے تھے کہ اسامہ مر چکا ہے اور امریکی حکومت ایک مرے ہوئے حریف کا پیچھا جاری رکھنا چاہتی ہے۔⁽³⁵⁹⁾

الجزیرہ پر نشر ہونے والی اس ٹیپ نے ایک ہلچل پیدا کر دی۔ اس لیے کہ اس کے ذریعے پہلی ویڈیو کی تردید ہو گئی، جس میں اقرار جرم کیا گیا تھا۔⁽³⁶⁰⁾ ٹیلی گراف کے ٹوبے ہامن (Toby Hamden) کے مطابق ”امریکی اہلکار یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اسامہ کا دہشت گردی کے لیے یہ جواز بے جا ہے جو وہ بار بار امریکہ کے اسرائیل کی مدد کرنے کے حوالے سے پیش کرتا ہے۔ اس لیے کہ اسامہ نے ”ڈنر پارٹی“ ٹیپ میں نجی گفتگو کے دوران مشرق وسطیٰ کا بالکل کوئی تذکرہ ہی نہیں کیا۔“⁽³⁶¹⁾ یہ ایک بے جوڑی بات ہے، کیونکہ اسامہ کے 28 ستمبر والے بیان میں جس میں اس نے نائن الیون کے واقعہ میں ملوث ہونے سے صاف انکار کیا ہے، ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور اسرائیل کے متعلق بہت کچھ کہا گیا ہے۔ اسامہ بن لادن کہتے ہیں:

”یہ (امریکی) نظام کلی طور پر امریکی یہودیوں کے ہاتھ میں ہے، جن کی ترجیح اول امریکہ نہیں بلکہ اسرائیل ہے۔ یہ واضح ہے کہ امریکی عوام خود یہودیوں کے غلام ہیں

اور اس پر مجبور کئے گئے ہیں کہ وہ یہودیوں کے بنائے ہوئے اصولوں اور قوانین کے مطابق زندگی گزاریں، اس لئے سزا اسرائیل ہی کو کوٹنی چاہیے۔ درحقیقت یہ اسرائیل ہی ہے جو معصوم مسلمانوں کے خون سے کھیلتا رہتا ہے اور امریکہ ایک لفظ بھی (اس کے خلاف) منہ پر نہیں لاتا۔“ (362)

مزید برآں یہ عیاں ہے کہ اسامہ 1998ء ہی سے اسرائیل کے پیدا کردہ مسائل کے حوالہ سے اپنے نظریات پر مضبوطی سے قائم ہیں۔ وہ ہمیشہ سے یہ کہتے رہے ہیں کہ ”ہم امریکی عوام اور امریکی ماؤں سے کہتے ہیں کہ اگر انھیں اپنی زندگیاں اور اپنے بچوں کی زندگیاں عزیز ہیں تو انہیں چاہیے کہ ایسی محبت وطن امریکی حکومت منتخب کریں، جو ان کے مفادات کا خیال رکھے نہ کہ یہودیوں کے مفاد اور مقاصد کے تابع ہو۔“ (363)

اصل اسامہ اور ”Lucky find“ ٹیپ پر دکھائے ہوئے اسامہ میں نہ صرف یہ کہ نمایاں فرق دکھائی دیتا ہے، بلکہ وہ مختلف ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور اصل اور دکھائے ہوئے نقلی اسامہ کے اپنے عقیدے، سیاسی نقطہ ہائے نظر اور تحریر کی سطح میں بھی کافی فرق معلوم ہوتا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس معاملے میں کتنے فریب اور جھوٹ سے کام لیا گیا ہے۔ ’Lucky find‘ ٹیپ کو واضح طور پر مشکوک بنا دینے کی ایک معقول وجہ یہ ہے کہ اس آڈیو ٹیپ میں بہت زیادہ شور ہے، جس سے اس کا واضح طور پر سننا ناممکن ہو جاتا ہے۔ معلوم نہیں ہوتا کہ ٹیپ میں کیا کہا جا رہا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ٹیپ شور سے خالی ہوتی، مگر ایسا نہیں، بلکہ تقریر زبردست شور کے ہنگامے میں دبی ہوئی ہے۔

13 دسمبر 2001ء کو امریکہ نے جو ٹیپ جاری کی، اُس کے ضمن میں کافی وجوہات موجود ہیں کہ یہ ٹیپ وہ نہیں جیسا کہ امریکہ دعویٰ کرتا ہے۔ اسامہ سے منسوب بیان کا ترجمہ بتاتا ہے کہ ہائی جیکر اس سے بے خبر تھے کہ وہ موت سے دو چار ہونے والے ہیں، جبکہ FBI کے دعوے کے مطابق ہائی جیکروں کے لکھے ہوئے خطوط میں، جو ایف بی آئی کے ہاتھ لگے، اس کے بالکل متضاد بات کہی گئی ہے۔ (364) یہاں تک کہ کٹر سیکولر پاکستانی بھی اسامہ کی ’lucky find‘ ٹیپ کو ماننے کو تیار نہ تھے۔ اقبال حیدر جو سابق وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کی حکومت میں سینیٹر تھے، کہتے ہیں کہ میں یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ اسامہ جو نائن الیون میں ملوث ہونے کا سرعام انکار کر چکے ہیں، کسی کو اجازت دیں گے کہ اس کا اقرار کرتے ہوئے

ویڈیو فلم بنائی جائے۔ اتنا بے وقوف کوئی نہیں ہو سکتا کہ اتنے خفیہ طریقے سے ایک کام کر کے اُس کا از خود اقرار کر کے الزام اپنے سر لے لے۔ اقبال حیدر کہتا ہے: ”میں اسامہ اور طالبان سے نفرت کرتا ہوں کہ ان کے ہاتھوں مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچا، لیکن یہ ماننا بہت مشکل ہے کہ اسامہ اس حد تک بے وقوف ہوگا۔“ (365)

ایسا بھی ہوا کہ وہ لوگ جو 13 دسمبر 2001ء والی ویڈیو ٹیپ کو صحیح (اصلی) سمجھتے تھے، جب اس قسم کے ٹیپوں کا مہماتی لحاظ میں لگا تار آنا شروع ہوا، تو وہ بھی شک کرنے لگے۔ اسامہ کی ایک آڈیو ٹیپ نائن الیون کی پہلی برسی کے موقع سے صرف دو دن پہلے منظر عام پر آئی۔ عراق کے سلسلہ میں امریکی انتظامیہ کا ایک دعویٰ تھا کہ صدام حسین اور القاعدہ کے درمیان رابطے قائم ہیں۔ چنانچہ یو این او کے نام بُش کی ابتدائی اپیلوں اور کانگریس میں اسی طرح کی لابیگ سے چند ہی دن پہلے ایک آڈیو ٹیپ جاری کی گئی جسے اسامہ سے منسوب کیا گیا، تاکہ امریکی حکومت کے دعویٰ (صدام حسین اور القاعدہ کے روابط) کو تقویت دی جاسکے۔ یہ ٹیپ فروری 2003ء میں جاری کی گئی، جب امریکہ عراق کے خلاف اقوام متحدہ کی دوسری قرارداد کے لیے لابیگ کر رہا تھا۔ یہ جنگ سے ایک مہینہ پہلے کے واقعات تھے۔ اسی سال بعد میں ایک اور ٹیپ نکل آئی، جب بُش عراق کی تعمیر نو کے لیے ایشیائی ممالک سے مالی امداد کی حصول کے لیے کوشاں تھا۔ یہ ٹیپ بھی میڈرڈ میں ڈونرز کانفرنس شروع ہونے سے ایک ہفتہ قبل منظر عام پر آئی۔ اسی طرح ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے 2004ء کے الیکشن سے صرف تین دن پہلے ایک ٹیپ جاری کی گئی۔ مزید یہ کہ 19 جنوری 2005ء کو ایک اور ٹیپ جاری کی گئی جس میں ایسا مواد تھا جو بُش کے دعویٰ کی توثیق کرتا تھا۔ ٹیپ کی اجراء سے چند گھنٹوں بعد ہی آئی اے کے اہلکاروں نے اعلان کیا کہ یہ ایک ”اصل پیغام“ ہے جو اسامہ بن لادن کی طرف سے آیا ہے۔ بی بی سی سمیت بعض تجزیہ نگاروں نے فوری طور پر اس ٹیپ اور اس میں موجود مواد کی تصدیق کر دی۔ وہاٹ ہاوس معاملہ کو آہنی ہاتھوں سے نمٹانے کے جواز کے لیے اسی ٹیپ کے حوالے سے اپنے بیرونی حلیفوں کو راضی کرنے کی کوشش کرے گا۔ گویا کرتے ہوئے عام شہری بھی مار دیئے جائیں، جیسا کہ پاکستان پر فضائی حملوں میں ایسا ہوا۔ (366)

پروفیسر بردس لارنس نے اپنی تازہ تصنیف: "Messages to the World: The Statements of Osama bin Laden" (367) کے لیے القاعدہ سربراہ

کی 20 مکمل تقاریر اور انٹرویوز کا تجزیہ کیا ہے۔ لارنس کا کہنا ہے کہ ”یہ تو قبر سے آواز“ جیسی کہانی ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ پاکستان میں غلط خبری کے نتیجے میں حملہ سے عام شہریوں کی اموات واقع ہوئیں۔ پاکستانی اہلکاروں نے اپنی غلطی پر سے عوام کی توجہ ہٹانے کے لیے ٹیپ کو سامنے لانے کی تدبیر کی۔⁽³⁶⁸⁾ پاکستانی حکام در پردہ سی آئی اے کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ الجزیرہ بھی اب مانتا ہے کہ یہ گمراہ کن ٹیپ سی آئی اے نے تیار کر کے جاری کروائی تھی۔⁽³⁶⁹⁾

آئیے، تھوڑی دیر کے لیے فرض کر لیتے ہیں کہ 13 دسمبر 2001ء والی ٹیپ اصلی ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ دنیا کے سامنے ایسی کوئی شہادت پیش کرنے سے دوہینے پہلے ہی افغانستان پر جنگ مسلط کر دی گئی تھی۔ اس قسم کی شہادت کا طالبان یا ان کی حکومت کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں بنتا۔ ٹیپ حملہ کی منصوبہ بندی میں طالبان یا ان کی طرف سے کسی قسم کی مدد یا تعاون کے متعلق کوئی تذکرہ ہی نہیں کرتی۔

اگر 13 دسمبر 2001ء والی ٹیپ اصلی بھی ہو تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اسامہ ان حملوں کا ماسٹر مائنڈ تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسے ان واقعات کا پہلے سے کچھ علم تھا، لیکن اس سے کسی بھی صورت میں اسے نائن ایون سانحے کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ٹیپ سے اگر کسی بات کا پتہ چلتا ہے وہ صرف اس حد تک ہے کہ اسامہ کہتا ہے کہ اسے ہونے والے حملہ کے متعلق 5 دن پہلے بتایا گیا تھا۔

اگرچہ اسامہ نے وسط اگست 2001ء میں ایک انٹرویو کے دوران مجھے ہذا (عابد اللہ جان) کو بتایا تھا کہ ہم کچھ کر گزرنے والے ہیں۔ چنانچہ نائن ایون کے ظہور پذیر ہونے کے بعد میرا رد عمل یہ تھا کہ اسامہ اس حملہ کو صحیح تصور کرتا ہے، لیکن اس میں اس کا ہاتھ نہیں۔⁽³⁷⁰⁾ اسامہ کی اس اطلاع کا ذریعہ وہ عرب تھے جو حقیقت کو سمجھتے ہوئے یا بے سمجھی میں ان امریکی حکام کے ساتھ کام کر رہے تھے جو نائن ایون آپریشن میں ملوث تھے۔ اسامہ کو یہ بات اس لیے بتائی گئی کہ منہ پھٹ اسامہ کو اس کے لیے تیار کیا جائے کہ وہ حملوں کے متعلق برملا کچھ کہہ گزرے، تا کہ جب نائن ایون کا واقعہ ظہور پذیر ہو جائے تو پھر اس میں اسامہ کو ملوث کرنا کوئی بڑا مسئلہ نہ رہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اسامہ کو پھنسانے کے لیے جال پھیلانے کی تدبیر ایک مدت سے کی

جار ہی تھی۔ ایمن الظواہری کے مطابق اسامہ نے وہی بیان کہ ”ہم کچھ کرنے والے ہیں“ ایک سینکڑے نیوین صحافی کو بھی دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پھر طالبان نے انٹرویو لینے والوں پر اپنے ساتھ کمرے اور ریکارڈنگ سے متعلق آلات لے جانے پر یک گونہ پابندی لگا دی۔ ظاہر ہے، اس قسم کے بیانات طالبان کے لیے ایسے وقت میں مسائل کا باعث تھے، جبکہ وہ اپنے آپ کو بین الاقوامی طور پر منوانے کی کوشش کر رہے تھے۔

سازشی جال پھیلانے کے مفروضہ کو اس حقیقت سے بھی تقویت ملتی ہے کہ کچھ عرصہ پہلے 1999ء کے دوران یو ایس نیشنل انٹیلی جنس کونسل کی ایک رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ اس بات کا امکان ہے کہ القاعدہ کے خود کش بمبار بارود سے بھرے ہوئے جہاز پیناگون، سی آئی اے ہیڈ کوارٹر یا وہاٹس ہاؤس سے ٹکرا دیں۔ (371) مزید براں کم از کم گیارہ ممالک ایسے تھے جنہوں نے نائن الیون حملوں کے متعلق امریکہ کو پیشگی خبردار کیا تھا۔ اگست 2001ء میں موساد کے دو مشاق اور ماہر کارکن اس غرض سے واشنگٹن بھیج دیئے گئے تھے کہ وہ سی آئی اے اور ایف بی آئی کو 200 دہشت گردوں کی ایک خفیہ ٹولی کے متعلق آگاہ کریں جو ایک بڑے آپریشن کی تیاری میں مصروف ہیں۔ (372) یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ ادارے عدم استعداد کے شکار نہیں تھے۔ یہ تو ایک سازشی چال کے لیے چرچا کرنا تھا، تاکہ مجوزہ خود کردہ حملوں کی ذمہ داری اسامہ اور اس کے ساتھیوں پر اس طرح ڈالی جاسکے کہ لوگ پہلے سے ان تدابیر کی بنیاد پر پورا پورا یقین کر لیں کہ ہاں یہ سب کچھ اسامہ ہی نے کیا ہے۔ یو ایس انٹیلی جنس سروس کے جن ذمہ داروں کو باہر سے اطلاعات اور وارننگز ملی تھیں، یہ انہی کا کام ہے کہ انھوں نے ممکنہ حملوں کے متعلق اطلاع دے کر منصوبہ کے مطابق ہونے والے حملوں کے لیے ذہنوں کو ان خطوط پر تیار کرایا کہ ان حملوں کے لیے اسامہ اور اس کے ساتھیوں ہی کو ذمہ دار گردانا جائے۔ اب ان باتوں کے ثبوت کے لیے یہ کافی ہے کہ امریکی حکومت نے پہلے تو ”عدم استعداد“ کے پردہ کے پیچھے اپنا چہرہ چھپانے کی کوشش کی، اور دوم یہ کہ اس نے نہ صرف نائن الیون کے وقوع سے پہلے حملوں کی تدارک کے لیے کوئی سرگرمی دکھائی اور نہ ہی اس دوران جب نائن الیون کے واقعات ہو رہے تھے۔

ڈاکٹر ایمن الظواہری کے اسامہ کے بیانات کے متعلق کچھ کہنا یا خبردار ہونا (اگر ”lucky find“ ٹیپ کو بیچ مانا جائے) اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ اگر اسامہ کو ممکنہ حملوں کے

متعلق کچھ علم تھا تو صرف یہ تھا کہ ان کو چند دن یا ہفتے پہلے اس کے متعلق محض اطلاع ملی تھی ورنہ اسامہ اور طالبان میں سے کوئی بھی ان حملوں کا بنیادی کردار نہیں تھا۔ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ طالبان اور ان کے عرب مہمانوں کے درمیان تعلقات اتنے گہرے اور دوستانہ نہیں رہے تھے، جتنا کہ مغربی میڈیا نے اس کو اچھالنے کی کوشش کی ہے۔ طالبان نے تو اسامہ اور اس کے ساتھیوں سے خبر رسانی کا کل سامان ہی ضبط کر لیا تھا، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اس کی مزید توثیق ملا عمر کے اس بیان سے ہی ہو جاتی ہے، جسے 9 دسمبر 2001ء کو خبر رساں انجینی رائٹر نے رپورٹ کیا تھا۔ ملا عمر نے کہا:

”ہم نے امریکہ کو بتایا ہے کہ ہم نے اسامہ سے (رابطے کے) تمام ذرائع لے لئے ہیں اور وہ بیرونی دنیا کے ساتھ رابطہ قائم نہیں کر سکتا۔ ہم نے امریکہ کو یہ بھی بتایا ہے کہ نہ تو افغانستان کی اسلامی امارت اور نہ ہی اسامہ امریکہ کے واقعات میں ملوث ہیں۔ لیکن یہ افسوس ناک امر ہے کہ امریکہ ہماری بات پر کان ہی نہیں دھرتا۔“ (373)

ڈاکٹر ایمن الظواہری کے بیانات سے اس بات کی بھی توثیق ہو جاتی ہے کہ وہ طالبان کے رویہ سے مطمئن نہیں تھے۔ الظواہری نے نائن الیون سے چند ہفتے پہلے راقم (عابد اللہ جان) کو اسامہ بن لادن سے انٹرویو لیتے وقت بتایا تھا کہ ”طالبان نہ ان کی بات مانتے ہیں اور نہ اسامہ کی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں

”جب ہم انھیں کوئی مشورہ دیتے ہیں، وہ جواب میں مسکرا کر یہ تاثر دیتے ہیں کہ ہم کچھ بھی نہیں جانتے۔“

اگر فرض کیا جائے کہ ”Lucky find“ ٹیپ اصلی ہے تو اس سے لگتا ہے کہ اسامہ کو حملہ سے صرف پانچ دن پہلے اس کی اطلاع دی گئی تھی۔ ایسے میں یہ سوال بھی اہم ہے کہ انہیں یہ اطلاع کس نے دی؟ غالباً اس کام کے لیے اصل مجرموں نے عربی بولنے والے ایجنٹ یا ڈبل ایجنٹ استعمال کئے، جن کے ذریعے یہ پیغامات اسامہ کو پھسانے کے لیے دیئے گئے۔ امریکہ میں منشیات کے کاروبار کے ایسے ہزاروں واقعات ان ایجنٹوں کے ذریعے کرائے جاتے ہیں، جہاں بالکل بے خبر اور معصوم لوگوں کو ملوث کر کے پھنسا دیا جاتا ہے اور انھیں سزا ہو جاتی ہے۔ اس کی ایک مثال وہ ہے جو Arnold.S. Trebach نے اپنی کتاب "The Great Drug War" میں بیان کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ”گیرنجر (Gieringer) کے مطابق اس کام

کے لیے نہ صرف یہ کہ DEA نے اپنے مجرموں کو استعمال کیا، بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ خود IDEA ایجنٹ براہ راست منشیات سپلائی کرنے کے کام میں ملوث رہے ہیں۔“

یہ امریکہ میں معمول ہے اور یہ صرف منشیات تک محدود نہیں۔ اس سلسلے میں James Bovard اپنی مشہور کتاب "Lost Rights" میں کئی مثالیں دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے "گزشتہ 15 سالوں کے دوران امریکی قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں نے ہزاروں ایسی سیکسیس بنائیں جن کے ذریعے لوگوں کو "جرائم" کے پھندے میں پھنسا کر ان سے وصولی کی جاتی ہے۔ وہ یہ کام پرائیوٹ اکاؤنٹس، حکومت اور کلائنٹس کے درمیان معاملات میں بڑی بڑی رشوتیں اور Kickbacks لے کر بھی کر رہے ہیں۔“ (375)

جس طرح بینک آف کریڈٹ کامرس انٹرنیشنل (BCCI) کو پھنسا دیا گیا، (376) اسی طرح کا پھندا اسامہ بن لادن کو پھنسوانے اور طالبان کو گرانے کے لیے بھی ڈالا گیا۔ ان کاموں کے لیے ایجنٹوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ مثال کے طور پر کینیڈا کی پولیس نے علی محمد نای شخص کو گرفتار کیا، جو القاعدہ میں ایک اہم عہدہ پر فائز تھا، لیکن جب FBI نے تصدیق کی کہ وہ ایک امریکی ایجنٹ ہے، تو انہوں نے اسے آزاد کر دیا۔ (377) یہاں تک کہ شیخ سعید جس پر یہ الزام لگایا جا رہا ہے کہ اس نے بڑے ہائی جیکر محمد عطا کو رقم بھیجی تھی کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ وہ سی آئی اے کا ایجنٹ ہے۔ ٹس برگ ٹریبون ریویو (The pittsburg Tribune Review) کا خیال تھا کہ سعید نہ صرف آئی ایس آئی اور القاعدہ دونوں سے بہت قریبی تعلق رکھتا تھا، بلکہ اس کا بھی بہت زیادہ امکان ہے کہ وہ سی آئی اے کے ایجنٹ کے طور پر کام کر رہا تھا۔ "مشرف حکومت میں شامل لوگوں کو یقین ہے کہ سعید شیخ کی طاقت کا سرچشمہ دراصل آئی ایس آئی نہیں، اس کی اصل طاقت ہماری (امریکی) CIA ہے۔ یہ تھیوری اس طرح ہے کہ شیخ سعید کو خرید لیا گیا اور قیمت ادا کی گئی۔“ (378)

یہ شہادت موجود ہے کہ جو عرب نائن لیون آپریشن میں استعمال کئے گئے وہ امریکی حکومت کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ کئی ایک مضامین اس پر روشنی ڈالتے ہیں کہ نائن لیون کے ہائی جیکروں میں سے کم از کم سات ایسے تھے، جن کی تربیت یو ایس ملٹری مراکز میں کی گئی تھی۔ (379) نیویارک ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق "محکمہ دفاع نے اعلان کیا کہ مسٹر عطا نے الالباما کے میکسویل ایئر بیس میں، مسٹر المعری نے ٹیکساس کے بروک ایئر بیس کے میڈیکل سکول

میں اور مسٹر الغامدی نے مانٹری کیلیف کے پریسڈیو کے ڈیفنس لینگویج انسٹی ٹیوٹ میں تربیت حاصل کی تھی۔“ (380)

احمد النامی، احمد الغامدی اور سعید الغامدی نے اپنے ڈرائیونگ لائسنسوں میں بطور مستقل پتہ فلوریڈا کا پنسا کولائیول ایئر سٹیشن درج کیا تھا۔ (381) حمزہ الغامدی بھی پنسا کولائیول کے ساتھ وابستہ تھا۔ (382) واشنگٹن پوسٹ کے شاف رائیٹرز گونے لگی ہوئے اور ڈیوڈ ایس فالیس کے مطابق جن 19 مشتبہ لوگوں کے نام ایف بی آئی نے دیئے تھے، ان میں سے دو (یعنی سعید الغامدی اور احمد الغامدی) دو ایسے نام تھے جو پنسا کولائیول ہاؤسنگ فیسلٹی میں ملٹری کے زیر تربیت افراد کی لسٹ میں شامل تھے۔ دوسرے دو افراد (حمزہ الغامدی اور احمد النامی) کے نام ایسے ناموں سے مشابہ تھے جن کا میں نے اندر پتہ وہی تھا جو ان کا تھا۔ مزید برآں سعید الغامدی نے سان اٹانہو کے لیک لینڈ ایئر بیس سے گریجویٹ کی تھی۔ اسی طرح دو دوسرے ہائی جیکروں محمد عطا اور عبد العزیز العمری کے ناموں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بالترتیب میکسویل ایئر بیس کے انٹرنیشنل آفیسر سکول اور بروکس ایئر بیس کے میڈیکل سکول کے گریجویٹ ہیں۔ (383)

محکمہ دفاع کے ایک اہلکار نے اس کی توثیق کی ہے کہ سعید الغامدی ایک سابق سعودی فائٹر پائلٹ تھا، جس نے کیلی فورنیا میں واقع مونٹری کے ڈیفنس لینگویج انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ لیا تھا۔ (384) عبد العزیز العمری نے ٹیکساس کے بروکس ایئر فورس بیس کے ایروپیس میڈیکل سکول سان اٹانہو میں تربیت حاصل کی تھی۔ (385) عطا کی سابق سعودی پائلٹ ہونے کی تصدیق محکمہ دفاع کے ایک اور اہلکار نے بھی کی۔ (386) جب ایئر فورس کی طرف سے ان ناموں کے متعلق یہ اعلان ہوا کہ ضروری نہیں کہ ان مشتبہ ناموں والے لوگوں ہی پر انگلی رکھی جائے تو میڈیا نے بھی اس کہانی میں مزید دلچسپی لینی کم کر دی، (387) لیکن ملٹری اس بات سے قاصر رہی کہ وہ ان افراد کے متعلق مکمل معلومات فراہم کرے، جن کے نام ہائی جیکروں کے ناموں سے ملتے ہیں۔ ڈینیل ہاپ سیکر کا خیال ہے کہ ”یہ بات آسانی سے سمجھ میں آتی ہے کہ پیناگون جھوٹ سے کام لے رہا ہے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ یہ بات نہ دلیل کے مطابق ہے اور نہ منطق کے، کہ سات کی سات رپورٹیں غلط ہوں۔ ایک یا دو کی بات کی جائے، تو پھر بھی اس میں کچھ وزن ہو سکتا ہے لیکن سات لوگوں کے متعلق جو مختلف ذرائع سے مضامین اور رپورٹیں آئی ہیں وہ غلط ہو سکتی ہیں، یہ انہونی ہے۔“ (388)

ٹائن الیون کے تفتیش کاروں نے اس بات کی توثیق کر دی ہے کہ اسامہ کو پھنسانے کے لیے عرب ایجنٹوں کو استعمال کیا گیا اور یہ کہ ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے کہ ٹائن الیون کے وقوع سے کچھ وقت پہلے ہی اس سے امریکہ پر حملہ کے متعلق غصہ بھرے بیانات دلوادے گئے۔ ڈیوئل ہاپ سیکر اپنی کتاب "Welcome to Terror Land" کا اختتام کچھ اس طرح کرتا ہے "محمد عطا پر ایک مسلم بنیاد پرست سے زیادہ یہ نسبت بجتی ہے کہ وہ عرب اشرافیہ کا ایک فرد، ایک سراغ رساں اور مخبر ہے۔ جس شخص پر بنیاد پرستی کا لیبل لگا کر اس کا ایسا ہیولا پیش کیا جا رہا ہے کہ اُس نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو تباہ کرنے کی ٹھان لی ہو، اس کے متعلق اس عجیب و غریب تضاد کو نوٹ کیجئے کہ اس کی ای میل لسٹ میں کئی ایک یو ایس ڈیفنس کنٹریکٹرز کے نام شامل ہیں۔ (389)

ہاپ سیکر نے اپنے طور پر تفتیش کرنے کے سلسلہ میں جب بیناگون فون کر کے پبلک انفارمیشن آفیسر سے بات کی تو ہائی جیکروں کی شناخت سے انکار کیا گیا اور اسی بیان کی تشبیہ کی گئی۔ اس آفیسر کے ساتھ سلسلہ جذباتی کے نتیجے میں جو کچھ ہاپ سیکر نے اخذ کیا وہ یہ ہے کہ کہیں نہ کہیں محکمہ دفاع میں ایسی لسٹ ضرور موجود ہے، جس میں 11 ستمبر والے دہشت گردوں کے نام درج ہیں، جنہوں نے یو ایس ملٹری فیسیلیٹیز میں تربیت حاصل کی تھی۔ بات صرف اتنی ہے کہ وہ افسران اس بات کے افشا کرنے کے مجاز نہیں۔ (390) علاوہ ازیں سیکر نے ایک ایسی خاتون سے بھی بات چیت کی جو اباما کے میکسویل ایرمیس پر کام کرتی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

”میری ایک گرل فرینڈ ہے جو محمد عطا کو پہچانتی ہے۔ وہ اسے آفیسر کلب میں ایک پارٹی میں ملی تھی۔“ اس نے ہمیں بتایا کہ میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ یہ وہی شخص ہے۔ کیونکہ میں صرف پہلو کہنے کی حد تک اسے نہیں ملی تھی۔ ملنے کے بعد اس خاتون نے عطا کو اپنے ساتھ موجود لوگوں سے متعارف کرایا۔ اس لئے وہ اسے پہچانتی ہے کہ وہ وہی ہے۔ اس نے کہا، میکسویل ایرمیس پر سعودی بہت نمایاں نظر آتے تھے۔ وہ کافی تعداد میں تھے جو ٹنگمری کے ایک اونچے درجے والے کپلیکس میں رہائش پذیر تھے۔ انھیں ان (سعودیوں کو) کو یہاں سے نکالنا تھا۔ حملہ کے دن کے بعد وہ تمام وہاں سے چلے گئے۔“ (391)

اس کے باوجود کہ ٹائن الیون کرائم سین میں یہ ایک بنیادی اہمیت کی حامل بات ہے، مگر حیران کن امر یہ ہے کہ تفتیشی کارروائی میں ونس (فلوریڈا) کی طرف ان لوگوں کے جانے

کا کوئی ذکر تک نہیں۔ درحقیقت ایف بی آئی نے پوری توجہ ”جو کچھ ہوا“ پر مرکوز کرنے کی بجائے ان شہادتوں کو چھپانے اور گواہوں کو ڈرانے دھمکانے پر رکھی، جنہوں نے ایسے واقعات دیکھے اور سنے تھے جو سرکاری کہانی کو جھوٹا ثابت کر رہے تھے۔⁽³⁹²⁾ مثلاً محمد عطا کی سابقہ گرل فرینڈ امانڈہ کیلر (Amanda keller) کا کہنا ہے کہ وینس کو چھوڑ جانے کے بعد بھی کئی مہینوں تک ایف بی آئی والے اس کے پاس ہر دوسرے روز آکر اسے یہ حکم دیتے رہے کہ وہ کسی سے اس سلسلہ میں بات نہ کرے۔ اسی طرح ایک سٹیفانی فریڈریکسن (Stephanie Fredericson) نامی خاتون جو وینس میں عطا اور کیلر کی پڑوسن تھی، بتاتی ہے کہ اسے اور اس کے ساتھ اس اپارٹمنٹ میں رہائش پذیر دوسرے لوگوں کو ایف بی آئی کے ایجنٹوں نے مختلف طریقوں سے ڈرا دھمکا کر ہر اس کے رکھا کہ ہم کسی رپورٹر کو کوئی بیان دینے سے باز رہیں۔

ایف بی آئی والے ٹائن الیون حملہ سے چند ہی گھنٹے بعد وینس آچہنچے۔ ہف مین ایوی ایشن (Huffman Aviation) کے ایک سابق منیجر نے بتایا: ”وہ حملہ کے 4 گھنٹے بعد میرے گھر کے سامنے تھے“ اس نے مزید کہا ”میرے ٹیلی فون خفیہ ماسکرفون کے ذریعے بند کئے گئے جو ابھی تک بند ہیں۔ یہ سوال آپ خود سے پوچھئے کہ ایف بی آئی والے اتنی جلدی کیسے پہنچ گئے؟“⁽³⁹³⁾ حملوں کے 24 گھنٹوں کے اندر اندر ہف مین ایوی ایشن سنٹر سے (جہاں عطا اور الشیہ بسی نے کورس میں شرکت کی تھی) تمام ریکارڈ فلوریڈا کے گورنر جب بش نے (جو صدر بُش کا بھائی ہے) C130 طیارے کے ذریعے واشنگٹن پہنچایا۔ اسی طرح وینس پولیس کے ایک اہلکار کا کہنا تھا کہ ایف بی آئی ان کی تمام فائلیں لے کر اسی طیارے کے ذریعے جس پر جب بش سوار تھا، واشنگٹن لے گئی۔ ہاپ سیکر لکھتا ہے: ”اہم نکتہ یہ ہے کہ فائل سے نقل لینا تو قابل فہم ہے لیکن سالم فائلز لے کر پہنچانا ایک بالکل اور چیز ہے۔ مطلب یہ کہ ایف بی آئی کوئی رسک لینا نہیں چاہتی تھی“۔⁽³⁹⁴⁾ وہ اس سے نتیجہ اخذ کرتا ہے: ”فلوریڈا کی صورت حال اس بات کا ایک مکمل طور پر قابل یقین اور کھلا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ مرکز (واشنگٹن) کی براہ راست نگرانی کے تحت واقعات کو چھپانے کا پورا پورا انتظام کیا جا چکا تھا۔“⁽³⁹⁵⁾ جن لوگوں کو ہائی جیکر گردانا گیا ہے، وہ دراصل امریکی حکام کے ایجنٹ تھے۔ ان کے طرز زندگی (Life style) سے یہ کبھی نہیں لگتا کہ وہ کوئی مذہبی انتہا پسند یا بنیاد پرست ہیں، جو

اسلام کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے آمادہ ہو چکے ہوں۔ نائن الیون سے چند ہی دن پہلے عطا اور اس کے ساتھی پائلٹ مروان الشیشہبسی کو فورٹ لاڈرڈیل کے بار (bar) میں ایک شام کو خوب شراب نوشی کرتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ بار کے منیجر نے بعد میں رپورٹرز کو بتایا تھا کہ ”دونوں نے سناٹا لپٹا دیا، اور بج جوس اور شراب وغیرہ پی کر اپنے آپ کو بے خود کر دیا تھا۔“ برٹینڈر پیئرسیا کا کہنا تھا ”عطا تین گھنٹے متواتر پیتا رہا یہاں تک کہ وہ اپنے آپ سے بے خبر ہو گیا۔“ (398) اماٹھ کیلر عطا کے ساتھ ایک کلب میں ایک خصوصی شب کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہے: ”مردان (الشیعی) عورتوں کی ایک ٹولی کے ساتھ بار (bar) میں بیٹھا جام پہ جام لٹا رہا تھا، اور وہ ڈالر بھی اڑا رہا تھا۔“ اسی طرح ہاپ سیکر بتاتا ہے ”ایک بات تو یہ ہوئی کہ عطا شراب، عورت اور تاج گانے کا رسیا ہے تو دوسری طرف مروان (خود نمائی کے لیے) روپیہ لٹاتا رہا۔ اب ان چیزوں کو اسلامی بنیاد پرستی کے ساتھ نتھی کرنا کسی بھی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔“ (397) اب سوال یہ ہے کہ کیا اس قماش کے لوگ وہ اسلامی بنیاد پرست ہو سکتے ہیں جو امریکی طرز زندگی سے نفرت کرتے ہیں اور جو امریکہ کے خلاف گلوبل جہاد میں اپنی جانوں کو قربان کرنے پر تیار ہو چکے ہیں؟ یقیناً یہ ناممکن ہے۔

نیوز ویک کے مطابق 13 دسمبر کی "lucky find" ٹیپ اور ہائی جیکروں کا معاملہ ایک ہی جال میں پھنسنے کے لیے مختلف حیلے ہیں، جو اختیار کئے گئے۔ نامزد ہائی جیکروں میں سے پانچ نے محفوظ یو ایس ملٹری مراکز میں 1990ء کے عشرہ کے دوران تربیت حاصل کی تھی۔ (398) اسامہ القاعدہ کے خلاف براہیختگی برپا کرنے والی ٹیپ سے حاصل شدہ اسامہ کے اقراری بیان کے اس حصے پر کسی نے غور نہیں کیا جس میں اس نے کہا کہ اسے ”حملہ کے متعلق صرف پانچ دن پہلے بتایا گیا تھا“ پھر وہ کون (لوگ) ہیں جنہوں نے نائن الیون حملوں کو منظم کر دیا تھا؟ "lucky find" کو اگر ایک طرف رکھ کر اسامہ کے اس معاملہ میں ملوث ہونے کے امکان پر منطقی انداز سے سوچا جائے تو جس نتیجہ پر پہنچا جاسکتا ہے، وہ یہ ہے کہ ایسا ہونا قطعاً ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ اسامہ نے نامہ نگاروں سے اپنی ملاقات میں حملوں سے پانچ دن پہلے آگاہ ہونے کا بتایا، اُس سے لگتا ایسا ہے کہ اسامہ کو ان حملوں کے متعلق معلومات بھجوانا اس کو پھنسانے کی ایک تدبیر تھی۔ امریکہ میں منشیات سے متعلق لوگوں کو پھنسانے کے لیے اس طرح کے ہزاروں واقعات ہوتے ہیں۔ اگر اس طرح کا کوئی معاملہ نہ تھا تو پھر دو

امکانات باقی رہ جاتے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(الف) اُسامہ اس معاملہ میں پوری طرح ملوث ہے اور اس نے یو ایس اتھارٹی کے ساتھ پوری ٹکر لینے کی حد تک اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔

(ب) یا کم از کم یہ ہے کہ وہ اس میں ملوث ہے، اس پس منظر کے ساتھ کہ امریکی انتظامیہ اُس کے پورے منصوبے سے پوری طرح باخبر تھی کہ وہ کیا کرنے جا رہا ہے، تاہم اس نے اس کو ناکام بنانے کی کوشش اس لئے نہیں کی کہ اس سانحہ سے جو فوائد سیٹے جاسکتے تھے، وہ نقصان کے مقابلے میں بہت بڑے اہداف معلوم ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ٹائٹن الیون کے سلسلہ میں کسی اور شخص کے ملوث ہونے کے شبہ کو بھی ذہن میں لانے کا سوچا ہی نہیں گیا، اس کے باوجود کہ امریکہ کے متعدد ایسے دشمن موجود ہیں۔ اگر غیر جانبدار تحقیقات کی جاتیں تو اس میں چند ایک مشتبہ ناموں پر مشتمل فہرست ضرور سامنے آ جاتی۔ جیسے صدام حسین، قذافی، کاسترو، کوئی فلسطینی گروہ، روس، چین، مقامی دائیں بازو والی ملیشیاؤں میں سے کوئی ایک، اینٹی گلوبلائزیشن گروپ میں سے کوئی ایک، شام یا کوئی ایسے عناصر جو غیر معمولی اور نامعلوم رہے ہوں۔ ایسی ممکنہ فہرست یقیناً ایک بڑی فہرست ہو سکتی ہے جس میں ایک نام اُسامہ کا بھی ہو سکتا ہے۔ اب اگر ٹائٹن الیون کے متعلق صحیح معنوں میں تفتیش کے لیے درکار ضروری ساز و سامان (Logistics) کو مد نظر رکھا جائے تو بآسانی یہ بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ یہ تمام معاملہ مشکوک ہے، کیونکہ سارے تفتیشی معاملے میں یہ ضروری logistics کہیں نظر نہیں آتیں۔

آئیے، اس پس منظر میں حقائق کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ یونابمب (Unabomber) کو گرفتار کرنے میں امریکی اہلکاروں کو 18 سال کا عرصہ لگا (399) لیکن حیرانی کی بات ہے کہ جن لوگوں پر ٹائٹن الیون آپریشن کی تیاری کا الزام ہے، وہ 19 ہائی جیکروں سمیت امریکی حکومت اور میڈیا کو صرف چند گھنٹوں کے اندر اندر معلوم ہو گئے۔ یہی نہیں، انھوں نے چند ہی دنوں میں اپنی یلغار کے لیے افغانستان کو ہدف بھی ڈکلیئر کر دیا۔ بعد میں ایک موقع پر سی آئی اے کے سینئر ایگزیکٹو اے بی کرونگارڈ (AB Krongard) نے کہا کہ اُسامہ کی گرفتاری کچھ خاص اہمیت نہیں رکھتی۔ (400) اس سے یہ بات بالکل بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ٹائٹن الیون آپریشن کا مقصد افغانستان پر حملہ اور طالبان حکومت کے خاتمے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

پہلے سے اخذ کردہ نتائج

طالبان نشانہ اور اسامہ بہانہ تھے۔ اسامہ کے امریکہ کے خلاف بیانات طالبان کے خلاف یلغار کا بہانہ بن گئے۔ نائن الیون ایک بہترین موقع تھا۔ عوام الناس کی طالبان کے خلاف کئی سالوں کے پروپیگنڈے سے برین واشنگ ہو چکی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ طالبان کے طریقہ کار اور عملی اقدامات میں کمزوریاں تھیں۔ یقیناً انھوں نے غلطیاں کیں اور طالبان حکومت کے نچلے درجے کے اہلکار قانون کی عمل داری کے سلسلہ میں انتہا پسندی کے مرتکب ہوئے۔ تاہم یہ ایسی چیزیں نہیں جن کو بنیاد بنا کر افغانستان پر حملہ اور قبضہ کو جائز قرار دیا جائے۔ اگر ہم طالبان کے جرائم کا اسرائیل کے صیہونیوں اور دور جدید کے امریکی فاشسٹوں کے جرائم سے تقابل کریں تو صاف نظر آئے گا کہ طالبان کے جرائم تو ان کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ تو کیا یہ صورت حال بقیہ دنیا کے لیے یہ جواز پیدا کر دیتی ہے کہ وہ امریکہ اور اسرائیل کے خلاف جارحانہ جنگ شروع کرے، تاکہ ان کی موجودہ حکومتوں کو ہٹا کر ان کے طرز حکمرانی کو تبدیل کیا جائے اور مستقبل میں انہیں انسانیت کے خلاف جرائم سے روکا جاسکے؟

دوسری طرف طالبان کے خلاف سالوں پر محیط پروپیگنڈا نے رائے عامہ کو ہموار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر عوام نائن الیون کے سانحہ کے بعد صرف ایسوی ایشن (طالبان سے تعلق) کی بنیاد پر افغانستان پر حملہ کے جواز کے قائل ہو گئے۔ اگرچہ ان اہم 25 دنوں (11 ستمبر تا 7 نومبر) کے دوران طالبان پر کوئی ایسا الزام نہیں لگایا گیا کہ وہ ان حملوں کے ماسٹر مائنڈ تھے یا انھوں نے عملی طور پر حملوں میں حصہ لیا لیکن اس کے باوجود باقاعدہ تفتیش کے بغیر ایک خود مختار ملک پر نہایت تباہ کن جنگ مسلط کر دی گئی۔

یہ کہاں کا انصاف ہے کہ انکوائری CNN یا BBC کے چیمبرز میں بیٹھے تبصرہ نگار حضرات کر رہے ہوں۔ یہ تو بات نہ ہوئی۔ اس کے لیے تو ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو تفتیشی ہنرمندی کے حامل ہوں اور جو کم از کم ایوی ایشن کی فیلڈ کا علم اور معلومات رکھتے ہوں اور جن کے سیکورٹی خدشات کے ازالے کا مناسب بندوبست بھی ہو چکا ہو۔ اور وہ ایسے لوگ ہوں جو انجینئرنگ کے میدان کے ماہر ہوں، تاکہ وہ ان عمارتوں کے انہدام کی صحیح صحیح جانچ پرکھ کر سکیں، جو صرف 6.6 سیکنڈ کے وقفہ میں اپنی بنیادوں پر آ کر ڈھیر ہو گئیں۔ (401)

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، عمارتوں کے اس انداز میں منہدم ہونے کے لیے

ضروری ہے کہ ان کے بوجھ برداشت کرنے والے ذرائع (یعنی supports) تمام کے تمام بیک وقت اپنا کام چھوڑ دیں۔ ظاہر ہے، یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں، خواہ کتنی ہی تعداد میں جہازوں سے اوپر والی چھتوں کو ہٹ (hit) کیا جائے۔

ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تینوں عمارتوں کے انہدام پر کوئی انکوائری نہیں کی گئی ہے۔ یہ دعویٰ کہ یہ انہدام آتشزدگی کا نتیجہ ہے، اس لیے محل نظر ہے کہ ایسی صورت میں تو یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ آگ بلڈنگ کے تمام فرش پر برابر مقدار میں پھیلی ہوئی ہو، اور وہ برابر مقدار میں برابر وقفہ کے لیے تپش کی ایک ہی مقدار فراہم کر رہی ہو، تاکہ بوجھ برداشت کرنے والے تمام حصے (Load Bearing) بیک وقت ناکارہ ہو کر گر سکیں۔ یہ بات کسی کے نزدیک بھی قابل یقین نہیں۔ تباہ شدہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کمپلیکس کے کنٹرولر لیری سلورشین کا پی بی ایس ڈاکومنٹری میں بیان ہے کہ وہ اور نیویارک فابریڈ پارٹنٹ اس پر متفق ہو گئے تھے کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر 7 کو 11 ستمبر 2001ء کے دن بعد از دوپہر گرائیں۔ سلورشین نے امریکہ کی تعمیر نو نامی ڈاکومنٹری میں جو بیان دیا، جو پہلی دفعہ 10 ستمبر 2002ء کو سنائی گئی، اُس میں وہ کہتا ہے:

”مجھے یاد پڑتا ہے جب فائر ڈیپارٹمنٹ کے کمانڈر سے مجھے ایک کال موصول ہوئی، جس میں اس نے بتایا کہ انھیں یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ آگ پر قابو پایا جاسکے گا۔ اور میں نے (جواباً) کہا، ہمیں اتنا خوفناک جانی نقصان ہو چکا ہے تو پھر سب سے بڑھ کر جو کام پھرتی کے ساتھ سرانجام دینا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اسے سمجھنا کہ منہدم کیا جائے اور انھوں نے اسے کھینچنے (Pull) کا فیصلہ کر ہی لیا۔ بس پھر کیا تھا، ہم نے عمارت کو گرتے ہوئے دیکھا۔“ (402)

درج بالا بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر 7 کو از خود گرایا گیا۔ نائن الیون کے حالات میں گھرے ہوئے نیویارک میں کسی بلڈنگ کو کھینچ لینے (pulling) کے کیا معنی ہو سکتے ہیں، سوائے اس کے کہ اسے (ارادتا) منہدم کیا گیا ہو۔ تاہم فیڈرل ایئر جنسی مینجمنٹ ایجنسی (FEMA) نے کئی گھنٹوں کی سوچ بچار کے بعد جو رپورٹ تیار کی، اس میں دعویٰ کیا گیا کہ عمارت آتشزدگی کی وجہ سے زمین بوس ہو گئی ہے۔ (403)

اب جبکہ عوام نے بھی حقائق میں دلچسپی لینے شروع کر دی ہے، عام امریکی شہری دستیاب حقائق کو کھنگال کر کے اپنے جائز سوالوں کے جوابات تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان

سوالات کا سرکاری حلقوں سے صرف ایک ہی جواب آتا ہے، جو ایک سازشی تھیوری (conspiracy theory) کے سوا کچھ نہیں۔ حقیقت تک پہنچنے کے لیے عوام الناس کی اس معاملے میں دلچسپی کی وجہ یہ ہے کہ حکومت نے تو اتنا بھی کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کی کہ ایک غیر جانبدار، جامع اور ہمہ جہتی تفتیش رو بہ عمل لائی جائے، جس سے اس سلسلہ میں پیدا ہونے والے ممکنہ سوالوں کے تسلی بخش جوابات مل سکیں۔

ایک حقیقی تفتیش کا تقاضا تو یہ ہوگا کہ سوالات کی ایک لسٹ تیار کی جائے، مثلاً کیا صرف جہازوں اور آگ سے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے شمالی اور جنوبی ٹاورز منہدم ہو گئے؟ وہ کیا چیز تھی جو ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے انہدام کا باعث بنی؟ وہ معلومات جو 11 ستمبر کو پکڑے جانے والے پانچ ناچتے ہوئے اسرائیلیوں کے متعلق تھیں، ان کو ”کلاسیفائیڈ“ کیوں رکھا گیا؟ (404) یہ کیسے ہوا کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے ساتھ پہلے جہاز کے ٹکرانے سے تقریباً دو گھنٹے پہلے اسرائیلی کمپنی Odigo, Inc میں کام کرنے والے دو اہلکاروں کو نیویارک شہر پر ایک زبردست حملہ کے متعلق ایک تنبیہی پیغام موصول ہوا؟ (405) اور یو ایس ایئر پورٹس نے ٹائن ایون کو چار ہائی جینگلز (چار طیاروں کے اغوا) کے خلاف کوئی رد عمل ہی نہیں دکھایا؟ بوکر ایلمینٹری سکول میں موجود خفیہ ایجنسی (Secret Service) کیوں حرکت میں نہیں آئی؟ اس قسم کے آپریشن کے لیے کس قسم کی ٹیکنیکل مہارت کی ضرورت تھی؟ کیا ہائی جیکرز اس پوزیشن میں تھے کہ وہ اس آپریشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے اندرونی اور بیرونی طور پر تمام ضروری ساز و سامان بہم پہنچائیں؟ اور یہ کہ اندرونی طور پر جس تکنیکی امداد کی ضرورت تھی، اس کا مہیا کرنے والا کون تھا یا تھے؟

یہ کام اس نوعیت کا ہے کہ پہلے ممکنہ مشکوک لوگوں کی ایک فہرست مرتب ہو، انکوائری کے لیے ممکنہ طور پر موزوں اہلکاروں کا تعین کیا جائے اور انکوائری کے سلسلہ میں مختلف ذوا یوں کی نشاندہی کی جائے۔ جبکہ حال یہ ہے کہ ٹائن ایون حادثہ کے لیے کسی تفتیش کے بغیر پہلے ہی سے سوچے سمجھے اور مقرر کردہ نتائج کا اعلان کر دیا گیا۔ تاریخ انسانی کے بدترین دہشت گردانہ واقعہ کے لیے کسی قسم کی انکوائری کے بغیر طالبان پر الزام دھرا گیا۔ کسی انکوائری ٹیم کے تقرر اور انکوائری کے بغیر، صدر اور دیگر کے لیے کوئی رپورٹ اور سرری تیار کئے بغیر، کسی تفتیشی پینل کو مقرر کئے بغیر بارہ گھنٹے سے بھی کم وقت میں پہلے سے طے شدہ فیصلہ سنایا گیا۔ یہ اس ملک میں ہوا جو اس گھڑی بہت ہی سخت انتشار اور اضطراب کی کیفیت سے دوچار تھا۔

نائن الیون معاملہ کا سب سے زیادہ غیر فطری پہلو یہ ہے کہ انکوائری معجزانہ طور پر تکمیل تک کیسے پہنچی؟ انکوائری کے سلسلہ میں سینئرفیروں کی کسی مینٹگ کے لیے بھی کم از کم تین دن کی ضرورت تھی، کیونکہ یہ بہت زیادہ انتشار کا وقت تھا۔ ایسے وقت میں امریکی انتظامیہ نے پہلے ہی سے اعلان کر دیا کہ انکوائری کی گئی ہے اور طالبان کا اہم مجرم اسامہ کے ساتھ رابطہ رکھنے کا قصور ثابت کیا جا چکا ہے۔ اور اسامہ کے منکر پرنٹ ہر جگہ سے دستیاب تھے جن کے متعلق اتنی کثرت سے شہادتیں حاصل ہو چکی ہیں کہ جرم کا چند ہی گھنٹوں میں پتہ لگایا گیا! سوال یہ ہے کہ یہ کیسے ممکن ہوا؟ کون سا انتظام کیا گیا تھا؟ کچھ نہیں۔ پھر یہ سب کچھ ناممکن ہے! پائلوں کے متعلق بھی ایک اہم سوال وضاحت طلب ہے کہ اگر وہ ”ریموٹ کنٹرولڈ“ نہیں تھے تو پھر ظاہر ہے کہ ایک خودکش مشن پر تھے۔ یہ یقین کرنا بہت مشکل ہے کہ خود امریکی یا وہ لوگ جو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے وفادار ہوں، بقائمی ہوش کسی خودکش مشن کا حصہ بنیں۔ اس کی ایک سیدھی سادی وضاحت تو یہ ہو سکتی ہے کہ بعض ہائی جیکر یقیناً امریکہ کے خلاف انتقامی جذبہ رکھتے تھے اور حملہ میں ان کی شرکت دو وجوہ سے ممکن ہے۔ ایک یہ کہ اس حملہ سے امریکہ کو زبردست نقصان پہنچے گا اور دوسرے یہ کہ ان کو اس آپریشن کی وسعت (سکوپ) کا اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ اُس کے نتیجے میں انہیں کتنی خوفناک تباہی سے دوچار ہونا ہوگا اور وہ خود بھی ختم ہو جائیں گے۔ البرٹ پستور اپنی کتاب ”Stranger than Fiction“ میں اسی نتیجے پر پہنچا ہے۔ اس نے جو منطقی نتیجہ اخذ کیا، یہ ہے کہ شاید ”ہائی جیکر کسی اور عرب گروپ سے تعلق رکھنے والے ارکان تھے جو امریکہ کے خلاف نفرت اور غصہ رکھتے تھے۔ انہی کو قربانی کا بکرا بنادیا گیا، جبکہ ان کو یہ تک معلوم نہیں تھا کہ ان کو آلہ کار بنانے والے کون لوگ ہیں اور اس مشن کے وسیع تر مقاصد کیا ہیں؟“ (406)

ان افراد کا خیال تھا کہ ان کا منصوبہ امریکی حکومت سے پوشیدہ ہے۔ ممکنہ طور پر یہی لوگ تھے جن کو اسامہ کی طرف یہ پیغام بھیجنے کے لئے استعمال کیا گیا کہ وہ ”عنقریب کچھ کرنے والے ہیں“۔ یہی وجہ ہے کہ اسامہ نے نامہ نگاروں کے سامنے یہ بیانات دینا شروع کر دیئے کہ امریکی قوت کی افسانوی حیثیت کو ریزہ ریزہ کرنا ضروری ہے۔ تاہم اسامہ کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ نائن الیون کے اصل منصوبہ سازوں نے ان چند عربوں کے لیے جو بطور آلہ استعمال کئے گئے، کیا منصوبہ بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حملوں کے معا بعد اسامہ نے امریکہ پر ان حملوں پر

اظہار ناراضی تو نہیں کیا لیکن اس نے اس میں اپنے لمٹ ہونے کی پوری پوری تردید کر دی۔⁽⁴⁰⁷⁾ جو چیز نائن ایون سے متعلق سرکاری کہانی کے ہائی جیکنگ والے حصے کو حد سے زیادہ مشکوک بناتی ہے وہ یہ انکشاف ہے کہ نامزد ہائی جیکروں میں سات اب بھی زندہ اور صحیح سلامت ہیں۔ وائیل اور ولید الشیری دونوں بھائی ہیں اور دونوں زندہ ہیں۔⁽⁴⁰⁸⁾ دیگر جواب بھی زندہ ہیں، ان میں ستم السو قادی، عبدالعزیز العمری، فائض بنی احمد احمد الغامدی، حمزہ الغامدی، محمد البشری، سعید الغامدی، احمد البرنومی، احمد النامی، ماجد موقد اور سالم العمری (ناؤف العمری کا بھائی)۔⁽⁴⁰⁹⁾ ایف بی آئی اس حد تک خاموش ہے جیسے کہ اس نے نامزد ہائی جیکروں کے ناموں کی لسٹ بھی شائع نہ کی ہو۔ ایسے میں نائن ایون کا کمیشن کس حد تک سنجیدہ سمجھا جاسکتا ہے؟

ایک سعودی اہلکار نے سن سنٹی نل (Sun-Sentinel) کو بتایا کہ پانچ ایسے سعودی نژاد لوگوں کی شناخت کو چھپایا گیا جو ایرلینڈ میں پائلٹ، ملٹیکس، اور فلائٹ انڈنٹ کے طور پر کام کرتے تھے۔⁽⁴¹⁰⁾ قدرتی طور پر ان لوگوں کی ایر پورٹس پر نقل و حرکت زیادہ تھی۔ البرٹ پیسلور کا اخذ کردہ نتیجہ ان الفاظ میں ہے: ”ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ 19 میں سے کم از کم سات ہائی جیکرز زندہ اور صحیح سالم ہیں“⁽⁴¹¹⁾ اور یہ کہ 9 ہائی جیکروں کی شناخت پر سوالیہ نشان لگا ہوا ہے؟ کیونکہ ان کے کیس میں شناخت کی ”چوری“ سے کام لیا گیا ہے۔⁽⁴¹²⁾ افغان تو سرے سے نامزد ہائی جیکروں کی لسٹ میں شامل ہی نہ تھے، تاہم قیمت ان کے ملک سے وصول کی جا رہی ہے۔ نائن ایون کے بعد پاکستان اور افغانستان کے ساتھ دو مختلف قسم کے رویے اپنائے گئے۔ بایں ہمہ کہ طالبان کے لمٹ ہونے کی کوئی شہادت میسر نہیں، جبکہ یہ امکان موجود ہے کہ اندرون خانہ امریکہ میں ہونے والی کارروائی کی بعض تفصیلات کا پاکستانی آئی ایس آئی کو کچھ نہ کچھ علم ہو۔ ایک پاکستانی شیخ عمر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُس نے آئی ایس آئی کے لیفٹیننٹ جنرل محمود احمد کی ایما پر نائن ایون سے کچھ ہی پہلے ایک لاکھ امریکی ڈالر نامزد ہائی جیکروں کے ونگ لیڈر کو منتقل کرنے کا بندوبست کر دیا تھا۔⁽⁴¹³⁾

وال سٹریٹ جرنل کے مطابق پاکستانی اخبار ’ڈان‘ نے 19 اکتوبر 2001ء کو یہ رپورٹ دی کہ اسلام آباد نے آئی ایس آئی کے سربراہ لیفٹیننٹ جنرل محمود احمد کو ایف بی آئی کی اس تفتیش کے بعد کہ اس کے اور عمر شیخ کے درمیان باقاعدہ رابطے قائم ہیں، ہٹا دیا۔⁽⁴¹⁴⁾ یاد رہے، شیخ عمران تین عسکریت پسندوں میں سے ایک تھے جنہیں 1999ء میں انڈین ایر لائنز کے ایک

اغوا شدہ طیارے کے مسافروں کے بدلے رہا کیا گیا تھا۔ (415) اگر ان لوگوں کا تعلق افغانستان سے ہوتا یا وہ طالبان ہوتے تو آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ نیوکونز کا ساتھی میڈیا اس کہانی کو کس حد تک اچھا لیتا۔

لیفٹیننٹ جنرل محمود احمد اور شیخ عمر کے درمیان رابطے اور پھر مؤخر الذکر کے محمد عطا سے رابطوں کو امریکی حکومت نے حقیقی سمجھنے کے باوجود ان لوگوں کے خلاف کسی قسم کی کارروائی شروع کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ اس کے باوجود کہ صدر بش چیخ چیخ کر کہتا رہا کہ ”اگر تم کسی دہشت گرد کی مالی امداد کرتے ہو تو تم خود بھی دہشت گرد ہو“۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جھوٹی کہانی اس لئے تراشی گئی ہو کہ جنرل پرویز مشرف کو یہ موقع مہیا کیا جائے کہ وہ بنیاد پرست مسلمان افسروں سے مسلح افواج کو پاک کرے (اور یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے۔ مترجم)

جب لیفٹیننٹ جنرل محمود احمد پر نائن الیون سانحہ میں ملوث ہونے کا الزام لگا تو انہیں مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ تاہم پاکستان پر کوئی حملہ یا جوابی بمباری نہیں کی گئی کہ اسے نائن الیون کے ہائی جیکروں کے ساتھ اعانت کرنے والوں کو امریکہ کے حوالے کرنے پر مجبور کیا جاتا، ایسا بھی کوئی الزام نہیں لگایا گیا کہ پاکستان ایک دہشت گرد ملک ہے، یا وہ ایک ایسا ملک ہے جو دہشت گردوں کی اعانت اور مالی مدد کر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جو کچھ ظاہر نظر آتا ہے، اس کہانی میں اس سے زیادہ کچھ ہو کیونکہ نائن الیون کو امریکی دارالحکومت میں ہاؤس اور سینٹ انٹیلی جنس کمیٹیوں کے سینئر باب گراہم (D) اور نمائندہ پورٹر گوس (R) (جوسی آئی اے کے خفیہ آپریشن ونگ کا دس سالہ تجربہ کار کھلاڑی ہے) کے ساتھ لیفٹیننٹ جنرل محمود احمد کی ناشتا پر میننگ ہو رہی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ میننگ اس وقت تک جاری رہی جب دوسرا جہاز ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرا گیا۔ (416)

اگست 2001 کو سینئر گراہم کے سٹاف کو دی گئی ایک رپورٹ میں یہ انکشاف ہوا ہے کہ محمود احمد کے ماتحتوں میں سے ایک اہلکار نے ایک امریکی خفیہ ایجنٹ کو بتایا تھا کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو تباہ کر دیا جائے گا۔ رینڈی گلاس (Randy Glass) نے جو ایک ادنیٰ قسم کا سابق اداکار اور بعد میں سرکاری مخبر بنا، بعد میں دعویٰ کیا کہ اس نے سینئر باب گراہم اور رابرٹ ویکسلر کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ کے منصوبہ کے متعلق آگاہ کیا تھا، لیکن اس کی تنبیہات کو درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ اس میننگ میں سینئر جان کائیل اور امریکہ میں پاکستانی سفیر ملیمہ لودھی بھی موجود تھیں

(اس مینٹگ کے شرکاء تقریباً وہی تھے جو چند ہفتے پہلے پاکستان میں بھی مل چکے تھے)۔⁽⁴¹⁸⁾ مینٹگ کے متعلق سینئر گراہم کا کہنا ہے ”ہم نے دہشت گردی کے متعلق بات کی، خصوصاً وہ دہشت گردی جو افغانستان سے شروع ہو چکی ہے“۔ نیویارک ٹائمز نے لکھا کہ تمام بحث بن لادن کے گرد ہو رہی تھی۔⁽⁴¹⁹⁾ یہ حقیقت کہ یہ لوگ حملوں کے وقت ہی مل کر مینٹگ کر رہے ہیں، ایک عجیب سوئے اتفاق ہے۔ کیا بحث و تحقیق کا عنوان بھی محض اتفاق تھا؟ عجیب بات ہے کہ ایک طرف آئی ایس آئی ٹائن الیون کے نامزد ماسٹر مائنڈ کو فنڈز بھجوا رہی تھی اور دوسری طرف اس کے سربراہ امریکہ کے اعلیٰ اہلکاروں سے مینٹگ کر رہے تھے، ایسے اہلکار جن کو خفیہ آپریشنوں کا وسیع تجربہ حاصل ہے۔

افغانستان کے معاملہ میں امریکہ طالبان کی طرف سے کوئی بھی تجویز سننے کو تیار نہ تھا، کیونکہ اس نے افغانستان پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا۔ طالبان کی طرف سے تقریباً روزمرہ کی بنیاد پر صبر اور تحمل کے لیے امریکہ کو کی گئی اپیلوں کو مسترد کیا جاتا رہا۔ ملا عمر کے الفاظ میں ”امریکہ بار بار دھمکیاں دے رہا ہے اور مختلف قسم کے الزامات لگا رہا ہے اور اب یہ فوجی حملہ کی دھمکیاں دینے پر اتر آیا ہے۔ یہ سب کچھ اس کے باوجود کیا جا رہا ہے کہ ہم نے اسامہ والے معاملہ کے متعلق متبادل تجاویز دی ہیں۔ ہم نے کہا ہے کہ اگر تمہارے پاس اسامہ کے خلاف ثبوت ہیں تو انھیں یا تو افغان سپریم کورٹ کو دیکھتے یا تین اسلامی ملکوں کے علماء کے حوالہ کیجئے، یا او آئی سی کے مبصروں کو اسامہ پر نظر رکھنے کے لیے کہیے۔ لیکن امریکہ نے ان تجاویز کو ایک ایک کر کے مسترد کر دیا۔ اگر امریکہ ان تجاویز پر غور کرتا تو اس طرح کی بڑی غلطی کا موقع نہ آتا۔ ہم امریکی حکومت سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ پورے صبر سے کام لے اور ہم چاہتے ہیں کہ امریکہ پوری معلومات اکٹھی کر کے اصل مجرموں تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ ہم تمام دُنیا کو کو یقین دلاتے ہیں کہ نہ تو اسامہ اور نہ ہی کوئی دوسرا شخص کسی ملک کے خلاف افغانستان کی سرزمین کبھی استعمال کر سکتے ہیں۔“⁽⁴²⁰⁾

طالبان قیادت کی یہ اپیلیں سنی ان سنی کردی گئیں، کیونکہ امریکہ اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا جو اس نے طالبان کے خلاف کئی سالوں کے پروپیگنڈے کے نتیجے میں ٹائن الیون حملوں کی شکل میں پیدا کیا تھا۔ اصل مجرموں نے جنہیں امریکی تجربہ کار

”اندرون خانہ“ کارروائی کا مجرم قرار دیتے ہیں، 3000 بے گناہ انسانوں کی جان لے لی، ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تین عمارتیں تباہ کر دیں اور پینا گان کو نشانہ بنایا، تاکہ وہ جنگ کو افغانستان پر مسلط کر کے آخری حد پر پہنچ جائیں۔ دور جدید کے ان کروسیڈرز کو دیکھئے کہ انھوں نے کتنی بے رحمی کے ساتھ ملائیم کے یہ سادہ اور بے نقص الفاظ مسترد کر دیئے۔ ملائیم کی پشت پر نہ کوئی فوجی طاقت تھی اور نہ انہیں دنیا کی، جس کی ماہیت قلبی ہو چکی تھی حمایت حاصل تھی۔ لہذا جارحیت کے مرتکبین کو اس ظلم سے روکا نہ جا سکا۔

اندرون خانہ کارروائی بے مقصد نہ تھی

درج بالا حقائق اور تجزیوں کی روشنی میں دو قسم کی آراء سامنے آتی ہیں۔ کچھ تجزیہ کاروں کا خیال ہے کہ نائن الیون حملوں کو روکنے میں ناکامی سے امریکہ کو جنگ کا جواز پیدا کرنے کا ایک بیش بہا بہانہ ہاتھ آ گیا، جبکہ بعض دوسرے تجزیہ کاروں نے اسے ایک ”اندرون خانہ“ معاملہ قرار دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ مقصد یہ تھا کہ افغانستان پر ایک ایسی جنگ مسلط کی جائے جس کی پہلے ہی سے مکمل منصوبہ بندی کی جا چکی تھی۔ محققین نے اس سلسلے میں ماضی کی کئی مثالیں دی ہیں جن میں جھوٹی مہم جوئیوں کے لیے سازشیں کی گئیں۔

شہادتوں کی یہ پوری فہرست صیہونی عیسائیوں اور ایوینجلیکلوں کے مرتب کردہ اس خاکے پر کلی طور منطبق ہوتی ہے جو گزشتہ ابواب میں زیر بحث آچکا ہے۔ صاف دکھائی دیتا ہے کہ ”نام نہاد ہشت گردی کے خلاف جنگ“ ایک جعلی پردہ ہے جس کی آڑ میں سیاسی اور عسکری قیادتوں کو مذموم مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، تاکہ وسیع تر مذہبی، حربی اور جیو پولیٹیکل مقاصد کے حصول کی راہ ہموار کی جاسکے۔ امریکہ میں عوامی سطح پر جو بات سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ نائن الیون سانحے کا اہم مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ طالبان حکومت کو ہٹانے کے لیے جواز پیدا کیا جائے، جس کی وجوہات پر باب 4 تا 1 میں تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ جنرل پرویز مشرف کوئٹہ کی وہ فون کال جس میں اس سے پوچھا گیا تھا کہ ”تم ہمارے ساتھ ہو یا خلاف؟“ بھی جھوٹ کے اس پلندے کا لازمی حصہ ہے جس طرح کہ اور چیزیں، جوئش انتظامیہ سے لوگ سنتے آرہے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ نائن الیون وقوع سے پہلے کی بعض رپورٹوں سے امریکہ کا افغانستان پر حملہ اور طالبان کی حکومت کو گرانے کا پتہ چلتا ہے۔⁽⁴²¹⁾ ان حالات میں اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ پرویز مشرف اس اہم حملہ کے لیے مشاورت اور منصوبہ سازی کا حصہ

نہ رہا ہو۔ آخر طالبان کو امریکہ کی کارپٹ بمباری (carpet bombing) کی دھمکی
 نائن ایون سے چند مہینے قبل پاکستانی وفد ہی کے ذریعے دی گئی تھی۔ (422)

اس بات سے قطع نظر کہ امریکہ نے نائن ایون حملوں کی منصوبہ بندی کی یا نہیں، اگر
 نائن ایون کی صبح ہونے والے واقعات پر گہری نظر ڈالی جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ اعلیٰ سطح پر
 امریکی حکام نے بالکل قصداً عداوت ان حملوں کو ہونے دیا۔ یہ بات قابل فہم ہے کہ کوئی بھی ایسے
 گھناؤنے جرم کے ارتکاب کی اجازت نہیں دے سکتا تھا جب تک کہ اس کا اس عمل کے پیچھے
 ایک اہم تر مقصد کارفرما نہ ہو۔ امریکی حکام جنہوں نے نائن ایون آپریشن میں حصہ لیا وہ اس
 پر پوری طرح مطمئن تھے کہ ان خوفناک جرائم کے پیچھے جو فوائد پوشیدہ ہیں وہ ان کے نقصانات
 یعنی ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پنٹاگون کی تباہی اور 3 ہزار انسانی جانوں کی ضیاع کے مقابلے میں زیادہ
 منفعت بخش ہیں۔ لہذا وہ ان نقصانات کو برداشت کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔

نائن ایون کے منصوبہ سازوں کے نقطہ نظر سے جو اہم ترین مفاد ہو سکتا تھا وہ نظریاتی
 جنگ میں اسلام کے ساتھ مسابقت میں نمایاں پیش رفت حاصل کرنا تھا۔ جو مفاد ان کو نظر آتا
 تھا، وہ یہ تھا کہ مسلمان دنیا بھر میں حق خود اختیاری اور خود مختاری کے لیے جو جدوجہد کر رہے
 ہیں، اس کو لگام دی جاسکے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں پر واضح کیا جائے کہ اسلام کے مطابق
 زندگی گزارنے کی خواہش کے لیے ان کی کوئی بھی کوشش برداشت نہیں کی جائے گی۔ مسلمانوں
 کو تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ قوی ریاستوں میں صرف سیکولر ڈیموکریسی کو اپناتے ہوئے ہی ایک نظام
 اپنا سکتے ہیں کہ مذہبی جذبہ کے تحت مختار مطلق بن جانے والے امریکی کروسیڈز جس کی اجازت
 دینے کے روادار ہوں۔ (اس معاملہ کے صغریٰ کبریٰ پر باب اول تا چہارم میں تفصیلی بحث
 ہو چکی ہے۔)

بُش اور اس کے ساتھیوں کے مبہم بیانات جو وہ ”اسلامی دہشت گردی“ کی وجوہات
 کے متعلق دیتے آئے ہیں، اصل محرک کی پوری شہادت دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ ایک کروسیڈی
 مذہبی جذبہ کا کیا دھرا ہے۔ مثلاً بُش نے کہا ”ہمارے دشمن ہمیں مارتے ہیں کیونکہ وہ ہماری
 آزادی اور طرز زندگی سے نفرت کرتے ہیں“۔ بُش کا مزید کہنا تھا کہ انٹیلی جنس ماہرین بہت
 پہلے اس نتیجے پر پہنچ گئے ہیں کہ مسلم دنیا کی ان قوتوں کا، جو اپنے ملکوں میں امریکہ کی حمایت
 کرنے والی کٹھ پتلی حکومتوں کے خلاف مصروف عمل ہیں، اصل ہدف یہ ہے کہ وہ اپنے ممالک

سے مغربی فوجوں اور اثرات کو نکال کر اپنی خود مختاری اور طرز معاشرت کو بحال کر دیں۔ ایران اس سلسلہ میں ایک نمایاں مثال ہے جہاں امریکہ کے حمایت یافتہ بادشاہ کو اٹھا کر پھینکا گیا جس سے حالات اتنے خراب ہو گئے کہ وہ امریکہ جو کل تک ایرانیوں کا ایک قریبی دوست شمار ہوتا تھا، اب ایرانیوں کی اکثریت کے نزدیک ”شیطان بزرگ“ کہلانے لگا ہے۔

ایسا بالکل نہیں کہ یہ بُش اور بلیئر کی طرز زندگی کے خلاف نفرت ہے جو کھ پتلی حکومتوں کے خلاف مسلم قوتوں کو ابھارتی ہے، بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ مغرب کی تمام مقتدر قوتیں یہ چاہتی ہیں کہ وہ مسلم طرز زندگی کے لیے خطرہ بنی رہیں۔ مغربی مفادات کے خلاف مسلم ممالک میں تشدد آمیز ہڑتالوں پر (جن میں سیاحوں پر حملے جیسی چیزیں شامل ہو چکی ہیں) اکثر و بیشتر اسلامی تحریک مدافعانہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ بعض ایسی بھی ہیں جن کے خلاف ظالمانہ حربے استعمال کر کے امریکہ کی حمایت یافتہ کھ پتلی حکومتیں ان کو دیوار کے ساتھ لگاتی ہیں تو پھر ان کو سرنگ کے پار سے کوئی روشنی نظر نہیں آتی، تو ایسے میں یہ تحریکیں مغربی مفادات پر حملوں کو راہ راست سے انحراف کی بجائے اپنی تحریک کا ایک جائز حصہ سمجھنے لگتی ہیں۔ فروری 1998ء میں اسامہ بن لادن اور اسلامی گروہوں کے چار دیگر ارکان کا فتویٰ اسی کی ایک مثال ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ایسے لوگ اکثریت میں ہیں یا اقلیت میں۔ جب تک مسلم دنیا پر بالواسطہ یا بلاواسطہ قبضہ جاری ہے اور یہاں مغربی حمایت یافتہ کھ پتلی حکومتیں برقرار ہیں تب تک ان تحریکوں سے ان نظریات کے برعکس کوئی بات منوانا نہایت مشکل ہے۔

اس لئے اگر بُش بطور حکمت عملی جارحانہ فوجی اقدامات کی تجویز دیتا ہے کہ ”دہشت گردی کا پیچھا کیا جائے یہاں تک کہ ان کے لیے نہ پائے رفتن اور نہ جائے ماندن والی صورت حال بن جائے“ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلم دنیا میں امریکی اثر و رسوخ کو راسخ کرنے کی کوشش درحقیقت ایک لامتناہی جنگی سلسلہ کو بڑھا دیتی رہے گی، تا آنکہ مذہبی جذبہ کے زیر اثر اختیار مطلق (totalitarians) کے خواہشمند (جیسے بُش اینڈ کمپنی) مسلم دنیا میں اپنی طرز معاشرت کو مسلط نہ کر پائیں۔

اس وقت تو دکھائی یہ دیتا ہے کہ امریکہ افغانستان پر تسلط قائم کر چکا ہے۔ ستاون مسلم ممالک دم سادھے ہوئے ہیں اور کسی میں بھی یہ جرأت نہیں کہ وہ امریکہ کو قبضہ ختم کرنے کے لیے کہے۔ سفارتی اور تجارتی تعلقات ختم کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس وقت یہ نظر

نہیں آتا کہ امریکہ مسلم دنیا میں اپنی ظالمانہ مداخلت، قبضہ اور انسانی حقوق کی پامالی کے متعلق اپنی
 جارحانہ پالیسیوں میں قابل ذکر تبدیلیاں کرے۔ اس تمام تجزیہ کا جو نتیجہ نکلتا چاہیے، وہ یہ ہے کہ
 ”دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ“ کے پردے میں جو سیاسی افسانہ گھڑا اور پھیلایا
 گیا ہے وہ درحقیقت ایک بالکل ہی دوسری قسم کا ایجنڈا ہے یعنی ایونجیلکلو اور عیسائی
 صیہونیوں کا ایجنڈا، جو دراصل مذہبی بالادستی کا ایجنڈا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ بالآخر
 اس کے ذریعے ”خدائی حکومت“ قائم کرنے کی راہ ہموار کی جاسکے۔

افغانستان پر

مسلط کردہ جنگ اور قبضہ کا جواز؟

طالبان ہی کو افغانستان میں جاری جارحیت کے لیے اصل وجہ جواز بنا کر ایک کٹھ پتلی حکومت کا بل پر مسلط کی گئی اور ایک دوسری کٹھ پتلی انتظامیہ کو اسلام آباد میں مستحکم کرنے کی کوشش کی گئی۔ حقائق کو سمجھنے کے لیے ایسے شواہد موجود ہیں کہ امریکہ نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے پاکستان کو آلہ کار بنا کر ابتداء طالبان کی تائید اور بعد ان کو گرانے کا کام کیا۔ کرزئی اور علاؤی کے بالکل برعکس (جو بالترتیب سی آئی اے اور ایم آئی 16 کے سابقہ تنخواہ دار چا کر تھے) طالبان کو بہت کم معلوم تھا کہ امریکہ ان کو کیسے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ طالبان نے یہی جان رکھا تھا کہ پاکستان وہی اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے جس نے سوویت یونین کے خلاف ان کی مدد کی تھی اور یہ کہ وہ (پاکستان) نیک نیتی کے ساتھ اقتدار کے بھوکے وارلارڈز سے افغانیوں کو نجات دلانے کے لیے ان کی مدد کر رہا ہے، تاکہ افغانستان میں امن اور استحکام لایا جاسکے۔ طالبان ان حقائق کے متعلق بہت کم جانتے تھے جو بعد میں مختلف تنظیم مثلاً ایمنسٹی انٹرنیشنل کے ذریعے ان کے علم میں آئے کہ طالبان کو اقتدار دلانے میں امریکی حمایت شامل تھی۔ 4 اکتوبر 1996ء کو بی بی سی ورلڈ سروس کے ایک نشریے میں بتایا گیا کہ پاکستان کی اس وقت کی وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے تصدیق کی ہے کہ برطانیہ، امریکہ، سعودی عرب اور پاکستان نے مخصوص مدارس قائم کئے ہیں جن میں خاص نقطہ نظر سے طالبان کے لیے خصوصی تربیت کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ (423) ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ایک رپورٹ میں یقین ظاہر کیا کہ ”ان مدارس کے اکاؤنٹس سے، جن میں طالبان داخل تھے، یہ پتہ چلتا ہے کہ امریکیوں کے یہ رابطے (طالبان کی بالواسطہ مدد کے لیے) تحریک کی بالکل ابتدا ہی کے دوران قائم ہو چکے ہوں۔“ (424) پاکستان کے سابق وزیر داخلہ میجر جنرل (ر) نصیر اللہ بابر کا بیان ہے کہ ”یہ سی

آئی اے ہی تھی جس نے اس ریجن میں دہشت گردی متعارف کرائی اور اب اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دلانے کے لیے وہی مگر مجھ کے آنسو بہانے کا مکر کر رہی ہے۔“ (425) درحقیقت جو بات نصیر اللہ بابر جیسے حضرات کی سمجھ میں نہیں آئی، وہ یہ ہے کہ خفیہ مدد کے علی الرغم امریکہ کو بالکل یہ خیال نہ تھا کہ طالبان کی قیادت ضمیر فروش پر موت کو ترجیح دینا پسند کرے گی۔

طالبان کو درپردہ مدد دینے کی منصوبہ بندی اس وقت کی گئی تھی جب ڈالر اور طاقت کے رسیا ”مجاہدین لیڈران“ اپنے مفادات کے لیے دارلارڈز بن گئے۔ ان کو ”جہاد“ کی جو پٹی پڑھائی گئی تھی وہ بس یہ تھی کہ کسی بھی مزعومہ دشمن کے خلاف جنگ ہی جہاد ہے۔ ان کو یہ مطلب نہیں سمجھایا گیا کہ اسلامی نقطہ نگاہ سے جہاد اس سچی وجہ کے معنی میں ایک اصطلاح ہے جو مختلف سطحوں سے گزرتی ہے، تا آنکہ اللہ تعالیٰ کے دین (اجتماعی اسلامی طرز زندگی) کو قائم کیا جاسکے۔ (426) امریکی نقطہ نگاہ سے جہاد مسلمانوں کی وہ جنگ تھی جو وہ اس کے مفادات کے تحفظ کے لیے افغانستان پر سے سوویت قبضہ کے خاتمے کی غرض سے لڑ رہے تھے، یہاں تک کہ ان لوگوں کو بھی مجاہدین کا نام دیا گیا ہے جو 2001ء میں امریکی حملہ کے بعد طالبان کے خلاف لڑ رہے تھے۔ (427) امریکہ کو جہاد سے خوف کا روگ لاحق ہو چکا ہے، اور ہر نئے قبضہ کے ساتھ اس میں مزید تیزی اور شدت پیدا ہوتی ہے۔

افغان ”مجاہدین“ کے ذہنوں میں جہاد کے وہی معنی پیوست ہو چکے تھے جو اُسے امریکہ نے دیئے تھے۔ وہ جہاد کے اصل تصور اور منصوبہ بندی سے خالی الذہن تھے۔ لہذا جہاد کے اصل مقاصد یعنی نظام عدل اور اسلامی اصولوں پر استوار ایک معاشرہ کے قیام تک ان کی رسائی مشکل تھی۔ دارلارڈز کے باہمی متفق ہونے کے عدم امکان اور اس خطے میں مضبوطی کے ساتھ پنچے گاڑنے کے لیے ایک موافق فضا کی موجودگی کے امکانات کے پیش نظر واشنگٹن نے ایک دوسری قوت یعنی ’طالبان‘ کو متعارف کرایا۔

امریکہ کے وہم و گمان میں بھی یہ نہ تھا کہ جن طالبان کی اس نے درپردہ تربیت اور بالواسطہ مدد کی ہے، وہ کبھی بھی اس کی ڈکٹیشن کے آگے نہیں جھکیں گے اور امریکی مفادات کے حصول کے لیے بکاؤ مال نہیں بنیں گے۔ آخر میں تو یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو چکی کہ نائن الیون کے بعد امریکہ افغانستان پر حملہ کرنے اور اُس پر قبضہ جمانے کی دھکیوں سے بھی طالبان کو مرعوب نہ کر سکا۔ اس ڈراپ سین نے طالبان کے عزم کی پختگی کے متعلق امریکی خدشات کو

درست ثابت کیا، تاہم امریکہ نے یہ جو نتیجہ نکالا تھا کہ مسلمان اجتماعی طور پر اس کے وجود کے لیے خطرہ نہیں گئے، غلط ثابت ہوا۔ اس قسم کی سوچ نے دراصل دور جدید کے صلیبوں کے خیالات سے جنم لیا تھا۔ امریکی میڈیا پر طالبان کی ابتدائی فتوحات کا چرچا اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ انہیں درپردہ امریکی اعانت حاصل تھی۔ امریکی ”نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ“ اور دوسرے میڈیا ذرائع نے طالبان کی ابتدائی کامیابیوں کو ایسی دیومالائی کہانی کی صورت میں پیش کرنا شروع کیا تھا، گویا مدارس سے نکلے ہوئے طالبان چند ہی دنوں کے اندر ان تجربہ کار اور ہر قسم کے ذرائع سے متمتع دار لارڈز کو بغیر کسی خارجی امداد کے شکست دینے میں کامیاب ہو گئے۔ طالبان نہ تو موقع پرست لوگ تھے اور نہ ہی انھوں نے جانتے بوجھتے اور ارادہ سی آئی اے، آئی ایس آئی، امریکہ یا پاکستان کے مقاصد کی تکمیل کے لیے کام کیا۔ تباہی اور کشت و خون تو ان کے برسرِ اقتدار آنے سے پہلے ”مجاہدین دار لارڈز“ کے ہاتھوں ہو چکا تھا۔ طالبان اخلاص کے ساتھ افغانستان میں بحالی امن کے لیے کام کر رہے تھے۔ ان کو یہ بھی یقین تھا کہ ایک دوست ”اسلامی“ ملک پاکستان نیک نیتی کے ساتھ ان کی مدد کر رہا ہے۔

جو لوگ آج افغانستان میں برسرِ اقتدار ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ طالبان کی غلطیوں کو دیگر خفیہ عزائم کی تکمیل کے لیے بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا تھا۔ یہ موقع پرستی ہی تھی جس نے ان برسرِ اقتدار لوگوں کو کھل وقتی سی آئی اے کی خدمت میں جوت لیا۔ سی آئی اے کے ایک آفیسر گیری شروئن نے اپنی کتاب 'First in Afghanistan' میں شمالی اتحاد کے کمانڈروں کو جو لاکھوں ڈالر دینے کا تذکرہ کیا ہے وہ یقیناً حیران کن ہے۔ شروئن نے صحیح صحیح نام اور ڈالروں کی مقدار کا تذکرہ کیا ہے جو اس نے بدست خود شمالی اتحاد کی کٹھ پتلیوں کو نائن الیون کے بعد دیے۔ شروئن نے مسعود کے انٹیلی جنس سروس کے سربراہ عارف سردری کے ساتھ میٹنگ کی تفصیلات بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ اسے صرف پانچ لاکھ ڈالر بطور ٹوکن (token money) دے دیئے گئے۔ اس کے الفاظ کچھ یوں ہیں۔

”میرا تجربہ مجھے بتاتا تھا کہ کوئی بھی سینئر افغان میرے ہاتھ سے کیش رقم اپنے ہاتھ میں براہ راست جاتے ہوئے پسند نہیں کرتا تھا۔ اس لئے مجھے ان ڈالروں کو پیکٹس بنا کر یا کاغذ میں لپیٹ کر یا کسی اور طریقہ سے چھپا کر کسی تھیلے میں رکھنے کے بعد حوالہ کرنا پڑتا تھا۔ اس رقم کو اس وقت گنا نہیں جاتا تھا اور مجھے یہ بھی خوب پتہ لگتا تھا کہ عارف کو رقم وصول کرتے

وقت کسی قسم کے تاثر کو چہرہ پر ظاہر نہ ہونے کے لیے کافی محنت کرنی پڑتی تھی۔“ (428)

انجینئر عارف کو ادا نیگی کے 24 گھنٹوں کے اندر اندر شیروئن نے جنرل فہیم کو ایک ملین ڈالر کی ادا نیگی کا بندوبست کر لیا۔ وہ لکھتا ہے:

”اگرچہ میں نے گزشتہ رات عارف کو پانچ لاکھ ڈالر پاس کئے تھے، میں دوسری بڑی رقم جنرل فہیم کو ادا کرنا چاہتا تھا۔ میں اور ریک (Rick) واپس کالے سوٹ کیس کی طرف چل پڑے اور ایک ملین ڈالر کی رقم کو لپیٹ کر (پیکٹ بنا کر) تیار کر لیا۔“ (429)

بمباری شروع ہونے سے پہلے جو رشوت تقسیم کی گئی اس کی حقیقت شیروئن نے اس طرح واضح کی ہے:-

”ان چالیس یام کے دوران میں وادی پنج شیر میں رہا اور اس دوران میں نے 50 لاکھ ڈالر خرچ کئے۔“ (430)

ٹائن الیون کے بعد یہ ڈالروں کی بارش کی کہانی ہے جس سے امریکہ نے موقع پرستوں کی حمایت حاصل کی۔ یہ تو افغانستان کے ایک چھوٹے سے علاقے کی بات ہے۔ رہی وہ دولت جو بقیہ ملک میں خرچ کی گئی اس کا تو اندازہ لگانا ہی مشکل ہے۔ خصوصاً وہ رقم جس کے ذریعے طالبان کمانڈروں کو خرید لیا گیا۔ جس دوران طالبان برسرِ اقتدار تھے۔ ان کو بدنام کرانے کے کام میں جن جن عناصر نے اہم کردار ادا کیا تھا ان کو ترقی دینے اور آگے بڑھانے کے عمل کو ایک عام قاعدہ کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ انسانی فطرت میں رشوت ستانی اور موقع پرستی کا جو عنصر کارفرما ہے، اس کی طاقت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں تک کہ جن مذہبی شخصیات کے متعلق رائے یہ تھی کہ وہ امریکہ مخالف ہیں انھوں نے بھی ٹائن الیون سے پہلے اور بعد میں کبھی بھی امریکہ سے رشوت قبول کرنے میں پس و پیش نہیں کی۔ استاد عبدالرب رسول سیاف کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ بہت بڑی قدامت پرست (کنزرویٹو) مغرب مخالف، امریکہ مخالف اور ایک سخت گیر بنیاد پرست شخصیت ہے۔ وہ کابل یونیورسٹی سے مذہب اور الازہر یونیورسٹی (قاہرہ) سے ماسٹر ڈگری ہولڈر ہے۔ وہ اس بنیاد پرست گروپ الاخوان المسلمون کا بھی ممبر رہا ہے جس کی بنیاد 1969ء میں گلبدین حکمت یار اور ڈاکٹر سید برہان الدین ربانی نے ڈالی تھی۔ (431) ان کی کہانی بڑی عجیب اور دلچسپ ہے جب وہ طالبان کے خلاف عوض کے طور پر رشوت قبول کر رہے تھے۔ کہانی کچھ یوں ہے:

”میں نے اپنی کمری پٹی سے ایک لاکھ ڈالر کا ایک بنڈل بنا کر اسے میز کے اوپر سے سیاف کی طرف بڑھایا، جس نے بے اختیار اس پیکیج کو لے لیا۔ اس رقم کے (طریقہ کار) برعکس جو میں شمالی اتحاد والوں کو دیا کرتا تھا، میں نے اس بنڈل کو اس کے اصلی پلاسٹک والے کور میں رکھ چھوڑا تھا، تاکہ سیاف اس کو دیکھ سکے کہ یہ کیا ہے۔ سیاف نے بنڈل کو ایک دو سینڈ کے لیے تھامے رکھا، اسے دیکھا اور کسی قدر پریشان بھی ہوا کہ اس کے ہاتھ میں کیا ہے۔ پھر اس کی آنکھیں وا ہوئیں اور پھر اس نے اپنا پہلو بدلا۔ اس نے اپنے آدمی کی طرف بنڈل ایسا اچھال کر پھینکا گویا کہ اسے ایک گرم آلو ہاتھ میں تھمایا گیا ہے۔ سیاف نے مجھے دیکھا اور آنکھیں نیچے کر لیں۔ کہنے لگا: یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے کسی شخص سے براہ راست نقد رقم قبول کی ہو۔ اس نے سر اس طرح ہلایا جیسے کسی نے اسے درغلا کر دھوکا دیا ہو۔ ہونٹوں پر دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے مجھے محتاط نظروں سے گھور لیا۔“ (432)

دراصل ایسے افراد کی لالچ اور خود غرضی ہی نے افغانستان کو ان مثالی مواقع سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں دیا، جو بہتر امن و امان کی صورت حال کی وجہ سے طالبان کے زمانہ اقتدار کے دوران ہاتھ آئے تھے۔ انھیں عناصر کی اندھی موقع پرستی نے اب انھیں یہاں لا کر کھڑا کیا ہے جہاں پر انہیں کے طفیل افغانستان کے اوپر ایک ناجائز قبضہ کی گرفت کو مزید مضبوط کرنے کا سامان کیا جا رہا ہے۔ (433)

صلیبی جنگجوؤں کے ایجنڈا کو تقویت

براؤن یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے ولیم اوبلی مین جو ایک انٹرویو پالوجسٹ ہیں اور جنہوں نے وسطی ایشیائی ملکوں میں ایک وسیع تحقیق کی ہے اور مشرق وسطیٰ کے امور کے بھی سپیشلسٹ ہیں، بتاتے ہیں:

”یہ بات کوئی راز نہیں رہی ہے کہ کچھ مدت سے اس خطے میں امریکہ، سعودی عرب اور پاکستان افغانستان پر قبضہ حاصل کرنے کے لیے جنگ میں بنیاد پرست طالبان کی مدد کر رہے ہیں۔ امریکہ نے کھلے عام کبھی اس قسم کے تعلق کو تسلیم نہیں کیا ہے لیکن پاکستان میں انٹیلی جنس ذرائع اور خیراتی اداروں دونوں نے اس کی تصدیق کی ہے۔“ (434)

پروفیسر بی مین کا مزید کہنا ہے کہ

”طالبان کا مذہب یا نسلی معاملات کے ساتھ کوئی سروکار ہی نہیں تھا۔ وہ تو صرف تیل کی دولت پر نظر رکھتے تھے۔“

افغانستان کے شمال کی طرف سوویت یونین کے ٹوٹنے کے نتیجے میں وجود میں آنے والی ریاستوں میں بحیرہ کیسپین کے مشرقی ساحل پر دنیا کے عظیم ترین آئل فیلڈز میں سے ایک واقع ہے۔ خشکی میں گھرے ہوئے اس خطے میں سے لامتناہی دولت کے اس کیسپین تیل کو گرم پانی والی بندرگاہ کے ذریعے نکال کر لے جانا مقصود ہے۔ اس کے لیے بہت ہی ”آسان ترین اور ارزاں ترین“ پائپ لائن روٹ ایران میں سے ہو کر نکلتا ہے، لیکن ایران تو بہر صورت امریکہ کا ”دشمن“ ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ بظاہر وہ (ایران) مغربی اثر و رسوخ سے آزاد ہے۔ ”بی مین“ کا مشاہدہ ہے کہ ”امریکی حکومت کی ایران کے ساتھ اتنی مخالفت ہے کہ وہ اس کو زکوانے کے لیے ہر قسم کے اقدام پر راضی ہوگا۔“ اس کا واحد متبادل روٹ افغانستان اور پاکستان سے ہو کر گزرتا ہے، جس کے لیے افغانستان میں مقتدر قوتوں کے ساتھ معاہدہ کرنا ناگزیر ہے اور وہ قوت طالبان ہیں۔ اس قسم کے معاہدے سے پاکستانی اشرافیہ بھی مستفید ہوگی۔ ”یہی وجہ ہے کہ وہ اس پر راضی ہیں کہ ایرانیوں کو خاطر ہی میں نہ لایا جائے۔ اس لئے اب جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے تو اس کے لیے مسئلے کا حل یہی تھا کہ ایران مخالف طالبان کی افغانستان میں جیت یقینی ہو جائے اور وہ اپنے علاقے پر سے پائپ لائن کو گزرنے دیں۔“ (435)

تیل کے مفاد کے علاوہ افغانستان ایک اور پہلو سے بھی امریکہ کے لیے ایک اہم ملک ہے۔ دفاعی حکمت عملی کے نقطہ نظر سے یہاں امریکہ کی کٹھ پتلی حکومت اس خطے میں اس کے اثر و رسوخ کے لیے باعث تقویت ہوگی۔ خواہ ایسی کوئی حکومت سابقہ طالبان کی ہو یا موجودہ کرزی میونسپلٹی کی حیثیت میں ہو۔ جزوی طور پر ایک مضبوط پاکستان کسی بھی مضبوط ڈکٹیٹر شپ کے تحت امریکی اثر کے لیے سودمند ہوگا۔ کیونکہ پاکستان اس خطے میں امریکہ کے لیے ایک اہم بیس (base) کی حیثیت رکھتا ہے۔

روس سے کئی کترا کرنی آزاد ریاستوں کی ایک دولت مشترکہ کی تشکیل کے ساتھ بحیرہ کیسپین تک تیل اور گیس پائپ لائن بچھانے اور اسے امریکہ کے زیر اثر گلوبل مارکیٹ تک پہنچانے سے کارپوریٹ دہشت گردوں کے مفادات کو آگے بڑھانے میں کافی مدد ملی۔ طالبان کے زوال کے بعد کابل میں ایک کٹھ پتلی حکومت کے قیام اور بغیر کسی تاخیر کے پائپ

لائن معاہدہ پر دستخط کرنے سے ان حقائق کی پوری شہادت ملتی ہے کہ تیل اور گیس کے ذخائر پر قبضہ کرنے کے لیے یہ سب کچھ کیا گیا۔

افغانستان پر قبضہ کرنے کے ایک سال بعد دسمبر 2002ء میں 1460 کلومیٹر طویل گیس پائپ لائن پراجیکٹ کے لیے پاکستان، افغانستان اور ترکمانستان کے مابین 3.2 بلین ڈالر کا فریم ورک معاہدہ ہوا، جس کی رو سے یہ پائپ لائن ان تینوں ملکوں پر سے ہو کر گزرے گی۔ (438) اس سے پہلے اسی سال مئی کے مہینہ میں ان تینوں ملکوں نے اسلام آباد میں پہلی میٹنگ کے دوران ایک معاہدے پر دستخط کئے تھے جس کے تحت تیل اور گیس کے لیے ایک پائپ لائن ترکمانستان سے افغانستان کے راستے پاکستان تک بچھائی جائے گی۔ اس حوالے سے کام کی تیز رفتاری قابل غور ہے کہ 2001ء میں افغانستان پر قبضہ ہوا اور اگلے سال کے وسط تک پائپ لائن معاہدہ کی تکمیل ہو گئی۔

ذرا آگے دیکھئے، قدرتی وسائل پر قبضہ کی کتنی جلدی تھی کہ نائن الیون کے بعد ایک مہینہ سے بھی کم مدت میں آپریشن "Enduring Freedom" (یعنی آزادی) کے لیے بمباری 17 اکتوبر 2001ء کو شروع ہو گئی۔ اس کے صرف ایک روز بعد یعنی 18 اکتوبر 2001ء کو پاکستان میں متعین امریکی سفیر ونڈی چیمبرلین نے پاکستان کے تیل کے وزیر سے ٹرانز افغان پائپ لائن کے معاملات کو از سر نو زیر گفتگو لانے کے لیے ملاقات کی۔ 24 دسمبر کو UNOCAL کے سابق مشیر حامد کرزئی کو افغانستان کا عبوری صدر مقرر کیا گیا۔ اس کے چھ دن بعد ایک اور UNOCAL مشیر اور نیشنل سکیورٹی کونسل ممبر زلے خلیل زاد کو پہلے افغانستان میں امریکہ کا خصوصی نمائندہ اور بعد ازاں سفیر مقرر کر دیا گیا۔

زلے خلیل زاد PNAC یعنی "پراجیکٹ فار دی نیو امریکن سنچری" کا ممبر تھا۔ (437) اس تنظیم نے نائن الیون سے ایک سال پہلے 2000ء کے موسم خزاں کے دوران ایک دستاویز بعنوان "Rebuilding America, s Defenses" شائع کی۔ یہ تنظیم خلیل زاد کے علاوہ ایسے افراد نے مل کر بنائی تھی جو ریگن اور بش اوّل کی انتظامیہ کے ممبر یا کم از کم حامی تھے، جن میں سے اکثر بش مانی کی انتظامیہ میں مرکزی حیثیت حاصل کر گئے۔ ان افراد میں رچرڈ آر میچ، جان بولٹن، ڈک چین، زلے خلیل زاد (جو پال ولفوونڈ کے قریبی ساتھی تھے)، (438) لیوس "سکوز"، لیوی، رچرڈ پارلے، ڈونلڈ مرزفیلڈ، پال ولفوونڈ اور جیمز اولڈرے شامل تھے۔ لیوی

(ڈک چینی کا چیف آف سٹاف) اور ولفوڈز (مرزفیلڈ کا ڈپٹی) وہ لوگ ہیں جنہوں نے براہ راست پراجیکٹ ”ری بلڈنگ امریکن ڈیفنس“ کے بنانے میں حصہ لیا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ نائن الیون کمیشن کا ایک ممبر جان لہمن PNAC کا یا ممبر رہا ہے یا کم از کم پبلک میں اس کے ساتھ متعلق گنا جاتا ہے۔ (439)

PNAC ڈاکومنٹ میں یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ امریکی برتری کی منزل کی طرف تیزی سے پیش قدمی اُسی صورت میں کی جاسکتی ہے جب امریکہ کو کسی تباہ کن اور عمل انگیز واقعہ سے دوچار کر دیا جائے۔ گویا ایک نیا پرل ہاربر وقوع پذیر ہو۔“ (440) نائن الیون کے واقعہ نے بُش اور اس کے ہمہ مقتدر ساتھیوں کو یہ موقع فراہم ہی کر دیا۔ امریکہ کے افغانستان پر حملہ کے بعد اس کے منصوبوں کی تکمیل کے لیے زلے خلیل زاد اور کرزئی جیسے لوگ موجود تھے۔ یہ دونوں حضرات پہلے UNOCAL کے پے رول پر تھے۔ (441)

اپنے عہدہ پر مقرر ہونے کے 40 دن سے بھی کم عرصہ میں خلیل زاد نے ترکمانستانی صدر ساپامورات نیازوف کے ساتھ اشک آباد میں افغان پائپ لائن کے معاہدہ کے لیے دستخط کر دیئے۔ اسی طرح ایک مہینہ سے بھی کم مدت کے بعد 7 مارچ 2002ء کو اسی قسم کے ایک معاہدہ پر کرزئی نے پاکستانی ڈکٹیٹر پرویز مشرف کے ساتھ اسلام آباد میں دستخط کر دیئے۔ تین مہینوں کے اندر اندر 31 مئی 2002ء کو کرزئی، مشرف اور نیازوف نے ایک MOU (میورٹم آف انڈر سٹینڈنگ) پر اسلام آباد میں دستخط کر دیئے، جس کی رُو سے ٹرانز افغان پائپ لائن میں کارپوریٹ سرمایہ لگانے کا مطالبہ کیا گیا۔ 10 جون 2002ء کو ریڈسٹیمپ لویہ جرگہ نے ظاہر شاہ کو بائی پاس کر کے، (جن کے ساتھ طالبان اقتدار کے دوران وعدے کئے گئے تھے) کرزئی کو 2 سال کے لیے افغان عبوری صدر نامزد کر دیا گیا۔

اس کے بعد کے واقعات افغانستان پر قبضہ کے مقاصد کو مزید واضح کرتے ہیں۔ 19 جولائی 2002ء کو جاپانی سینئرز نے ٹرانز افغان پائپ لائن میں جاپانی سرمایہ کاری کی خواہش ظاہر کی، تو اُس کی ازجی کمپنی ”گزر پرام“ نے ایک مہینہ کے معاہدے کی بنیاد پر افغان آئل اور گیس کے ذخائر کے تجربے کے لیے معاہدہ کیا۔ 12 اگست کو انیشین ڈیولپمنٹ بینک نے فزٹیلٹی سٹڈی کے لیے 1.5 ملین ڈالر کے لیے ہاں کر دی اور 20 ستمبر کو نیلا میں اس پائپ لائن کے لیے فنڈز دینے کے لیے میٹنگ کی گئی۔

طالبان اقتدار کے خاتمے کے ایک سال بعد کا دورانیہ یہ بتاتا ہے کہ ایک سٹیک ہولڈر امریکہ کے مقاصد کیا تھے۔ امریکہ نے پہلے تو طالبان کو خوشامد کے ذریعے راغب کرنے کی کوشش کی اور جب بات نہ بنی تو تباہی کی ٹھان لی۔ کیونکہ وہ اپنے اہداف حاصل کرنے پر بہر حال اُدھار کھائے بیٹھا تھا۔ ساتھ ہی میڈیا پر مسلط اسلام خائف پالیسی ساز اداروں سے متعلق عناصر اور دوسرے محاذوں پر قابض سیموئیل ہنکٹنٹن اور برنارڈ لیوس جیسے وار لارڈ کی طرف سے دباؤ کو امریکی انتظامیہ سہار نہ سکی۔

حقائق اور افسانے کے درمیان گم شدہ حقیقت

مغربی دُنیا طالبان کے متعلق حقیقت اور افسانے کے درمیان جیسی صورت حال سے دوچار تھی، جیسا کہ گارڈین اخبار نے لکھا ہے۔ طالبان کے ساتھ امریکی حکام کا رویہ اُس کے سٹریٹجک مفادات کے تابع رہا۔ سی این این نے خبر دی کہ امریکہ طالبان کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھنا چاہتا ہے، لیکن وہ خواتین کے ساتھ طالبان کی زیادتیوں کی وجہ سے اس خواہش کا برملا اظہار نہیں کر سکتا، لہذا وہ ان تعلقات کو استوار کرنے کے لیے خفیہ طور پر کام کرنا چاہتا ہے۔ (442)

کارپوریٹ دُنیا کا سب سے بڑا الجھاؤ یہ ہے کہ وہ طالبان کو اپنے کنٹرول میں رکھنے کے لیے اُن سے روابط چاہتی ہے، تاہم وہ کھلے عام اس طرف پیش قدمی اس وجہ سے نہیں کر سکتی کہ انھیں اپنے عوام کے رد عمل کا خدشہ ہے کیونکہ طالبان کی بہت بڑے پیمانے پر بدنامی کی جا چکی ہے۔ اور عوام ان کے ساتھ روابط نہیں چاہیں گے۔ کارپوریٹ دُنیا کا اصل مقصد دُنیا کے قدرتی وسائل کو کنٹرول کرنا ہے اور یہی سوچ اسلام مخالف قوتوں نے بھی اپنائی ہے۔ یہ قوتیں چاہتی ہیں کہ طالبان کی اسی طرح بدنامی ہوتی رہے۔ اسلام خائف قوتوں نے طالبان کو بدنام کرنے کی جوہم چلا رکھی تھی وہ اتنی مؤثر تھی کہ بہت کم لوگ اس میں غیر جانبدار رہ سکے۔

اس سے پہلے کہ اس کی تفصیل پیش کی جائے کہ کس طرح اکثر مبصرین حقیقت اور افسانے کے درمیان گم ہو گئے، ہمیں اس پر غور کرنا ہے کہ کارپوریٹ دُنیا کس حد تک غیر جانبدار رہی تھی، اور اس پروپیگنڈا مہم نے کس طرح اسے طالبان کے خلاف اپنی سوچ کو بدلتے پر مجبور کر دیا۔

24 اکتوبر 1996ء کو مشہور جرمن روزنامے "Frankfurter Rundschau"

نے لکھا کہ ”UNOCAL کو کابل میں نئے اقتدار حاصل کرنے والوں نے ترکمانستان سے پاکستان تک افغانستان کے راستے پائپ لائن بچھانے کی اجازت دے دی ہے۔ یہ پائپ لائن بحیرہ کیسپین پر واقع کراسنودسک (Krasnovodsk) سے بحیرہ ہند کے ساحل پر واقع کراچی تک بچھائی جائے گی۔“ (443) اس مضمون میں جینیوا میں مقیم یو این سفارتکاروں کے اس خیال کا تذکرہ تھا کہ افغانستان کی جنگ ترکی، ایران، پاکستان، روس اور امریکہ کے مابین بحیرہ کیسپین کے تیل و گیس تک رسائی حاصل کرنے کے لیے باہم مقابلے کا نتیجہ ہے۔ (444) UNOCAL کے علاوہ دوسری کمپنیاں جو کیسپین تیل کو نکالنے میں بے حد دلچسپی لیتی تھیں، ان میں AMOCO، Chevron BP، EXXON اور Mobile شامل تھیں۔ (445) کارپوریٹ مفادات کے حامل اخبار ”وال سٹریٹ جرنل“ نے اپنی 23 مئی 1997ء کی اشاعت میں لکھا کہ امریکہ اور دیگر مغربی اشرافیہ کی افغانستان میں اصل دلچسپی یہ ہے کہ اسے وسطی ایشیا کے تیل، گیس اور دوسری معدنیات کے وسیع ذخائر کی برآمد کے لیے ایک اہم شاہراہ کے طور پر استعمال میں لائے۔“ (446) اخبار نے اسلام مخالف عناصر کے طالبان مخالف پروپیگنڈا کے علی الرغم بات آگے بڑھاتے ہوئے لکھا:

”تم انہیں چاہو یا نہ چاہو، طالبان ہی اس کھیل میں وہ کردار ہیں، جو تاریخ کی اس

گھڑی میں افغانستان میں امن قائم کرنے کی استعداد رکھتے ہیں۔“ (447)

کارپوریٹ دہشت گردوں کی قوامی میں آواز ملاتے ہوئے ”نیو یارک ٹائمز“ نے انہی کا رپورٹینز کی حمایت یافتہ انتظامیہ کے نقطہ نظر کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنی اشاعت بابت 26 مئی 1997ء میں لکھا:

”کنٹینن انتظامیہ کو یقین ہے کہ طالبان کی فتح ایران کی قوت کو زائل کرنے کا سبب بنے

گی۔ اس سے تجارت کی نئی راہوں کے امکانات پیدا ہوں گے، جس کی وجہ سے خطہ

میں روس اور ایران کے اثر و رسوخ میں کمی واقع ہو جائے گی۔“ (448)

کیلی فورنیا یونیورسٹی میں تاریخ اور سوشیالوجی کے پروفیسر فرانسز شرمین نے انتظامیہ اور کارپوریٹ محاذوں کے اتحاد اور واشنگٹن کی طرف سے طالبان کی حمایت پر اپنے تاثرات دیے ہیں۔ اس نے مئی 1996ء کے UNOCAL کے اعلان کو اجاگر کرتے ہوئے کہا:

”وہ ایک پائپ لائن کی تعمیر کی تیاری کر رہا ہے جو مغربی افغانستان کے راستے

ترکمانستان پاکستان کو قدرتی گیس سپلائی کرنے کے لیے استعمال ہوگی۔ اس کی تعمیر کے لیے طالبان کی واضح فتح کو اس نے بطور دیباچہ قرار دیا۔“ (448)

سٹیو کول نے اپنی کتاب 'Ghost Wars' میں لکھا ہے کہ

”مارٹی ملیر (یونوکال کے پائپ لائن پراجیکٹ کا انچارج) صاف لفظوں میں کہتا ہے کہ ”یونوکال آخری حد تک افغان سیاست میں غیر جانبدار رہا۔ مارٹی ملیر اور اس کے رفقاءں کار کو امید تھی کہ کابل پر طالبان کا قبضہ اُن کے پائپ لائن منصوبہ کے لیے گت و شنید کو تیز کرے گا۔“ (450)

کول کا اشارہ ستمبر 1996ء کی طرف ہے جب طالبان نے سعودی عرب اور پاکستان کی بہت بڑی مالی امداد کے ساتھ احمد شاہ مسعود کو بھگانے کے بعد دارالخلافہ کابل پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی جیسا کہ احمد رشید لکھتا ہے کہ ایک یونوکال ایگزیکٹو نے بتایا کہ ”اب پائپ لائن پراجیکٹ پر کام شروع کرنا آسان تر ہوگا، کیونکہ اب کابل پر طالبان کا قبضہ ہو چکا ہے۔“ (451)

انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبون نے اپنی 26 ستمبر 1998ء کی اشاعت میں لکھا ہے کہ ”1998ء میں کلنٹن انتظامیہ نے طالبان کے ساتھ ترکمانستان سے افغانستان اور پاکستان کے لیے بحر ہند تک پائپ لائن بچھانے کے سلسلہ میں گت و شنید کی تھی۔ دراصل امریکہ اس خطے میں عدم استحکام پیدا کرنے میں دلچسپی رکھتا تھا، تاکہ مقامی لوگ خود اپنے ذرائع کو بروئے کار لانے کے قابل نہ رہ جائیں کہ اپنے ذرائع سے کچھ کر سکیں۔ سابقہ مجاہدین کمانڈروں اور طالبان مخالف شمالی اتحاد کو یہ احساس ہی نہیں رہا کہ وہ اپنے استعمال کرنے والوں سے جو رقم وصول کر رہے ہیں اس کے لیے وہ کتنے بڑے نقصان کا سودا کر رہے ہیں۔“

طالبان کا بنیادی جرم اسلام کے ساتھ ان کی وابستگی تھا۔ پھر یہ کہ وہ سعودی عرب یا کویتی شیوخ کی طرح امریکی مفادات کے لیے استعمال ہونے کو تیار نہ تھے۔ گو سعودی عرب والے کئی دہائیوں سے اسلام کی قطعید کی سزا پر عمل پیرا ہیں، تاہم ان کا نفاذ شریعت ان اسلام خائف قوتوں کو اس لیے منظور ہے کہ اس برانڈ کا اسلام کسی قسم کے انقلابی جذبہ کو ابھارنے کے قابل نہیں، تاکہ ایک ایسا عادلانہ نظام قائم ہو جہاں مسلمان اپنی پوری زندگی اسلام کے مطابق گزار سکیں۔ طالبان حکومت سعودی عرب اور کویت کی حکومتوں کے مقابلے میں زیادہ وسیع البہاد

تھی۔ پھر بھی اُسے برداشت نہیں کیا گیا، جبکہ کویت حکومت کی بحالی کے لئے امریکہ نے کروڑوں ڈالر خرچ کئے۔ کارپوریٹ دہشت گرد اس دوران افغانستان پر پوری طرح نگاہیں جمائے رہے۔ لہذا انھوں نے اسلام مخالف قوتوں کی پوری حمایت کر دی، تاکہ طالبان کو چلا کر دیں۔ جس دوران امریکہ طالبان کو خرید کر افغانستان پر کنٹرول حاصل کرنا چاہتا تھا، بقیہ دنیا حقیقت اور افسانے کے درمیان حیرانی کا شکار تھی۔ اس افسانوی دنیا کے سامنے اسلام خائف گروہ نے طالبان ”جرائم“ کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا تھا۔

قبضہ کی بنیاد انسان دوستی نہیں!

بہت سے تجزیہ کاروں نے اس حقیقت کو برملا بیان کیا ہے کہ افغانستان میں ایسا کوئی بھی انسانی المیہ نہ تھا جو امریکہ کے لیے طالبان حکومت کے خاتمے اور افغانستان پر قبضہ کرنے کا جواز بنتا۔ عراق پر حملہ کا سبب تباہ کن ہتھیاروں کے موجودگی بتایا گیا تھا۔ اس کے بالکل برعکس افغانستان پر حملہ میں اسامہ بن لادن کی گرفتاری ترجیح نہیں تھی، جیسا کہ بعد میں سی آئی اے کے اہلکاروں نے بتایا تھا۔ (452) اسامہ کی گرفتاری کے بہانے افغانستان پر قبضہ کرنے کے بعد اب امریکہ اسامہ کی حالت فرار ہی کو اپنے مفاد میں سمجھتا ہے۔ سی آئی اے کے سابقہ ایگزیکٹو ڈائریکٹر اے بی کرونگارڈ کا کہنا تھا: ”ہمارے لئے اُس کی حالت فرار بہتر ہے، کیونکہ اسامہ کو کچھ ہونے کی صورت میں بہت سارے لوگ اپنی مردانگی کا مظاہرہ کرنے اور اس کی جگہ لینے کے لیے مسابقت کرتے ہوئے دہشتگردی کا ایک طوفان برپا کر دیں گے۔“ (453)

اب جبکہ افغانستان پر قبضہ کا مقصد حاصل ہو چکا ہے، بہت سے امریکی حکام نے نجی حیثیت میں یہ تسلیم کیا ہے کہ اسامہ کو شہید کرنے یا انصاف کے کٹہرے میں لاکھڑا کرنے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ اسے پاک افغان سرحد پر کہیں مقیم رکھا جائے۔ کرونگارڈ نے جواہر سینئر لوگوں میں سے ہیں، اس حقیقت کو برملا بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے: ”یہ مفروضہ کہ اسامہ زندہ اور مفرور ہے ایک مرے ہوئے یا گرفتار شدہ اسامہ کی نسبت، ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے لیے زیادہ سودمند ہے۔“ طالبان کی اسامہ والے معاملہ کو حل کرنے کی پیشکش کو ٹھکرانے افغانستان پر اندھا دھند بمباری، قبضہ اور ایک کٹھ پتلی حکومت مسلط کرنے سے پہلے امریکی حکام اور تجزیہ کار اے بی کرونگارڈ جیسے خطوط پر سوچنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس وقت قبضہ ضروری ترجیح تھا، تاکہ اسامہ کو ”مردہ یا زندہ“ گرفتار کیا جائے۔ واشنگٹن میں واقع پوٹامک

انسٹی ٹیوٹ فار پالیسی سٹڈیز میں کاؤنٹر ٹیرازم کے ماہر مائیکل سوٹنام نے کرونگارڈ سے بھی پہلے ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اس نے کہا تھا: ”یہ ایک بہت ہی اہم مباحثہ ہے۔ اگر تم اسے مارڈالو تو تم ایک شہید پیدا کرو گے لیکن اگر تم اسے پکڑ دو تو پھر لامحالہ تمہیں کسی ٹریبونل اور مقدمہ چلانے کے عمل سے گزرنا ہو گا۔“ (454)

یہ تمام خیالات ان خیالات اور آراء کے ساتھ ساتھ پیش کئے جاتے رہے ہیں، جن کے مطابق اسامہ کب کا مرچکا ہے، اور القاعدہ نامی کوئی گروہ وجود ہی نہیں رکھتا۔ القاعدہ کے خطرے کو اس لیے بہت زیادہ اُچھا لگایا گیا تا کہ افغانستان پر حملہ کی راہ ہموار کی جاسکے۔ (455) بہت سے تجزیہ نگار پختہ یقین رکھتے ہیں کہ القاعدہ کوئی تنظیم ہے ہی نہیں۔ نائن الیون سے پہلے اس نام سے اسے کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ الزرقادی اور تباہ کن ہتھیاروں والی ہسٹریائی کیفیت کی مانند القاعدہ بھی ایک فرضی نام ہے اور القاعدہ کا پروپیگنڈا اس لیے کیا گیا تا کہ امریکہ اور برطانیہ کے افغانستان پر قبضہ اور انسانیت کے خلاف جرائم کے لئے جواز مہیا کیا جاسکے۔ (456) رابرٹ شیئر نے لاس اینجلس ٹائم میں لکھا:

”قابل غور بات یہ ہے کہ ایسی القاعدہ کا کوئی وجود ہی نہیں ہے، جس کے بارے میں صدر بُش کہتا ہے کہ وہ ایک وسیع، اعلیٰ پیمانے پر منظم بین الاقوامی دہشت گرد تنظیم ہے۔“
سرکاری طور پر القاعدہ کے متعلق امریکی میڈیا نے جو گمراہ کن ہسٹریائی کیفیت پیدا کی ہے، اس سے امریکی انتظامیہ کی نیشنل سکیورٹی کے حوالے سے دعوؤں پر سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔“ (457)

القاعدہ اکیسویں صدی کے عظیم ترین ”جھوٹوں“ میں سے ایک جھوٹ ہے۔ (458) دنیا میں القاعدہ کی پیٹھ سے کوئی حقیقی تنظیم موجود نہیں، سوائے ان جھوٹی ویڈیوز کے جو اس کے متعلق بنائی گئی ہیں۔ (459) ایسی کوئی شہادت نہیں کہ اسامہ لفظ ”القاعدہ“ استعمال کرتا تھا۔ القاعدہ نہ اب موجود ہے اور نہ پہلے کبھی موجود تھی۔ (460) کئی باری آئی اے اور موساد القاعدہ کے روپ میں کام کرتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔ (461) یہاں تک کہ بی بی سی نے بھی رپورٹ دی ہے کہ سی آئی اے القاعدہ کا روپ دھارتا ہے۔ (462) مختصر یہ کہ غیر جانبدار تجزیہ کار جو طالبان اور اسامہ کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں رکھتے، اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ القاعدہ دراصل ”ایک تراشا گیا انٹیلی جنس فرنٹ“ ہے۔ (463)

افغانستان پر قبضہ کرنے کے لئے القاعدہ کے ایک بہانہ اور نائن الیون کے ایک اندرونی معاملہ ہونے سے متعلق شہادتیں روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں۔ طالبان ”جرائم“ کا بہانہ اسی طرح کی ایک چیز ہے جیسے عراق پر قبضہ جاری رکھنے کے لئے آزادی اور جمہوریت کو بہانہ بنایا گیا ہے۔ اگرچہ عراق پر حملے کی بنیادی وجہ جواز تباہ کن ہتھیار کی موجودگی بتائی گئی تھی لیکن اب تمام صورت حال بدل کر بات جمہوریت پر آ گئی ہے۔ یہ ایک ایسا بہانہ ہے جس پر جنگ کے لیے کوئی بھی قانون اور اتھارٹی اجازت دینے کے روادار نہیں ہوں گے۔ افغانستان سے متعلق تمام بڑے بڑے دعوے جو اسامہ کو نکال باہر کرنے (smoking out) اور اس کو زندہ یا مردہ پکڑنے سے متعلق تھے ”طالبان غنڈوں“ کے خاتمے پر آٹھہرے ہیں۔ اگر امریکہ اسامہ پر ہاتھ ڈالنے کے لیے ایک خود مختار ملک پر حملہ آور ہو کر قبضہ کر سکتا ہے تو اس کے لیے اس راہ میں کون سی مشکل حائل ہے کہ وہ پاک افغان سرحد پر اقدام کر کے اسامہ سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا پاسکے؟

دہشتگردی کے خلاف جنگ، تباہ کن ہتھیاروں سے چھٹکارا یا جمہوریت کے لیے جنگ تمام بہانے افغانستان پر حملے کے لیے گھڑے گئے ہیں۔ جتنا بھی امریکہ اصل مقاصد کو چھپانے کی کوشش کرے گا، اتنا ہی دنیا کی نظروں میں قبضہ کے ناجائز ہونے کی حقیقت آشکارا ہوتی جائے گی۔ امریکہ کے اسلام سے متعلق خدشات اور اپنے فوجی مفادات کی فکر اس کے انسانی خیر سگالی کے دعوؤں کے مقابلے میں بھاری نظر آتے ہیں۔ امریکہ نے 1999ء میں گیس اور تیل پائپ لائن بچھانے کی خاطر طالبان کو راضی کرنے کے لیے ان کی خوشامد بھی کی اور ان کو خریدنے کی پالیسی پر بھی کام کیا۔ انھوں نے ایسا انسانی ہمدردی کے حوالے سے نہیں، بلکہ اپنے مفادات کے لیے کیا۔ اسامہ بن لادن کے فتویٰ جہاد کے بعد ان کے مفادات کو خطرہ پیدا ہوا تھا۔

افغانستان پر کنٹرول کا اصل سبب مذہبی ترجیحات تھیں نہ کہ انسانی حقوق کی پامالی اور نہ یہ فکر تھی کہ کابل میں کون برسرِ اقتدار ہے۔ اس سلسلہ میں افغانستان میں امریکی پالیسی کے متعلق کانگریس مین ڈانا روبراباشر (Dana Rohrabacher) کی شہادت پر بہت حد تک اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ یہ صاحب 1980ء کے اوائل سے، جب کہ وہ وہائٹ ہاؤس میں اس وقت کے صدر رونالڈ ریگن کے ساتھ سیشل اسٹنٹ کے طور پر کام کرتے تھے افغان امور سے متعلق

رہے ہیں۔ بعد ازاں ہش دوم کے اقتدار کے دوران وہ یو ایس ہاؤس انٹریٹل ریلیشنز کمیٹی کے سینئر ممبر کے طور پر کام کرتے رہے۔ 1988ء سے وہ امریکی کانگریس کے ممبر کی حیثیت سے افغانستان جا کر مجاہدین کے ساتھ کام کرتے تھے۔ معرکہ جلال آباد میں وہ سوویت فوجوں کے خلاف جنگ میں بھی شریک رہے۔ زہرا باشر کی شہادت ہے کہ: ”افغانستان کے بارے میں امریکی پالیسی کے ساتھ بیس سالہ تعلق کی بنیاد پر میں ایک سوال پوچھتا ہوں وہ یہ کہ آیا امریکی انتظامیہ نے طالبان کو اقتدار میں لانے کے لیے کوئی خفیہ کردار ادا کیا ہے یا نہیں۔“ (464) زہرا باشر کئی دستاویزات کے جائزے کے بعد جو طالبان کے لیے امریکی خفیہ حمایت کی نشاندہی کرتی ہیں، جو نتیجہ اخذ کرتا ہے، وہ یہ ہے کہ ”میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ طالبان تحریک کو افغانستان پر کنٹرول دلانے میں امریکہ کی خفیہ پالیسی کا رفرما ہے اور رہی ہے۔ اس کی دو ہی تشریحات ممکن ہیں، یا تو سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ مکمل طور پر نا اہل ثابت ہو چکا ہے اور یا پھر افغانستان کے متعلق اس کی بنیادی پالیسی اب بھی خفیہ طور پر اسی ڈگر پر چل رہی ہے۔“ (465)

اس صورتحال سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست ہے کہ اپنے خفیہ کردار کے ذریعے امریکہ افغانستان کو ایک سیٹلائٹ سٹیٹ بنانا چاہتا ہے، جیسا کہ مصر اور پاکستان کی صورت حال ہے، جہاں اسلامی نظام کے قیام کے لیے سوچنا بھی آہستہ آہستہ ایک جرم بنتا جا رہا ہے۔ امریکہ کا خیال ہے کہ وہ افغانستان پر بلا واسطہ قبضہ کیے بغیر اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک کٹھ پتلی حکومت کو دوام بخشنے کے لیے مسلسل مصروف عمل ہے۔

امریکی انتظامیہ نے خود انہیوں کے مفادات کا کبھی خیال نہیں رکھا اور نہ ان کے جذبات کا احترام کیا ہے۔ اس نے سوویت یونین کے انخلاء کے بعد سول وار اور طالبان دور حکومت میں ان کو نظر انداز کیا تھا۔ بعض افغان کرزئی حکومت کی اس لئے حمایت کرتے ہیں، کیونکہ انہیں یقین ہے کہ پاکستان نے طالبان دور میں اپنے مفادات کے لیے افغانستان کا استحصال کیا ہے۔ پہلے پہل تو پاکستان نے امریکہ کی خاطر طالبان کی مدد کی اور بعد میں اسے یہ خیال آیا کہ وار لارڈ ز اور شمالی اتحاد کی شکل میں موجود پاکستان مخالف عناصر کے لیے واحد جائز متبادل بس وہی طالبان ہیں۔

یہ بات بھی صحیح نہیں کہ امریکہ چاہتا تھا کہ پاکستان وار لارڈز کی مدد سے افغانستان پر کنٹرول قائم کر سکے۔ اس مفروضہ کے لیے کوئی بنیاد نہیں۔ طالبان حکومت کو ایک کٹھ پتلی

حیثیت دینے میں ناکامی پر امریکہ نے پاکستان پر مختلف طریقوں سے دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ وہ ابتدائی طور پر واشنگٹن کی طرف سے آئی ہوئی پالیسی پر مزید عمل کرنا بند کرے۔ پرویز مشرف نے امریکہ کے احکام پر اپنی بغاوت کے فوراً ہی بعد اُس پر عمل شروع کیا۔ اکتوبر 1999ء میں اس نے ایک منتخب حکومت کا تختہ الٹ دیا اور صرف چار ماہ بعد طالبان کو ایک وسیع الہیاد حکومت کے قیام کا ٹیکہ دینا شروع کر دیا۔⁽⁴⁶⁶⁾ تاہم طالبان کے ساتھ پاکستان کے تعلقات اتنے مستحکم اور گہرے ہو چکے تھے کہ پاکستان کے لیے اس وقت تک اُن سے گلو خلاصی مشکل تھی، جب تک امریکہ نے نائن ایون جیسے واقعہ کا ڈراما نہ رچا لیا۔ اس لمحہ اسلام آباد میں براجمان ”بزدل کمانڈو“ کے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہ تھا کہ وہ واشنگٹن کی بتائی ہوئی اس راہِ عمل پر گامزن ہو، جو پہلے ہی سے اس کے لیے متعین کی گئی تھی۔ اس نے پہلے سے طے شدہ حملے اور افغانستان پر قبضہ کے عمل میں امریکہ کی بھرپور مدد کی۔

افغان تجزیہ کار ڈاکٹر علی نور کا تجزیہ اور پیشین گوئی صحیح ثابت ہو گئی۔ اس نے 1998ء میں لکھا تھا کہ امریکی حکومت اپنے علاقائی حلیفوں کے تعاون سے افغانستان میں ایک ایسی زیر اثر حکومت کا قیام چاہتی ہے جس کے ذریعے اس خطے کی سیاسیات اور معاشیات پر اثر انداز ہو کر اپنے سامراجی مقاصد کی تکمیل کر سکے۔ اس قسم کی کسی حکومت کی ”دریافت“ اور قیام کے لیے جتنی دیر لگتی جا رہی ہے ملک کو اس دوران اسی طرح افراتفری اور عدم استحکام سے دوچار کرنے کا عمل جاری رہے گا۔⁽⁴⁶⁷⁾

آج ہم دیکھتے ہیں کہ علی نور کے تجزیہ کے عین مطابق افغانستان میں ایک غلام حکومت قائم ہے۔ یہ حکومت صرف کابل کی حدود تک مؤثر ہے۔ یہ انتظام کم از کم اس وقت تک جاری رہے گا جب تک امریکی فوج اس کے صدر کی حفاظت پر مامور ہو۔ وہ صدر جس کی حیثیت کابل میونسپلٹی کے میئر سے زیادہ کچھ نہیں۔

طالبان کے لیے پانی گدلا کرنے کی خاطر افریقہ اور یمن میں بم حملوں کا الزام اسامہ پر لگایا گیا۔ باوجودیکہ اُس نے واضح طور پر کہا کہ ان دہشت گردانہ کارروائیوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔⁽⁴⁶⁸⁾ طالبان اقتدار کے خاتمہ کے لیے امریکہ نے اقوام متحدہ پر دباؤ ڈالا کہ وہ طالبان کے خلاف پابندیاں عائد کرے۔ طالبان کے برسرِ اقتدار رہنے سے مغربی فرموں کو افغانستان میں سرمایہ لگانے میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔ دورِ جدید کے کروسیڈرز اپنی مہم میں

کامیاب ہو گئے اور کارپوریٹ دہشت گردوں کو طالبان کو خریدنے میں کامیابی حاصل کرنے کی اُمیدیں چھوڑنی پڑیں۔

امریکی انتظامیہ افغانستان میں ایک دوسرا سعودی عرب یا کویت بنانے میں ناکام رہی، جہاں اسے ایسے ذرائع اور پالیسیوں تک رسائی حاصل ہے جس کی وجہ سے امریکہ کو نہ تو وہاں سے اسلامی انقلاب کا کوئی خدشہ ہے، نہ یہ اندیشہ کہ مسلم عوام کبھی اس نوآبادیاتی نظام سے چمٹکارا پا سکنے کے قابل ہو سکیں گے۔ جیسا کہ احمد رشید بتاتا ہے:

UNOCAL پراجیکٹ اس یقین کے ساتھ قائم کیا گیا کہ طالبان افغانستان پر قبضہ کر لیں گے۔ ان کو یہ یقین مختلف ملکوں سعودی عرب، پاکستان اور امریکی انتظامیہ میں شامل عناصر نے دلایا۔ یہ یقین غلط تھا، کیونکہ اس کی بنیاد فتح پر رکھی گئی تھی اور فتح نہ ہونے کی صورت میں نہ صرف یہ کہ پائپ لائن بچھانا ناممکن تھا، بلکہ اس کام کے لیے جو تحفظ درکار ہے وہ انھیں کبھی حاصل نہ ہو سکے گا۔ (489)

طالبان کے دور کی نسبت آج یہ معاملہ زیادہ درست ہے۔ امریکہ کو یقین ہے کہ اس نے افغانستان کو فتح کیا ہے اور اب جن پراجیکٹس کے لیے سالوں انتظار کیا گیا، ان کو شروع کرنے کے لیے حالات موافق ہیں۔ اصل سوال یہ ہے کہ امریکہ کب تک ایک مسلط کردہ حکومت کو تحفظ دے سکے گا اور کب تک افغانستان میں رہ سکے گا کہ اپنی کٹھ پتلیوں کو افغانستان میں تحفظ فراہم کر سکے؟

کرزئی کی کٹھ پتلی حکومت کے مقابلے میں طالبان ملک میں امن و امان برقرار رکھنے میں زیادہ کامیاب رہے۔ تاہم چار باتیں ایسی تھیں جن کی وجہ سے بالآخر وہ ناقابل قبول ٹھہرے۔
i۔ انہوں نے کرزئی، مشرف یا بہت سے عرب شاہوں اور شیوخ کی طرح غلاموں کی طرح سب کچھ ماننے سے انکار کر دیا۔

ii۔ طالبان نے اس بات کا التزام کیا کہ وہ افغانستان کو ایک اسلامی سٹیٹ میں تبدیل کریں گے اور اسلام خائف قوتوں کی سوچ یہ تھی کہ وہ ایسی حکومت کو گرائیں گی۔

iii۔ وہ خوف جو اسامہ بن لادن کے جہاد کے فتویٰ نے واشنگٹن کے دہشت گردوں کے دلوں پر طاری کر دیا تھا، اس کی وجہ سے آئل مافیا اور کارپوریٹ دہشت گردوں کے تمام منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے حالت انتظار سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

iv۔ مسلم دُنیا میں یہ بحث شروع ہوگئی کہ مسلمان مکمل آزادی کے ساتھ بغیر کسی بیرونی مداخلت کے اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے اپنا فریضہ ادا کریں اور یہ ان کے ذمے ہے۔

طالبان دہشت گردی میں ملوث ہونے کا کوئی منصوبہ نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی انھوں نے اپنے مہمانوں کی بیرون ملک دہشت گردانہ حملوں کی منصوبہ بندی میں کسی قسم کی اعانت کی تھی۔ بعد کے دنوں کے دوران تو طالبان اس حد تک گئے کہ انھوں نے اسامہ اور ان کے ساتھیوں کو کڑی نگرانی کے تحت رکھا۔ طالبان نے عرب مہمانوں سے کمیونیکیشن سے متعلقہ سارا ساز و سامان قبضہ میں لے لیا تھا اور یہ طالبان ہی تھے جنہوں نے نامہ نگاروں کے اسامہ سے ملنے پر پابندی لگائی، خصوصاً جن کے پاس اس (اسامہ) کے بیانات کو ریکارڈ کرنے کے آلات ہوتے تھے۔ اس عام خیال کے برعکس کہ عرب طالبان کو ہدایات دیتے رہے تھے جیسے کہ ایمن الزواہری کہتے ہیں کہ حکم پر چلنا تو دور کی بات ہے طالبان تو ان عربوں کی کسی بات پر کان دھرنے کو بھی تیار نہ تھے۔ طالبان کے ان تمام مصالحانہ رویوں کا یہ مطلب نہیں تھا کہ انھوں نے بھی مشرق وسطیٰ کی کسی بادشاہت اور شیوخ کی کسی ریاست یا پاکستان جیسے کسی ”جمہوری“ ملک کی طرح امریکہ کے سامنے مکمل سپر اندازی اختیار کی تھی اور اس طرح کے انداز فکر سے ان کے اس عزم میں کوئی کمی آئی تھی جو انھوں نے اسلامی طرز حیات کو اختیار کرنے کے لیے کیا تھا۔

ان حالات میں کروسیڈرز کے لیے یہ بات ناگزیر ہوگئی تھی کہ وہ طالبان مخالف مہم جوئی کو آخری حد تک لے جائیں۔ امریکی انتظامیہ جو مذہبی جذبات کے زیر اثر تھی، اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی متبادل نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ نے طالبان کو بالکل ابتدا ہی میں اپنے راستے کا پتھر سمجھنا شروع کیا تھا۔ اور انہی وجوہات کی بنا پر اُس نے طالبان کے متعلق ایک مکمل الٹی (about turn) پالیسی اختیار کی۔

طالبان کی بے دخلی کی راہ ہموار کرنا

دسمبر 2000ء میں واشنگٹن پوسٹ میں طالبان کے متعلق واشنگٹن کے رویہ کی تبدیلی کا ذکر کیا گیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے انتظامیہ کا رویہ کچھ نرم سا تھا۔ واشنگٹن پوسٹ کے تذکرہ میں یہ نشاندہی کی گئی تھی کہ رویہ میں یہ تبدیلی کسی عوامی مباحثے، کانگریس کے ساتھ

کسی مشورے یا ان لوگوں کو اعتماد میں لئے بغیر عمل میں لائی گئی تھی جن کے متعلق یہ بات معلوم تھی کہ اگلی انتظامیہ میں وہ خارجہ پالیسی کے کرتا دھرتا ہوں گے۔ (470)

اخبار ”ٹورانٹو سٹار“ نے لکھا کہ امریکہ نے اُس وقت افغانستان جیسے جنگ زدہ ملک پر بالکل عراقی طرز کی پابندیاں لگوانی شروع کیں، جب اس کی 18 ملین آبادی کی اکثریت بھوک اور بے گھر ہونے کی کیفیت سے دوچار تھی۔ (471) اس اقدام کا مطلب یہی تھا کہ افغانستان کے اندر بغاوت کی آگ بھڑکائی جائے اور ان لوگوں کو جن کی ماہانہ آمدنی تقریباً چار ڈالر تھی، جس پر گزارہ بہت مشکل تھا، طالبان کے خلاف اٹھنے پر مجبور کیا جائے۔

بھوک سے نڈھال افغانیوں کو مزید بھوکے مروانے سے آنکھیں چرا کر یہ پروپیگنڈا زور و شور سے کیا گیا کہ یہاں جو ”انسانی المیہ“ رونما ہو رہا ہے وہ افغانستان میں طالبان کے برسرِ اقتدار رہنے کی وجہ سے ہے۔ بارش نہ ہونے اور ملک میں خشک سالی کو بھی طالبان سے منسوب کیا گیا۔ گارڈین اخبار کے لیوک ہارڈنگ نے قندھار سے رپورٹ کرتے ہوئے لکھا: ”جو 30 لاکھ افغانی بھوک کی وجہ سے موت کے منہ جانے والے ہیں، ان کے ذمہ دار طالبان ہیں“ دوسری طرف کسی نے ورلڈ فوڈ پروگرام (WFP) (472) کی روٹیاں تقسیم کرنے کے اہتمام کا کوئی نوٹس نہیں لیا، جو صرف اس غرض سے کیا گیا تھا کہ امریکہ اور اس کے حلیفوں کے ایجنڈے کی یہاں تکمیل ہو سکے۔ (تفصیلات کے لیے باب چہارم پر نظر ڈالیں)

امریکہ طالبان کو اکھاڑ پھینکنا چاہتا تھا جو کسی بھی قیمت پر اس کے ناجائز مطالبات اور احکامات کے سامنے جھکنے پر تیار نہ تھے۔ لہذا نائن الیون سے پہلے ہی طالبان کو زیر کر کے ایک نئی اور اطاعت شعار حکومت کے قیام کی راہ ہموار کرنے کی خاطر امریکہ روس مشترکہ دفاعی پراجیکٹ کی طرح ڈال دی گئی تھی۔

اس کتاب کے تعارفی صفحات میں دی گئی شہادتوں کے علاوہ جونز ہاپکنز نیٹرسکول آف ایڈوانسڈ انٹرنیشنل سٹڈیز کے چیئرمین فریڈرک سٹار نے 2000ء میں رپورٹ دی:

”ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے خاموشی کے ساتھ روسی حکام کو افغانستان کے خلاف فوجی کارروائی کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ مقامی دباؤ کی وجہ سے اسے پسپائی اختیار کرنا پڑی، تاہم وہ اپنے اس عزم سے باز نہ آیا۔ اس نے وسطی ایشیائی ممالک میں ان امکانات کا بغور جائزہ لیا کہ آیا اس مقصد کے لیے کوئی ملک اپنی سرزمین کو استعمال

کرنے کی اجازت دینے پر تیار ہوگا۔“ (بحوالہ واشنگٹن پوسٹ 19 دسمبر 2000ء)
 امریکی، روسی اور بھارتی حکام کے درمیان 2000ء کے اختتام پر ایک میٹنگ اس غرض سے ہوئی کہ اس امر کا فیصلہ ہو جائے کہ طالبان کی جگہ کس قسم کی حکومت قائم ہو۔ امریکہ ایک ایسی حکومت کو بے دخل کرنا چاہتا تھا جس کا تقریباً تمام ملک پر کنٹرول تھا اور اسے امید تھی کہ اس کی بجائے ایسی حکومت لائی جاسکتی ہے جو درحقیقت قیاسی ہی ہو اور جو کاغذ پر بھی اپنا وجود نہیں رکھتی۔ (473)

امریکہ نے طالبان کے لیے تو بیرونی فوجی امداد پر پابندیاں سخت کرنا شروع کر دیں مگر دوسری جانب ملک میں دیگر مسلح طبقات کے متعلق ایسا کوئی اقدام نہیں کیا گیا۔ اس سے یہ بات یقینی ہو جاتی ہے کہ پالیسی میں اس تبدیلی کے پس پردہ استعماری مفادات تھے اور کسی قسم کی انسانی وجوہات کا فرما نہیں تھیں۔ وسطی ایشیائی امور کے ماہر فریڈرک سٹار کے الفاظ ہیں:

”جب دوسرے گروہوں کا چند اہم مقامات پر قبضہ تھا تو حقوق انسانی کے ضمن میں ان کا ریکارڈ بڑا ظالمانہ تھا۔ اگر طالبان کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو ان کا سلوک بدترین تھا۔ اب اس جزوی حکومت کو جو نہایت کمزور اور بے جان ہے، امریکی حکومت نے سنبھالا دیا ہوا ہے اور امریکہ ہی کے سہارے یہ حکومت اقوام متحدہ میں افغانستان کی نشست پر براجمان ہے۔“ (474)

ہیومن رائٹس واچ (HRW) نے اقوام متحدہ پر طالبان کے خلاف پابندیوں پر تنقید کی تھی۔ اس نے محاذ آرائی میں شامل تمام فریقوں کے لیے اسلحہ کی سپلائی پر پابندی کا مطالبہ کیا تھا اور زور دیا تھا کہ ایسا صرف طالبان کے ساتھ نہ ہو۔ ایک امریکی روسی مشترکہ قرارداد میں سابقہ دارلارڈز کے ایک گروپ کی افغانستان میں برپا بد امنی کو نظر انداز کر کے صرف اس بات پر فوکس کیا گیا کہ طالبان نے اسامہ بن لادن کو پناہ دے رکھی ہے، حالانکہ دارلارڈز سے تعلق رکھنے والے یہ عناصر انسانی بحران کو جنم دینے کے ذمہ دار تھے۔ اس ڈرافٹ ریزولیشن کی رو سے طالبان پر نئی پابندیاں عائد کرنے کے ساتھ یہ بھی ذمہ داری ڈالی گئی کہ وہ اسامہ بن لادن کو ملک بدر کرنے کے ساتھ ساتھ وہ مراکز بھی بند کرائیں جہاں بیرونی دنیا میں ”مجرمانہ عملیات“ کی منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ لیکن اس ڈرافٹ ریزولیشن میں افغانستان میں جاری سول وار کو بند کرنے کا کوئی ذکر نہیں تھا، جس سے ایک بہت ہی خوفناک انسانی المیہ نے جنم لیا ہے۔ (475)

ہیومن رائٹس واچ کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر نے نشاندہی کی کہ بین الاقوامی برادری اس ظلم و تعدی کو روکنے میں ناکام رہی جو باہم برسر پیکار پارٹیوں کے ہاتھوں ہو رہا ہے اور جو انسانی المیہ کا سب سے بڑا سبب ہے۔ گویا جان بوجھ کر افغان عوام کو بربادی کا شکار ہونے دیا گیا۔ (476)

کینیڈا سے تعلق رکھنے والے ایک صحافی نے 2000ء میں رپورٹ دی کہ امریکہ اور روس غنقریب اسلامی ”شدت پسند“ اسامہ بن لادن اور طالبان لیڈر شپ جو افغان تحریک کی روح رواں ہے کے خلاف مشترکہ فوجی کارروائی شروع کرنے والے ہیں۔ غالب گمان یہ ہے کہ اس میں یو ایس ڈیلٹا فورس اور نیوی سیلز شامل ہوں گے جو روس کی ایلٹ فورس اور تاجکستان میں الفا کمانڈوز کے ساتھ مل کر کارروائی کریں گے۔ تاجکستان وسطی ایشیائی مملکت ہے اور اس میں روسی ملٹری مراکز ہیں اور پچیس ہزار فوج مقیم ہے۔ یہ مشترکہ فوج بمبلی کا پٹروں کے ذریعے اٹھائی جائے گی۔ اس کی ہوائی جہازوں سے مدد کی جائے گی اور یہ افغانستان کے قلب میں ہندوکش کے پہاڑی سلسلہ میں جہاں اسامہ بن لادن کے محفوظ مراکز ہیں، پر حملہ آور ہوگی۔ (477)

اس منصوبے کا افغان عوام کی مدد سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ اس کا زیادہ زور اس خطے میں امریکی مفادات کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے پر تھا۔

گارڈین اخبار نے نومبر 2000ء میں بجا طور پر سمجھا کہ ”میزائلوں کا ایک اور حملہ افغانیوں کی بربادیوں میں اضافے کے علاوہ کچھ نہیں کرے گا۔“ گارڈین کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ صرف میزائلوں کی بارش نہیں ہوگی، بلکہ ایک بھرپور حملہ اور ایک طویل المدت قبضہ والا معاملہ ہوگا۔ (478)

یہ حقائق ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتے ہیں کہ حقوق انسانی کی پامالی، وسیع البیاد حکومت کی عدم موجودگی اور دہشت گردی جیسی چیزیں صرف اور صرف طالبان حکومت کے خاتمے کے بہانے کے طور پر تھیں۔ امریکہ تو ان چیزوں کا محض نعرہ لگاتا ہے، ورنہ درحقیقت اُس کی سوچ سچی پالیسی جمہوری اقدار اور معاشرتی انصاف کی عین ضد ہے۔ وہ افغانستان پر قبضہ کے ذریعے اپنی کارپوریٹ اشرفیہ کے مفادات کو آگے بڑھانا چاہتا ہے۔ کرویڈرز اور ان کے ہمدرد اسلام کے خلاف اس جنگ میں تمام محاذوں پر قابو یافتہ ہو چکے ہیں۔ انہوں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ کسی ایسی حکومت کو باقی نہیں رہنے دیا جائے گا جو ایک مکمل اسلامی ماڈل قائم کرنے کا عزم

رکھتی ہو۔ جس سے کروسیڈرز کے لگائے گئے اس طرح کے الزامات غلط ثابت ہوں کہ اسلامی حکومت ایک غلط طرز حکومت ہے، کیونکہ اس میں آزادی اور جمہوریت کا فقدان ہوتا ہے۔ یہ بات صاف عیاں ہے کہ جب امریکہ افغانستان کے ضمن میں پالیسی مرتب کر رہا ہوتا ہے تو اس میں افغان عوام کے انسانی حقوق کا عنصر امریکہ کے نزدیک چنداں اہمیت کا حامل نہیں ہوتا۔ افغان عوام کی جو تباہی و بربادی ایک منظم طریقہ سے 17 اکتوبر 2001ء کے بعد سے کابل میں قائم کردہ امریکہ کی پٹھو حکومت کے ہاتھوں ہو رہی ہے، ایسی تباہی انہوں نے طالبان کے اقتدار کے تحت کبھی نہیں دیکھی تھی۔ یہ تمام حقائق کلی طور پر یہ ثابت کرتے ہیں کہ ریاست ہائے متحدہ امریکا کا افغانستان پر قبضہ اتنا ہی (بلکہ اُس سے بھی بڑھ کر) ناجائز اور غلط ہے جتنا کہ عراق پر اس کا قبضہ ناجائز اور غلط ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ افغانستان پر قبضہ نئی کروسیڈ کا پہلا قبضہ ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ تحقیق کار، تجزیہ نگار، جنگ مخالف سرگرم کارکنان اور امن کی داعی جماعتیں اس صورت حال کو سمجھیں اور افغانستان پر حملہ کے پس پردہ کارفرما خفیہ قوتوں کو بے نقاب کریں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ ان قوتوں کی مذمت کریں اور صریحاً عراق ہی کی طرح افغانستان پر قبضہ کے معاملہ کو بھی دیکھیں اور اس کا حل نکالنے کے لیے سوچیں۔ دونوں مسلم ممالک پر قبضہ جھوٹ اور سوچے سمجھے منصوبے کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ اس میں جمہوریت یا انسانی حقوق کے متعلق کسی قسم کی تشویش کا قطعاً کوئی سروکار ہی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ افغانستان پر جنگ مسلط کرنے کے لیے جو خوفناک جھوٹ بولا گیا ہے وہ جھوٹ کے ان پلندوں سے کہیں زیادہ ہے جن کی بنا پر صدام حسین پر تباہ کن اسلحہ رکھنے کا الزام لگا کر عراق پر حملہ کرنے کی راہ نکالی گئی تھی۔

غیر قانونی جنگ

نائن الیون کے پہلے سے طے شدہ حلوں کے فوراً بعد یٹس نے فلوریڈا سے بیان دیتے ہوئے ان واقعات کو دہشت گردی سے تعبیر کیا۔ تاہم بین الاقوامی قانون کے تحت دہشت گردانہ کارروائیوں کی عمومی طور پر کوئی قابل قبول تعریف نہیں ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ سٹیٹ ایکٹرز جیسے امریکہ، اسرائیل، انڈیا اور روس وغیرہ زیادہ قصور وار ہیں، بہ نسبت ان عناصر کے جو انفرادی طور پر اور علیحدہ علیحدہ دہشت گردانہ کارروائیوں میں ملوث ہیں۔ تاہم

اس کے بعد بہت جلد اپنے دارلارڈز سے مشورہ کرتے ہوئے بُش نے سٹیج کردہ نائن الیون کو جنگی کارروائی قرار دیا، اور قانونی اور دستوری ایٹوز کو خطرے سے دوچار کر دیا۔ یونیورسٹی آف الینائس (Illinois) میں قانون کے پروفیسر فرانس اے بوائسٹیل کہتے ہیں:

”روایتی تعریف کے مطابق یہ جنگی کارروائی نہیں تھی۔ جنگی کارروائی تب ہوگی جب ایک مملکت دوسری پر حملہ آور ہو جائے۔ ابھی ایسے شواہد پیش نہیں کئے گئے کہ ریاست افغانستان نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ پر حملہ کیا ہو، یا اس نے کسی ایسے حملہ کی اجازت دی ہو یا اسے جائز قرار دیا ہو۔ حال ہی میں ایف بی آئی کے ڈائریکٹر ٹرلر اور سی آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر نے برسر عام یہ تسلیم کیا کہ ان کو ایسی کوئی شہادت نہیں ملی کہ افغانستان کا کسی بھی طور نائن الیون کے حملوں سے کوئی واسطہ ہو۔ اگر آپ واقعات کے متعلق حکومتی نقطہ نظر کو درست تسلیم کرتے ہیں تو میرے خیال میں اس پر کافی بحث کی جاسکتی ہے۔ 19 لوگوں میں سے جن پر ان حملوں کی ذمہ داری عائد کی جاتی ہے، 15 کا تعلق سعودی عرب سے ہے مگر اس کے باوجود ہم نے حملہ افغانستان پر کر دیا (نہ کہ

سعودی پر) میری رائے میں اس حملہ کا کوئی جواز ہی نہیں بنتا۔“ (479)

نائن الیون کا سٹیج کردہ معاملہ کسی بھی جنگی تعریف کے حوالے سے جنگی کارروائی نہیں کہلا سکتا۔ بُش اور اس کی جنگی انتظامیہ نے اسے جنگ اس لیے کہنا شروع کیا، تاکہ وہ ریاستی دہشت گردی کو بروئے کار لا کر افغانستان پر حملہ اور قبضہ کے لیے جواز گھڑ سکے۔ افغانستان پر حملہ کلی طور پر دہشت گردانہ کارروائی تھی۔ بُش کی دھمکی (480) سے صاف عیاں تھا کہ اُس کے پیش نظر صرف افغانستان نہیں تھا بلکہ وہ ہر اس ملک پر حملہ کرنا چاہتا تھا جو اس کی ”مقدس جنگ“ (481) میں اس کا ساتھ دینے سے انکار کی جرأت کر بیٹھے۔

گارڈاغیستا کنفلکٹ امریکہ کا ایک فری لانس صحافی ہے، جس نے چار سال مشرق وسطیٰ میں کام کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

”امریکہ نے قصداً جنگ شروع کرنے کے لیے ناجائز وجوہات گھڑ لیں اور امریکی میڈیا نے اتنی بکواس کردی، جس سے امریکی عوام کے دلوں میں اتنا خوف بھرا کہ انہوں نے افغانستان پر حملہ کی ناجائز حمایت کر لی۔ لوگوں کو افغان عوام پر ہونے والی دہشت گردی کا کوئی خیال ہی نہ رہا۔ انہیں صرف اپنی سلامتی اور تکلیف سے بچاؤ کی فکر

لاحق رہی۔ کیا سوچنے کا یہی طریقہ ہے؟ کیا اس نام نہاد ترقی یافتہ تہذیب کا یہ مانہینڈ سیٹ (سوچ) ہے؟ یو ایس گورنمنٹ نے بین الاقوامی قانون کی ذرہ برابر پروا نہیں کی۔ دراصل اُن کا مقصد انسانی جانوں کی قیمت پر اپنی سلطنت کو نہایت بے دردی کے ساتھ پھیلاتا تھا۔“ (482)

اگر بُش انتظامیہ نائن الیون واقعہ کو محض دہشت گردانہ کارروائی تسلیم کر لیتی، اُسے جنگی کارروائی قرار نہ دیتی تو پھر اُسے طالبان کو اقتدار سے بے دخل کرنے اور افغانستان پر قبضہ کرنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ اس لئے کہ افغان حکومت نے تو امریکہ کے خلاف کوئی اعلان جنگ نہیں کیا تھا۔ دہشت گردی کے واقعات کے لیے ملکی اور بین الاقوامی قوانین موجود ہیں، جن کے تحت اس معاملے سے نمٹا جاسکتا تھا۔ Montreal Sabotage Convention ایسا ہی ایک فورم تھا، جس کے امریکہ اور افغانستان دونوں فریق تھے۔ یہ کنونشن بین الاقوامی عدالت انصاف تک رسائی سمیت بہت سے متنازعہ معاملات، جیسے اسامہ کے ملک سے نکلنے کا معاملہ وغیرہ پر کارروائی کر سکتا ہے۔ بُش انتظامیہ نے اس معاہدہ کو بالکل نظر انداز کر کے پھینک دیا اور اسے کبھی زبان پر بھی نہ لایا گیا۔ انھوں نے اس کنونشن اور بارہ دوسرے بین الاقوامی معاہدوں پر جو دہشت گردی کے متعلق تھے، کوئی توجہ ہی نہیں دی۔ جبکہ یہ معاملہ ایک پُر امن اور قانونی طریقہ سے حل کا تقاضا کرتا تھا۔

افغانستان پر مسلط کردہ امریکی جنگ کے قانونی ہونے کا مزید جائزہ لینے سے پہلے ہمیں چند ناقابل تردید حقائق پر غور کرنا چاہیے۔

1۔ کسی ملک کے دوسرے ملک پر حملہ کے لیے ضروری ہے کہ تین قسم کی صورت حال میں سے ایک ضرور موجود ہو۔ 1 طاقت کے استعمال کے لیے اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل سے اجازت لی گئی ہو۔ 2۔ طاقت کا استعمال اس صورت میں ہو جب کسی دوسرے ملک کے حملہ آور ہونے کی صورت میں بچاؤ مطلوب ہو اور 3۔ طاقت کے استعمال کا جواز ”انسانی وجوہ کی بنا پر مداخلت“ کے تحت بھی ہو سکتا ہے۔

2۔ نائن الیون میں طالبان کے ملوث ہونے کے متعلق کوئی بھی شواہد اب تک نہ طالبان اور نہ ہی بقیہ دُنیا کے سامنے پیش کئے جاسکے۔ نائن الیون حملوں کا نشانہ بننے والوں کے خاندانوں کو بھی کوئی قابل اعتبار شہادت جیسے جہازوں کے بلیک باکس، وائس ریکارڈرز، مکمل

ٹریفک کنٹرول ریکارڈ اور مسافروں کی مکمل فہرست جیسی چیزیں مہیا نہیں کی جاسکیں۔

3- امریکی انتظامیہ اور محکمہ انصاف کے اہلکاروں نے ایسے شواہد کو منظر عام پر آنے سے روکنے میں بڑی بھرتی دکھائی جو نائن الیون کی تحقیقات کے علاوہ نشانہ بننے والوں کے خاندانوں کی طرف سے سول لاء کے تحت دائر کردہ مقدمات کے سلسلہ میں بھی مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔ ان مقدمات کی سماعت کرنے والے جج ہیلر شٹین نے نائن الیون سے متعلق ہر جانہ کے لیے دائر کئے گئے مقدمات کو اس وقت تک کے لیے ملتوی کئے رکھا جب تک حکومتی فیصلہ واضح طور پر سامنے نہ آ گیا۔ اس صورت حال میں یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی مصائب میں گھرے ہوئے ان افغانوں کے حق میں آواز اٹھائے۔ خصوصاً جب ان میں ایسے موقع پرست ایجنٹوں اور ہماروں کا ایک جم غفیر بھی موجود ہو جو حملہ آوروں کو افغانستان پر قبضہ مستحکم کرنے میں مدد دے رہے ہوں۔

4- اسامہ افغان نہیں بلکہ سعودی شہری ہے۔ وہ جب افغانستان پر سوویت قبضہ کے خلاف ”امریکی جہاد“ کا حصہ تھا تو امریکہ کو قابل قبول تھا لیکن جب اس نے اپنا نیا جہاد شروع کیا اور عرب سرزمین پر سے اسرائیلی قبضہ کو ختم کرنے کے لیے آواز اٹھائی اور سعودی عرب کی سرزمین سے امریکی موجودگی ختم کرنے کا مطالبہ کیا جیسے کہ افغانستان سے سوویت یونین کی واپسی ہو چکی تھی، تو وہ (امریکہ کا) دشمن بن گیا۔

5- 1996ء میں طالبان کا قبضہ اور بالفعل کابل کی حکمرانی جس میں افغانستان کی 95 فی صد سرزمین پر ان کا کنٹرول تھا، واصل امریکہ، پاکستان اور سعودی عرب کی وسیع فوجی اور لاجسٹک امداد کے بل بوتے پر ہوئی تھی۔ دُنیا بھر میں ڈیفنس محصولات پر نظر رکھنے والے ہفت روزہ ”جینرز ڈیفنس ویلیکی“ کے مطابق طالبان کو فراہم کردہ فوجی ساز و سامان کا نصف حصہ پاکستان مہیا کرتا تھا۔ پاکستان ایک ایسا ملک تھا جو واشنگٹن کی طرف سے گرین سگنل کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا۔

6- افغانستان میں طالبان کی بالفعل حکومت کا تمام تر انحصار پاکستان پر تھا اور اس نے دشمنی کے ایک بھی اقدام کا امریکی عوام کے خلاف ارتکاب نہیں کیا تھا۔ آئی ایس آئی کے واشنگٹن میں ان اہلکاروں اور ہائی جیکروں کے ساتھ روابط صاف عیاں ہیں، جن کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ نائن الیون کی منصوبہ بندی میں ان کا ہاتھ تھا۔ اس کے برعکس بٹش نے اپنے موقف کی

حمایت میں کوئی دلیل ایسی نہیں دی جس کی رو سے طالبان کو امریکہ پر حملہ کے لیے مورد الزام ٹھہرایا جاسکتا ہو۔

7۔ طالبان کو صرف القاعدہ کے ساتھ راہ و رسم کی وجہ سے گنہگار ٹھہرایا گیا۔ اگر تو نائن الیون سے پہلے القاعدہ نام کی کوئی شے موجود بھی تھی تو یہ امر بالکل غیر متنازعہ ہے کہ وہ کوئی منظم عسکری قوت تھی ہی نہیں۔ جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بہت سے تجزیہ کار نائن الیون سے پہلے القاعدہ نام کے کسی تنظیم کے وجود کو بھی ایک متنازعہ معاملہ سمجھتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ افغانستان میں دیگر مسلم ممالک کے لوگ موجود تھے لیکن ان کی اکثریت جابرانہ حکومتوں کے مظالم اور جنگ کی تباہ کاریوں کی وجہ سے ایسے ممالک سے فرار ہو کر آئی تھی۔

8۔ کروسیڈرز کے پاس جو بہت بڑی دلیل تھی وہ "Belum Justum" (انصاف کی جنگ) تھی جو وہ "بین الاقوامی دہشت گردی" کے خلاف لڑنے چلے تھے، اس غرض سے کہ دہشت گردوں کو غاروں سے نکال باہر کر کے افغانستان کی سر زمین پر ان کے مراکز کو ختم کر دیں۔

9۔ سلامتی کونسل نے افغانستان پر فوج کشی کی اجازت نہیں دی تھی۔ کونسل نے 2001ء کے موسم خزاں کے دوران دو قراردادیں منظور کیں۔ قرارداد 1368 جو 12 ستمبر کو اور قرارداد نمبر 1373 جو 28 ستمبر کو پاس کی گئی۔ ان میں سے کوئی قرارداد بھی ایسی نہ تھی جس سے یہ معنی لیے جاسکتے کہ افغانستان پر حملہ کی اجازت دی گئی ہے۔ دونوں قراردادوں میں نائن الیون واقعہ کی محض مذمت کی گئی تھی۔ قرارداد نمبر 1373 عالمی دہشت گردی کے خلاف قانونی، انتظامی اور عدالتی اقدامات کی نشاندہی کر رہی تھی۔

10۔ معاملہ کو حل کرنے کی خاطر ملا محمد عمر مجاہد نے امریکہ کو گفت و شنید کی پیش کش کر دی تھی، جس میں اور تو اور اسامہ بن لادن کو ملک سے نکال باہر کرنے کی بھی بات شامل کی گئی تھی۔⁽⁴⁸³⁾ ان حقائق کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو پھر اس بات کا کوئی قانونی جواز نہیں بنتا کہ افغانستان پر حملہ کو "Just war" (مبنی بر انصاف جنگ) یا "Self defense" (خود حفاظتی جنگ) اور یا "Preventive war" (مدافعتی جنگ) جیسے نام دے کر اس کی تائید کرائی جاسکے۔

اگر نائن الیون کے متعلق سرکاری کہانی کو واقعی مان لیا جائے، پھر بھی بین الاقوامی قانون

افغانستان پر حملہ اور قبضہ کی اجازت نہیں دیتا۔ شکاگو یونیورسٹی میں پولیٹیکل سائنس کے پروفیسر ایرس مارٹین یگ اور OECD، EU اور یو این او کی کئی ایجنسیوں کے مشیر پروفیسر ڈیٹل آر کی بوگی اپنے ایک مشترکہ مضمون میں رقم طراز ہیں: ”گلوبل رول آف لاء کی رو سے نائن لیون کا ایک متبادل رد عمل بھی ہو سکتا تھا اور اب بھی اس کا موقع موجود ہے۔“ وہ مشورہ دیتے ہیں کہ ”اس معاملے کو عوام اور عوام کے درمیان نہ کہ مملکت اور مملکت کے درمیان ایک معاملہ سمجھا جائے۔“ ان کے خیال میں ”نامزد ہائی جیکرز کسی ریاست کے نہیں بلکہ پرائیوٹ تنظیم کے ارکان ہیں، ایسی تنظیم جسے نائن لیون تک بیشتر دنیا جانتی ہی نہ تھی۔ نائن لیون کے مظلومین بھی غیر سرکاری لوگ تھے، جن کا کم از کم 70 ممالک سے تعلق تھا۔ یہ واقعات جرم کے زمرے میں آتے ہیں۔ ان کا تعلق جنگی افعال سے جوڑنا صحیح نہیں۔ لہذا رد عمل کے طور پر جرم کی حیثیت سے ان واقعات کی تحقیقات ہونی چاہئیں اور قانون کے مطابق مجرموں کو سزا دی جانی چاہیے۔ نیز اس قسم کے جرائم کی سدباب کے لیے قانونی اقدامات ہونے چاہئیں۔ اس وجہ سے ہم ان لوگوں کے ساتھ اتفاق نہیں کرتے، جن کا خیال ہے کہ ”just war“ کے تصور کا اطلاق اس معاملہ میں امریکہ کی طرف سے فوجی رد عمل پر بھی ہو سکتا ہے۔“ (484)

فرانس بوائیل اور متعدد دوسرے ماہرین قانون افغانستان پر امریکی حملے کو جنگی جارحیت سمجھتے ہیں، کیونکہ بین الاقوامی عدالت انصاف سے رجوع کرنے یا رائج الوقت معاہدوں کے مطابق اس معاملہ کا حل نکالنے کی بجائے بُش نے اقوام متحدہ کا رخ کیا، جہاں سے وہ ایسی قرارداد پاس کروانا چاہتا تھا جو اسے افغانستان اور القاعدہ کے خلاف فوجی طاقت کے استعمال کی اجازت دے، جس میں اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ فرانس بوائیل لکھتا ہے:

”یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس جنگ کی اجازت سلامتی کونسل نے نہیں دی۔ بُش جو نیز اسی زبان والی قرارداد کو پاس کروانا چاہتا تھا جو بُش سینئر نے 1990ء کے اواخر موسم خزاں میں کویت سے عراق کو نکالنے کے لیے اُس کے خلاف جنگ کی اجازت حاصل کرنے کے لیے پاس کروائی تھی۔ بُش جو نیز نے دو دفعہ ایسا کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ ہوا یوں کہ سلامتی کونسل کی پاس شدہ پہلی قرارداد میں 11 ستمبر کے واقعہ کو ”مسلم حملہ“ بایں معنی نہیں مانا گیا کہ یہ ایک مملکت کا دوسری مملکت کے خلاف مسلح اقدام ہو۔ اس کے برعکس اس واقعہ کو ”دہشت گرد حملے“ (نان ٹیٹ ایکسٹرنل کارروائی) قرار دیا گیا۔ اہم ترین نکتہ

یہ ہے کہ اس جنگ کی اقوام متحدہ نے کبھی توثیق نہیں کی۔ لہذا تکنیکی اعتبار سے بین الاقوامی قانون میں یہ ایک ناجائز جنگ ہے اور یہ امریکہ کا افغانستان کے خلاف ایک سفاکانہ اقدام اورنگی جارحیت ہے۔“ (486)

سلامتی کونسل کی پاس کردہ کوئی بھی قرارداد امریکہ کو افغانستان پر جارحیت کی اجازت نہیں دیتی۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی قرارداد میں لفظ ”افغانستان“ کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ مینڈل (Mandel) کا کہنا ہے ”ستمبر 2001ء کی قرارداد میں خود حفاظتی کے لیے بادی النظر میں ایک خواہش اور التجا تو موجود ہے اور اس خود حفاظتی کے لیے یہ قراردادیں امریکہ کو مختلف قسم کے اقدامات کی اجازت تو دیتی ہیں مگر اسے طاقت کے استعمال کی اجازت نہیں دیتیں۔“ افغانستان پر قبضہ کے حوالے سے ایک عمومی خاموشی ضرور پائی جاتی ہے، تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ جنگ اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی یہ مروجہ بین الاقوامی قوانین اور بین الاقوامی عدالت انصاف کے فیصلوں سے کوئی مطابقت رکھتی ہے، یہاں تک کہ امریکی کانگریس نے بھی کوئی اعلان جنگ نہیں کیا۔ بُش نے کوشش کی کہ اقوام متحدہ کی منظوری لے کر جنگ کا رسمی اعلان کرے، بالکل اسی طرح جیسے صدر روز ویلٹ نے پرل ہاربر واقعہ کے منحوس دن کے حوالے سے 8 دسمبر 1941ء کو کیا تھا۔ لیکن بُش اقوام متحدہ سے ایسی اجازت حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ جو کچھ بُش حاصل کر سکا، وہ صرف 14 ستمبر 2001ء کی ایک قرارداد تھی جو امریکہ کو مخصوص حالات میں اور محدود پیمانے پر فوجی طاقت کے استعمال کی اجازت دیتی تھی۔ بُش نے کافی تک و دو کی مگر وہ مخصوص حالات میں محدود فوجی قوت کے استعمال کے علاوہ اقوام متحدہ کی اجازت حاصل نہ کر سکا۔ یہ محدود اجازت بھی مشروط تھی۔ اسے توثیق کے لیے کانگریس کے سامنے پیش کرنا ضروری تھا۔ ایسے حالات میں فنڈز کے اجراء پر تمام اختیارات کانگریس کو حاصل ہوتے ہیں۔ لہذا آخر کار یہ کانگریس ہی کا فیصلہ ہوتا ہے نہ کہ انتظامی شاخ کا۔

اس کے بعد جنگ کی قرارداد کے حصول کے لیے بُش نے نیٹو سے رجوع کیا، اور اسے نیٹو کے جنگ کے متعلق آرٹیکل 5 کو درمیان میں لانے پر آمادہ کر لیا، (487) جسے صرف اس صورت میں استعمال کیا جاسکتا ہے جب ایک ریاست دوسری ریاست پر حملہ کا ارتکاب کرے۔ یہ آرٹیکل کبھی اور کسی بھی ”دہشت گردانہ حملے“ کے ضمن میں استعمال نہیں ہوا ہے۔ نیٹو

پیکٹ (NATO PACT) کی رو سے نظری طور پر کسی نیٹو ملک کے خلاف وارسا معاہدے کے کسی ممبر ملک یا سوویت یونین کے حملہ کی صورت میں کارروائی ہو سکتی تھی۔ وارسا پیکٹ کے خاتمے اور سوویت یونین کے سقوط کے بعد اب کوئی حقیقی جواز اور بہانہ باقی نہ رہا کہ نیٹو کو اسی طرح برقرار رکھا جائے۔ اس قرارداد کی رو سے نیٹو ممالک کو اکٹھے کارروائی کی اجازت تو مل گئی، تاہم ان حدود کے اندر جن کا تعین نارتھ اٹلانٹک کونسل (NAC) نے کر رکھا تھا۔ نیٹو کی قرارداد میں صاف لفظوں میں کہا گیا تھا کہ کوئی کارروائی اس وقت تک نہ ہو جب تک کونسل اس سلسلہ میں مزید کوئی فیصلہ نہ کرے۔ الفاظ یہ تھے: ”نیٹو کوئی اجتماعی کارروائی نہیں کرے گی جب تک کہ مزید صلاح مشورے نہ ہو جائیں اور اس سلسلہ میں نارتھ اٹلانٹک کونسل مزید کوئی فیصلہ نہ کرے۔“

15 اکتوبر 2001ء کو امریکہ کی درخواست پر نیٹو نے اجتماعی اور انفرادی طور پر آٹھ اقدامات اٹھانے کی منظوری دے دی، جس میں یہ بھی شامل تھا کہ امریکی پروازوں کے لیے ایک حفاظتی کور (blanket provision) کی سہولت کا اہتمام کیا جائے اور امریکہ کو نیٹو ممالک کی بندرگاہوں اور ہوائی اڈوں تک رسائی حاصل ہو۔ اس طرح نیٹو کے فیصلوں کے لیے وضع کردہ طریق کار سے ماوراء امریکہ کو کارروائی کرنے کی سہولت فراہم کی گئی۔ (488)

امریکہ نے بالکل ناجائز طور پر نیٹو کے اجتماعی طریق کار کو مسترد کرتے ہوئے اپنے ہی گروہ کے ”اتحادیوں“ کو چن کر افغانستان پر بمباری کرنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یہی نہیں بلکہ مستقبل میں بھی کسی ملک کے خلاف بمباری سمیت ہر قسم کی جنگی کارروائیوں کے لیے پورے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ وی پی گ (Winni peg) یونیورسٹی کے پریزیڈنٹ جولاؤڈ اگسوری نے جو سابق کنیڈین وزیر خارجہ بھی ہیں، بجا طور پر اس اتحاد کو ”Hub and Spoke“ کا اتحاد قرار دیا، جس میں تمام ہدایات مرکز کی طرف سے آرہی ہوں۔ بیرونی ممبروں کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو۔ (489)

نائن الیون کے حملوں میں افغانستان کے ملوث ہونے کے بارے میں کسی ثبوت کی عدم موجودگی کے باوجود افغانستان پر حملہ سراسر ناجائز تھا۔ تاہم ہٹلر اینڈ کمپنی کے پبلک بیانات کی رو سے اگر ایسا کوئی نتیجہ نکالنا ممکن بھی ہوتا کہ نائن الیون میں افغانستان کے نان سٹیٹ ایکٹرز ملوث ہیں، تب بھی افغانستان پر دہشت گردی کے خلاف جنگ کے بہانے ایک بھرپور، تباہ کن

حملے کا کوئی جواز نہیں بناتا تھا، جہاں بمباری سے ہزاروں لاکھوں جانیں تلف ہوئیں اور نتیجتاً کابل میں ایک پٹھو حکومت کے قیام کی راہ ہموار ہو گئی۔

بیسویں صدی میں قانون کے میدان میں جو کارہائے خیر سب سے زیادہ اہم اور نمایاں ہیں وہ دراصل وہ ضابطے اور تحدیدات ہیں جو معاہدوں اور رسی قوانین کے ذریعے ملکوں کے ان اختیارات پر لگائے گئے جن کی رو سے وہ بغیر کسی ضابطے اور قانون کے بڑے پیمانے پر بلا روک ٹوک جنگی اقدامات کرنے کے لیے آگے بڑھتے تھے۔ چنانچہ داخلی طور پر ملکی قانون کے حوالے سے بھی ہنر و دستوری طور پر اختیار نہیں رکھتا تھا کہ وہ اعلان جنگ کرے۔ امریکہ کے دستور کی رو سے کانگریس بھی اس کی مجاز نہیں تھی کہ وہ اپنا دستوری حق صدر کو تفویض کر دے، تاکہ وہ اعلان جنگ کرنے کا مجاز بن جائے۔ امریکی دستور کے آرٹیکل 1، سیکشن 8، شق 11 کی رو سے اعلان جنگ کا اختیار کانگریس کے پاس ہے۔ اس اختیار پر اسی آرٹیکل اور سیکشن کی شق 15 میں تحدیدات لگائی گئی ہیں، جن کی رو سے کانگریس ملیشیا کو صرف ان حالات میں بلا سکتی ہے جب یونین کے قوانین کو کسی قسم کی بغاوت کا سامنا ہو یا دشمن کی طرف سے حملوں کا جواب دینے کے لیے اقدام ضروری ہو گیا ہو۔ (490)

نائن الیون کا منصوبہ شدہ حملہ نہ تو بغاوت اور نہ ہی امریکہ پر حملہ کے زمرے میں آتا ہے۔ کانگریس کسی اختیار کو تفویض کرنے کی از روئے قانون مجاز نہیں تھی۔ بادی النظر میں افغانستان پر حملہ امریکی انتظامیہ کے زمانہ حال کے کروسیڈرز کا ایک ناجائز عمل اور طاقت کے بے جا استعمال کا شاخسانہ ہے۔

مزید یہ کہ افغانستان کی جنگ اقوام متحدہ کے چارٹر کے آرٹیکل 2 پیرا گراف 4 کی رو سے بھی کوئی جواز نہیں رکھتی تھی۔ یہ ایک ایسا میثاق ہے جس پر دستخط کر کے امریکہ اس کی توثیق کر چکا ہے۔ اس میثاق کی رو سے یہ تصریح کی گئی ہے کہ

”تمام ممبران اس کے پابند ہیں کہ وہ بین الاقوامی معاملات کے ضمن میں کسی مملکت کی علاقائی سالمیت یا سیاسی آزادی کے خلاف دھمکیوں اور طاقت کے استعمال سے گریز کریں گے یا دیگر کسی ایسے حربے سے باز رہیں گے جو اقوام متحدہ کے مقاصد سے ہم آہنگ نہ ہو۔“ (491)

ممبر ممالک کو اس پابندی سے استثناء کی صرف ایک صورت (آرٹیکل 51 کے تحت)

حاصل ہے کہ جب اپنی مدافعت کے لیے اقدام ناگزیر ہو جائے اور یہ اقدام بھی یو این او کے چارٹر کے قواعد کے مطابق ہونا چاہیے۔⁽⁴⁹²⁾ نائن الیون حملے دہشت گردانہ حملے تھے، جو نامعلوم افراد نے کئے تھے۔ یہ ریاست افغانستان کی کارروائی نہیں تھی کہ امریکہ کو افغانستان سے اپنی سلامتی کا اندیشہ لاحق ہوتا۔ پھر ایسے میں نیشن آرٹیکل 51 کو استعمال میں لانے کا ہرگز مجاز نہیں تھا۔

چاہیے تو یہ تھا کہ یہ معاملہ دہشت گردی سے متعلقہ کنونشنز کے مطابق طے کیا جاتا، جس کا امریکہ بحیثیت ایک دستخط کنندہ فریق ہے۔ یو این او چارٹر کا آرٹیکل 33 اس امر کی تاکید کرتا ہے کہ جنگ کی راہ اختیار کرنے سے پہلے ہر ملک کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ گفتگو، صلح جوئی، مصالحت، ثالثی اور عدالتی ذرائع کے ذریعے تصفیہ کرانے کی کوشش کرے۔⁽⁴⁹³⁾ اس لازمی عمل کو نہیں اپنایا گیا۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ طالبان حکومت کی طرف سے آنے والی تجاویز، مشورے اور درخواستیں کسی قسم کی توجہ دیئے بغیر رد کر دی گئیں۔ ایسی کوئی انکوائری نہیں کرائی گئی جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ نائن الیون آپریشن میں اندرون خانہ سے جو تائید و توثیق ملی وہ کس مقدار اور نوعیت کی تھی؟ پروفیسر فرانس بوائیل دوٹوک انداز میں کہتا ہے:

”جو کچھ اب افغانستان میں ہو رہا ہے اسے ہرگز خود مدافعتی کارروائی نہیں کہا جاسکتا۔ یہ تو انتقامی کارروائی ہے، بدلہ چکانے اور ظلم و زیادتی والی کارروائی۔ اسے کوئی بھی نام دیا جاسکتا ہے مگر اسے خود حفاظتی نہیں کہا جاسکتا، خواہ امریکی حکومت کتنے ہی شد و بد سے یہ بات کہے۔ امریکی حکومت جو کچھ افغانستان کے خلاف رد اکھے ہوئے ہے وہ صرف اور صرف ظلم اور زبردستی ہے، جو سراسر ناجائز ہے۔ اس کے لیے کسی کے پاس کوئی جواز نہیں۔“⁽⁴⁹⁴⁾

اکیسویں صدی کے یہ صلیبی خوب جانتے تھے کہ بہت سے ممالک کو کئی سالوں سے حقیقی دہشت گرد حملوں کا سامنا ہے لیکن انھوں نے اس کی وجہ سے دوسرے ملکوں پر حملوں کا ارتکاب نہیں کیا، اس کی بجائے انھوں نے گفت و شنید کی راہ اپنائی اور ان معاملات کو سنوارنے کی کوشش کی جن کی وجہ سے دوسرے لوگ برا بھینتے ہو چکے تھے۔ امریکی حکومت اپنی سول ایوی ایشن کے تحفظ کی خاطر نو کیو کنونشن یا 1971ء کے مانٹریال کنونشن کی شرائط سے رجوع کر کے ناجائز اقدامات کو دبا سکتی تھی۔ امریکہ دہشت گردی کے خلاف موجودہ کسی بھی کنونشن کی طرف

رجوع کر سکتا تھا اور رد عمل کے طور پر کسی بھی دوسرے مناسب اور متبادل کو اختیار کر سکتا تھا۔ پہلی دفعہ ایسا ہوا کہ ایک ایسا ملک جو خود کو بین الاقوامی قانون اور اخلاقیات کا بڑا پابند سمجھتا ہے، ایک بے یار و مددگار قوم کے خلاف ایک بہت ظالمانہ جنگ کا مرتکب ہوا۔ اقوام متحدہ کے چارٹر کے آرٹیکل 51 کی رو سے ”خود مدافعتی کا حق تب حاصل ہوتا ہے، جب سلامتی کونسل نے اقدامات لئے ہوں۔“ سلامتی کونسل نے اگرچہ فوری رد عمل دکھایا کہ اُس کی 12 ستمبر 2001ء والی قرارداد نمبر 1368 اور 28 ستمبر 2001ء والی قرارداد نمبر 1373 کی رو سے ممبر ممالک کو ہدایات کی گئی کہ وہ فوری طور پر مل بیٹھ کر متعلقہ بین الاقوامی اینٹی ٹیررسٹ کنونشن کی شرائط کو بروئے کار لا کر دہشت گردانہ حملوں کے لیے مالی ذرائع کو منجمد (Feeze) کروانے کا اہتمام کریں، تاہم اپنی 4385 ویں میٹنگ میں پاس کردہ 28 ستمبر 2001ء والی قرارداد نمبر 1373 (جس میں 12 ستمبر والی قرارداد کو بھی ضم کیا گیا) کی رو سے ممبر ممالک پر ذمہ داری ڈالتے ہوئے سلامتی کونسل نے زور دیا کہ صرف وہی اقدامات کئے جائیں جن کی قومی اور بین الاقوامی قانون اجازت دیتا ہو اور جو انسانی حقوق کے معیارات کے مطابق ہوں اور یہ کہ دہشت گردانہ حملوں کا پورا تدارک کیا جائے اور (صرف) ان جرائم کے مرتکبین کے خلاف اقدامات کئے جائیں۔ مذکورہ قراردادیں مسلح حملہ کی اجازت نہیں دیتیں۔ یہ 11 ستمبر والے حملوں کی مذمت کرنے کے ساتھ ساتھ ممبر ممالک پر زور دیتی ہیں کہ بین الاقوامی امن کو دہشت گردی سے لاحق خطرات کا ”چارٹر“ کے مطابق تدارک کیا جائے۔ ان قراردادوں میں کسی بھی جگہ یہ نہیں کہا گیا کہ کسی غیر مقابل (non combatant) کے خلاف طاقت کا استعمال کیا جائے یا طالبان کی حکومت کو اکھاڑ پھینکا جائے۔ سکیورٹی کونسل نے قرارداد پر عمل درآمد کو مانیٹر کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی اور تمام ممالک کو 90 دن کے اندر رپورٹ کرنے کی تاکید کر دی۔ ٹورانٹو میں اُسکو ڈھال لاء سکول کے پروفیسر مائیکل مانڈیل جو بین الاقوامی فوجداری قانون کے ماہر ہیں، کہتے ہیں:

”ان میں کسی بھی قرارداد کے متعلق دور دور تک یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کی رو سے فوجی طاقت کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ سرخط میں حق خود حفاظتی پر زور دیا گیا ہے لیکن ایسا صرف ”چارٹر“ کے اندر اندر ہو سکتا ہے۔ اس میں افغانستان کے خلاف فوجی اقدام کا نہ ذکر ہے اور نہ ہی ایسا کرنا خود حفاظتی کے زمرے میں آتا ہے۔ خود مدافعتی حق کے اختیار میں یہ شامل نہیں

کہ ایک حملہ جب ختم ہو چکا ہے، اس کے خلاف جوابی اقدام کیا جائے۔ بین الاقوامی قانون میں خود مدافعتی حق اسی طرح ہے جیسا کہ ہمارے اپنے قانون میں ہے۔ یہ قانون آپ کو اپنی مدافعت کی اجازت اس وقت دیتا ہے جب قانون موجود (عملداری کی پوزیشن میں) نہ ہو، لیکن یہ اجازت نہیں دیتا کہ آپ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیں۔“ (495)

کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ بُش انتظامیہ جنگ کو روکنے کی پورے طور پر کوشش کر رہی تھی جبکہ اس نے طالبان سے اُسامہ کی حوالگی کا مطالبہ کیا تھا۔ لیکن بُش کی اس کوشش میں سچائی اور اخلاص کا کوئی عنصر نہ تھا کیونکہ گفت و شنید کے لیے مناسب وقت نہیں دیا گیا۔ طالبان اپنی بے گناہی کے لیے التجائیں کر رہے تھے اور مسئلہ کے حل کے لیے تجاویز پیش کر رہے تھے جبکہ دوسری طرف امریکہ ہر بات کو مسترد کر کے ایک بھرپور جنگ کی دھمکیاں دینے پر اُتر آیا تھا۔ طالبان حکومت نے کافی حد تک رعایتیں دینے پر آمادگی ظاہر کی تھی لیکن ہر بات کو فوری طور پر مسترد کیا جاتا رہا۔ صرف 25 دن بعد 17 اکتوبر 2001ء کو پو پھٹنے سے پہلے پہلے امریکی اور برطانوی اتحادی فوجوں نے کابل اور 31 دوسرے شہروں اور قصبوں پر سلسلہ وار بمباری شروع کی۔ کسی دوسرے متبادل چارہ گری کو خاطر میں نہیں لایا گیا۔ اس سے اس حقیقت کی توثیق ہو جاتی ہے کہ جنگ کے لیے پہلے ہی سے منصوبہ بندی کر لی گئی تھی اور نائن الیون سے بہت پہلے اس کے لیے تمام ضروری لا جسٹک بہم پہنچائی گئی تھیں۔

منصوبہ بند حملوں کے صرف 9 دن بعد 20 ستمبر 2001ء کو کانگریس سے بُش کے خطاب سے بھی یہ بات پوری طرح سمجھ میں آتی ہے کہ اُسامہ کی حوالگی جیسے نمائشی مطالبات کے نتائج سے قطع نظر، وہ افغانستان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر ہی چکا تھا۔ بُش نے اعلان کیا کہ ”امریکہ القاعدہ کا ساٹھ ملکوں میں پیچھا کرے گا۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ اب شروع ہو چکی ہے اور افغانستان اس جنگ میں پہلا ہدف ہے۔“ بالفاظ دیگر یہ جنگ آخری جنگ نہیں ہوگی بلکہ افغانستان پر فوجی حملہ ان بے شمار جنگوں میں سے پہلی جنگ ہے جو مختلف اقوام کے خلاف آئندہ لڑی جائیں گی۔

افغان جنگ کے کسی بھی پہلو کا جائزہ لیتے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ امریکہ نے 1979ء میں افغان حکومت کی حمایت میں بیان دیتے ہوئے، افغانستان میں سوویت

افواج کی موجودگی کو ”زبردستی، اور بے جا فوجی مداخلت“ قرار دیا تھا۔ اسی معیار کے مطابق امریکہ کی شروع کردہ جنگ اور کابل میں ایک پٹھو حکومت قائم کرنے کے عمل کو نہ تو مبنی بر انصاف (یا جائز) جنگ قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اسے جمہوریت یا خود مدافعتی کی خاطر جنگ خیال کیا جاسکتا ہے۔ طالبان نے امریکہ سے کسی فوجی اعانت کی درخواست بھی نہیں کی تھی جس طرح کہ 1979ء میں افغان حکومت نے امریکہ کی خفیہ حمایت سے سوویت یونین کے خلاف لڑنے والے مختلف گروہوں کے خلاف مدد طلب کی تھی۔ امریکہ اور برطانیہ نے جن توجیہات کی بنیاد پر افغانستان کے خلاف فوج کشی کی وہ قانون کے کسی بھی پیمانے پر صحیح نہیں اُترتیں۔ یہاں تک کہ یو ایس ملٹری کورس میں بھی ججوں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ امریکہ کا افغانستان پر حملہ غیر قانونی ہے۔ تھا جس جیفرسن سکول آف لاء کی پروفیسر مریجوری کوہن جو نیشنل لائٹنگ کی منتخب صدر اور امریکن ایسوسی ایشن آف جیورسٹس کی ایگزیکٹو کمیٹی کی نمائندہ ہیں، لکھتی ہیں کہ میں پبلو (pablo) کے خلاف مقدمہ میں بطور گواہ پیش ہوئی تھی۔ پبلو نے amphibious assault ship (خشکی اور تری دونوں پر استعمال ہونے والا جنگی جہاز) کو بون ہوم رچرڈ پر لے جانے سے انکار کیا تھا۔ اس جہاز پر 3000 سیلرز اور میرین سوار تھے اور یہ سان دیگو سے 6 دسمبر 2004ء کو خلیج فارس کے لیے روانہ ہونے والا تھا۔ پبلو کا موقف تھا کہ ایک ناجائز جنگ کے لیے میرین پہنچانا، جہاں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ جنگی جرائم کا ارتکاب بھی کریں گے، اسے بھی شریک جرم بنادے گا۔ مریجوری کوہن مزید کہتی ہیں:

”نیوی پراسیکیوٹر لیفٹیننٹ جو تاتھن فری مین نے کراس ایگزامینیشن پر میری گواہی لی تھی کہ یوگوسلاویہ اور افغانستان میں امریکی جنگیں یو این او چارٹر کے خلاف تھیں، کیونکہ ان میں سے کوئی جنگ بھی اپنی مدافعت میں نہیں لڑی گئی اور نہ ہی انھیں سیکورٹی کونسل کی حمایت حاصل تھی۔ میری گواہی کے نتیجے میں جج نے کہا: میرے خیال میں حکومت نے یہ بات کامیابی سے ثابت کر دکھائی ہے کہ کسی بھی سول ملازم کے پاس یہ یقین کرنے کے لیے معقول دلیل موجود ہے کہ یوگو سلاویہ، افغانستان اور عراق میں لڑی گئی جنگیں ناجائز تھیں۔“ (496)

دہشت گردوں کے خلاف جنگ ایک جائز جنگ متصور نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ نہ تو ایک خود مختار مملکت کی حیثیت رکھتے ہیں اور نہ وہ کسی حقیقی باغیانہ شخص کی نمائندگی کرتے ہیں جن کے

خلاف سول وار کا کچھ نہ کچھ جواز بنتا ہے۔ قدامت پسند برطانوی سیاست دان وے لینڈ کینٹ نے افغانستان پر حملہ کے متعلق کہا ہے کہ ”بین الاقوامی قانون کی رو سے یہ ایک بالکل ناجائز جنگ ہے۔“ (497)

یہ جواز منہ قدیم میں بحری قزاقوں کے خلاف لڑی گئی جنگوں کو بطور تمثیل پیش کیا جاتا ہے، اس سے افغان جنگ کا جواز مہیا نہیں کیا جاسکتا۔ ازمنہ قدیم میں بحری ڈاکوؤں کو بحرموں کے زمرے میں شمار کیا جاتا تھا اور ان کے خلاف جنگی کارروائی پولیس کارروائی سمجھی جاتی تھی۔ کم از کم جواز والی جنگ کی یہی حیثیت تھی۔ اور چونکہ بحری ڈاکو ”سمندری“ ہوتے تھے، لہذا ان کو جداگانہ انٹرنیٹل سٹیٹ عناصر کی حیثیت حاصل تھی، جبکہ نائن الیون حملوں کے نامزد ملزمان معاشرہ کے درمیان رہتے تھے جیسے کہ دوسرے جرائم پیشہ رہ رہے ہیں۔ ان کو فوجی ذرائع سے گھیر لینا مشکل تھا۔ اسی لیے درجینیا یونیورسٹی میں فیلو سوفیکل تھیالوجی کے پروفیسر جان مل بینک فرانس گال دلیل دیتے ہیں کہ

”اگر تو یہ دہشت گردوں کے خلاف جنگ تھی تو یہ جائز اس لئے نہیں ہو سکتی کہ دیوانگی جیسی صورت حال کی وجہ سے جنگی کارروائی غیر متناسب ہوگی۔ القاعدہ کے خلاف مقدمہ ہیک میں بین الاقوامی عدالت انصاف کے سامنے لانا چاہیے تھا، جو بہت مؤثر کارروائیوں کے ذریعے دہشت گردی کے اثرات کو کم کر سکتی تھی۔ بہر حال حملہ مرتکبین جرم پر نہیں بلکہ ایک ایسے خود مختار ملک پر کیا گیا جو مزعومہ مجرموں کو حوالہ کرنے پر تیار ہو گیا تھا اور جس کے ساتھ برطانوی دفتر خارجہ نے معاملہ طے کرنے کی سفارش بھی کی تھی (وہ جو سازش کے مرتکبین سمجھے جاتے ہیں ہزاروں لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتارنے اور مستقبل کے لیے بے انتہا مصائب کی ختم ریزی اور دہشت گردانہ تجارت کو جنم دینے کے عمل کے بعد بھی مفروز ہیں اور قابو نہیں کئے جاسکے)۔ جیسے کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں امریکہ اور برطانیہ کا طالبان پر بے انصافی کا الزام لگانا مضحکہ خیز ہے۔ ان طالبان کو جنم دینے میں خود امریکہ اور برطانیہ ہی نے مدد دی تھی۔ وہ اسلام کی آڑ میں ہونے والے سعودی ”مظالم“ سے توجہ پٹھانوں کو پٹھانوں کے ”مظالم“ کا ان کو بڑا دکھ ہو رہا ہے۔ وہ خود زینی جنگ میں اپنی ناکامی کو چھپانے کے لیے

طالبان کو شمالی اتحاد کے ذریعے ہٹانے پر تیار ہوئے حالانکہ شمالی اتحاد والے بھی

اتنے ہی ”زہریلے“ ہیں جیسے کہ طالبان ہیں۔“ (498)

یہ بات یقینی ہے کہ 21 ویں صدی کے نیکی سے خالی صلیبی ان تجزیہ کاروں کی باتوں سے خوب واقف ہیں۔ انھوں نے ریاست افغانستان بالخصوص دہشت گردوں کے خلاف جنگ کو خود اسٹیج کردہ نائن الیون کے واقعے کے خلاف بطور رد عمل دکھانا شروع کیا ہے۔ دراصل اس طرح وہ اپنے ان خفیہ آپریشنز اور مقاصد کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کے لبادے میں چھپانا چاہتے ہیں جن کا تفصیلی بیان اس کتاب کے باب 1 تا 3 میں موجود ہے۔ اس بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امریکہ کی افغان جنگ دہشت گردی کے خلاف مذہبی جذبہ کے تحت شروع کردہ جنگ ہے، جس کی کوئی قانونی بنیاد نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی تجزیہ نگار ایک الجھن سے دو چار ہیں۔ ان کی رائے میں ”دہشت گردی کے خلاف جنگ“ کے کوئی معنی نہیں۔ روڈران ویلیمر کہتے ہیں:

”چونکہ دہشت گردی اب ایک مستقل ممکنہ رویہ کی شکل اختیار کر گئی ہے، لہذا اس کے

خلاف جنگ کا کوئی تصور اتنا ہی لغو اور بے معنی ہے، جس طرح کہ منشیات کے خلاف جنگ

بے معنی ہے۔“ (499)

دوسری طرف مسلمان اب مزید شک و شبہ میں نہیں رہے۔ ملائیشیا میں سلطنت ترینگو نو کے وزیر اعظم نے ”بلا حدود“ نائی ٹی وی شو میں 31 اکتوبر 2001 کو کہا کہ ”یہ جنگ غیر قانونی ہے، کیونکہ امریکی انتظامیہ نے نائن الیون واقعے میں افغانستان کے ملوث ہونے کا کوئی بھی ثبوت یا شہادت پیش نہیں کی۔ امریکہ کی فوجی ہم جوئی کے پیچھے اس کے خفیہ مذہبی عزائم کا کار فرما ہیں۔“ (500)

یہ بات واضح ہے کہ کوئی بھی معقول قانونی ادارہ امریکی کارروائی کو ایک متوازن کارروائی نہیں سمجھے گا، کیونکہ اس نے ایک ناجائز جنگ شروع کر رکھی ہے، جس کے نتیجے میں بہت بڑا نقصان ہو چکا ہے۔ (501) اس جنگ کی غیر قانونی حیثیت کو بیان کرتے ہوئے پروفیسر مائیکل مائڈیل کہتا ہے:

”چونکہ امریکہ اور برطانیہ نے یہ جنگ سکیورٹی کونسل کی واضح اجازت کے بغیر شروع

کی ہے لہذا جو لوگ بھی اس جنگ میں لقمہ اجل بنتے ہیں، ان کی موت کو انسانیت کے

خلاف جرم گردانا جائے گا، بالکل اسی طرح جس طرح نائن الیون حملوں میں لوگ انسانیت کے خلاف جرم کا شکار ہو گئے۔ اب یہ بات ہر کسی پر واضح ہونی چاہیے کہ افغانستان پر فوجی حملہ کا دہشت گردی کے اسناد سے کوئی تعلق نہیں۔“ (502)

دہشت گردی کے خلاف بارہ کثیرالاطراف معاہدوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لاء سوسائٹی آف برٹش کولمبیا کے ایک ممبر اور لائٹس رائٹس واچ کینیڈا کے بانی گیل ڈیوڈسن نے نتیجہ اخذ کرتے ہیں: ”ان کنونشنز کی رو سے 11 ستمبر کے حملے غیر قانونی ہیں۔ اسی طرح افغانستان کے خلاف جنگ بھی غیر قانونی ہے۔ افغانستان پر بمباری اور اس کے نتیجے میں اموات، زخم لگ جانا، بھوک اور افغانوں کی بے خانمائی اور املاک کی تباہی (جس میں ضروری ذرائع، بنیادی ڈھانچہ، انفراسٹرکچر بھی شامل ہیں) یہ سب غیر قانونی ہے اور اسی طرح طالبان حکومت کے خاتمے کے لیے طاقت کا استعمال بھی غیر قانونی ہے۔۔۔ یہ دلیل جو افغانستان (اور ممکنہ طور پر دیگر ممالک) پر حملوں کے جواز میں دی جاتی ہے کہ ایسا کوئی قانون نہیں یا قانون کو رو بہ عمل لانے کا طریقہ کار موجود نہیں جس کے ذریعے نائن الیون حملوں کا ایک قانونی رد عمل ظہور پذیر ہوتا ہے ہرگز صحیح نہیں۔ یہ رویہ بین الاقوامی قانون اور اس کی اصل پالیسیوں کے بالکل خلاف ہے۔“ (503)

مندرجہ بالا بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ افغانستان پر مسلط کردہ جنگ عراق کی جنگ سے بھی زیادہ ناجائز جنگ تھی۔ تھوڑا سا فرق یہ ہے کہ بُش اور بلیئر کے وہ پختہ عزائم جو عراق پر ظالمانہ جنگ مسلط کرنے کے حوالے سے تھے، میڈیا کے سامنے آچکے ہیں اور اب دُنیا جانتی ہے کہ جنگ آلودہ ذہن کس طرح جنگ کی منصوبہ بندی کر رہے تھے یہاں تک کہ وہ U2 جاسوس طیاروں کو جیٹ فائٹرز کے زیر حفاظت عراق پر اڑاتے رہے اور ان فائٹرز کو اقوام متحدہ کا رنگ لگایا گیا تھا۔ بُش نے بلیئر کو بتایا کہ اگر صدام حسین ان فائٹرز پر فائر کر دیتا ہے تو وہ یو این اور یزولوشن کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار پائے گا۔ یہ انکشاف یونیورسٹی کالج لندن میں انٹرنیشنل لا کے پروفیسر فلپ سینڈز نے اپنی تصنیف "Lawless world" کے نئے ایڈیشن میں کیا ہے۔ جو مکتوب پروفیسر سینڈز نے دیکھا ہے، اس میں انکشاف ہوا ہے کہ بُش نے یہ بھی اُمید باندھی تھی کہ عراق سے ایک منحرف کو نکالا جائے گا اور وہ صدام کے تباہ کن ہتھیاروں (WMD) کے متعلق پبلک میں اظہار خیال کرے گا۔ یہ ہیں وہ اذہان جو نائن الیون سازش کے پس پردہ کارفرما ہیں۔ اس مینٹگ میں صدر بُش کی نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر کوئڈ الیزرائس

اور اس کے ڈپٹی ڈان فرائیڈ اور صدر کے چیف آف سٹاف انڈر یوکارڈ بھی موجود تھے۔ بُش نے مسٹر بلیئر کو یہ بھی اشارہ کیا تھا کہ ایک امکان یہ بھی ہے کہ صدام کو قتل کر دیا جائے۔

بُش اور اس کے ساتھیوں کی عراق پر جنگ مسلط کرنے کے لیے جھوٹے بہانوں پر مبنی منصوبہ بندی سے ان کی ذہنی کیفیت (mindset) خوب واضح ہو جاتی ہے جو اپنے معلوم دشمن کو بہر حال تباہ کرنا چاہتے ہیں، خواہ اس کے لیے انھیں اپنے ہی لوگوں اور ذرائع کو قربان کرنا پڑے۔ اقوام متحدہ ان کے ہاتھوں میں آلہ کار ہے جو ان کی ظالمانہ جنگ کو جائز قرار دیتی ہے۔ پروفیسر سینڈز کے مطابق بلیئر نے امریکی صدر کو بتایا کہ ایک دوسری یو این او کی قرارداد کی حیثیت ”انٹرنس پالیسی“ کی ہوگی جو ہمیں (ہماری کارستانی کے لیے) بین الاقوامی ڈھال مہیا کرے گی۔ ”جس میں عربوں کی بھی شمولیت ہوگی۔“ یہ انکشاف کہ بلیئر اور بُش نے مل کر ایک ایسی سازش تیار کر لی جس میں صدام کو زیرِ دام لا کر یو این او قرارداد کی عدم موجودگی کے باوجود عراق پر جارحانہ حملہ کیا جائے، اس معاملہ سے پوری مطابقت رکھتا ہے جو افغانستان میں وقوع پذیر ہوا۔ یہاں پر امریکی حکومت کو پورا یقین تھا کہ جارحانہ حملہ کے لیے اس کے پاس کوئی بہانہ نہیں سوائے نائن الیون قسم کے آپریشن کے۔ یہ ہے اصل حقیقت افغانستان اور عراق جنگوں کی۔ اس سب کچھ کے باوجود ابتدا ہی سے مکمل مذہبی جذبہ کے تحت غیر قانونی اور ناجائز عملیات کا ایک سلسلہ ہے جو بلاروک ٹوک جاری ہے۔

حد درجہ عدم برداشت: مذہب دشمنی کا شاخسانہ

جو کچھ ہم 7 اکتوبر 2001ء کے بعد افغانستان میں ہوتے دیکھتے آرہے ہیں، وہ محض طالبان کے خلاف جرائم نہیں بلکہ انسانیت کے خلاف جرم ہیں۔ طالبان کی معنی ہیں، وہ لوگ جو (علم) طلب کرتے ہیں۔ اصطلاحاً وہ لوگ جو دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں، طالبان کہلاتے ہیں۔ لفظ 'طالبان' پشتو زبان میں طالب کی 'جمع' ہے۔ ہر افغان جس نے 1996ء کے بعد افغانستان میں قائم حکومت کی تائید کی وہ طالب تو نہیں بن گیا تھا۔ اسی طرح وہ تمام لوگ جو 7 اکتوبر 2001ء کے بعد کابل میں امریکہ کی قائم کردہ پٹھو حکومت کی مخالفت کرتے ہیں طالبان نہیں ہیں۔ لہذا افغانستان میں امریکہ کے جرائم ایک قوم اور انسانیت کے خلاف جرائم ہیں نہ کہ اکیلے طالبان کے خلاف جرائم۔ ان جرائم نے دور جدید کے صلیبیوں کے عدم تحمل کو بے نقاب کر کے رکھ دیا ہے۔ ان صلیبیوں نے اپنے اوپر یہ فرض کر لیا ہے کہ وہ ان مسلمانوں کو سبق سکھائیں گے جو دوسرے مسلمانوں کے لیے اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے حالات کو سازگار بنانے کے لیے مصروف عمل ہیں۔

طالبان کے خلاف لگائے گئے نام نہاد جرائم کے الزامات کی آڑ میں دور جدید کے صلیبیوں نے افغانستان پر حملہ کر کے انسانیت کے خلاف بدترین جارحیت کا ارتکاب کیا۔ اس جنگ اور اس میں ہونے والے جنگی جرائم کے لیے اصل قوت محرکہ مذہبی جذبہ ہے۔ غیر معمولی اخلاقی جواز کی عدم موجودگی میں یہ ہرگز درست نہیں کہ جارحیت کی جنگیں شروع کی جائیں یا قتل و قتل اور انسانوں کو منظم طور پر اذیت دی جائے۔ کرسٹوفر کوکراپنی کتاب "Waging War Without Warriors" میں اس عجیب و غریب سازش کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اہل مغرب نے اپنی نوآبادیات کے باشندوں سے جانوروں جیسا سلوک کر کے

اور انسانوں کے حق انسانیت سے انکار کے بعد اپنے کو انسان (Human) بنایا۔ اس طرح لفظ انسان (Human) اپنے اصل آفاقی معنی سے خالی ہو کے رہ گیا۔ یہ بات خصوصی طور پر اسلام کے خلاف وسیع مہم کے بعد حقیقی بن کر سامنے آئی۔ چنانچہ وہ مسلمان جو مغربی ورلڈ آرڈر کی راہ میں روحانی یا مادی طور پر مزاحم سمجھے جاتے ہیں، اب مغربی زبان میں انسانی فریق ہی نہیں۔ جس بھی مسلمان پر ”اسلامسٹ“ کا لیبل لگایا جاتا ہے، وہ فوری طور پر انسانی مقام کھو بیٹھتا ہے اور ایک بدکار وحشی بن جاتا ہے۔ اگر ان ”وحشیوں“ پر حملہ کیا جائے تو انھیں اپنے بچاؤ کا بھی حق نہیں۔ جنگجوؤں کے کوئی حقوق ان کو حاصل نہیں۔ وہ کسی انسانی قدر اور وجود کے حامل نہیں سمجھے جاتے۔ اسلام مخالف میڈیا کے زوردار اور طوفانی پروپیگنڈے کی بنا پر مغربی فوجیں اب اپنے دشمن کو نہیں پہنچانتیں۔ ”اسلامسٹ“ ہی دہشت گرد اور دشمن ہے۔ انقلابیوں اور آزادی و حریت کی جنگ لڑنے والوں کے برعکس مغربی دانشورانہ زبان میں ان ”دہشت گردوں“ کے لیے کوئی جگہ نہیں۔⁽⁵⁰⁴⁾

نائن الیون نے جنگوں کی حقیقت بدل کر رکھ دی۔ اب یہ عام جنگ نہیں رہی۔ جنگوں کو برپا کرنے والے جنگ بازوں نے مذہب کا عنصر جنگ میں شامل کر کے جنگ اور جرم کی تفریق ہی منادی۔ جنگ و جدل کی تاریخ ایک ایسی تاریخ ہے جس میں انسان نے ہمیشہ ان طور طریقوں کو آزمایا ہے کہ وہ کس طرح اس جبلی رکاوٹ پر قابو پائے جو انسان کے لیے اپنے ابنائے نوع کے قتل کی راہ میں مزاحم ہو جاتی ہے۔ اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے سب سے مؤثر چیز مذہبی جذبہ ہے (یعنی مذہب کو درمیان میں لا کر اس کے ذریعے قتل و قاتل کو کھلی چھٹی دی جاتی ہے۔ جیسا کہ بُش بلیر نے کیا۔)

یہ بات مشہور ہے کہ کسی کو مار ڈالنا آسان ہو جاتا ہے جب معلوم ہو جائے کہ وہ تم سے کھلے طور پر مختلف ہے اور اس کا رویہ بھی مختلف ہے۔ بُش اور بلیر کی حکومتوں کے قول ”وہ ہماری طرز زندگی سے نفرت کرتے ہیں“ کی تکرار نے اینٹی اسلامک ذہنیت (mindset) کو، جو کئی سالوں کے مسلسل پروپیگنڈے کے زیر اثر بن چکی تھی، بڑھا دیا۔ ڈیوڈ گراس کے مطابق اس قسم کی زبان (مذہبی جذبہ کو متحرک کرنے والے) ان نفسیاتی طور طریقوں کو پورا مہمیز دیتی ہے جو کسی دشمن کے خلاف بے رحمانہ اقدامات روار کھنے کے لیے اختیار کئے جاتے ہیں۔ ان میں ذیل کی چیزیں شامل ہیں

1: تہذیبی فاصلہ: نسلی اور علاقائی دوری کی طرح تہذیبی فاصلہ بھی قاتل کو فریق مخالف کے حق میں سنگدل بنا دیتا ہے۔

2: اخلاقی فاصلہ: اگر دو متصادم فریقوں میں اخلاقی بنیادوں پر بعد ہو تو یہ چیز بہت سے مواقع پر جنگوں میں انتقامی کارروائیوں کا سبب بنتی ہے۔

3: معاشرتی فاصلہ: کسی طبقاتی ماحول میں طرز زندگی میں واضح اختلاف کی وجہ سے معاشرہ میں ایک مخصوص طبقہ کو انسانوں سے کم درجہ کی مخلوق سمجھا جاتا ہے۔

4: مکینیکل فاصلہ: جب دشمن خفیہ جگہوں سے گولی چلاتا ہو، حرارت کے استعمال یا دوسرے میکانیکی طریقے استعمال کر کے اپنے دشمن پر وار کرتا ہو تو وہ ان حالات میں اپنے شکار کے لیے ہر قسم کا انسانی رحم والا رویہ پس پشت ڈال دیتا ہے۔⁽⁵⁰⁵⁾

دوری یا فاصلہ ایک ایسا ذریعہ اور آلہ ہے جو اس قدر قوی رکاوٹ کو توڑ ڈالتا ہے جو ایک انسان کی راہ میں حائل ہے اور اسے دوسرے انسان کے قتل سے منع کرتی ہے۔ مذہبی تحریکی جذبے نے امریکی سپاہیوں کو یہ آلہ مہیا کر دیا۔ اپنے شکار کو ایک ”برائی“ سمجھنے کے علاوہ امریکی افواج اپنے دشمنوں کی صرف گنتی کرتی ہیں، کیونکہ ان کو ریموٹ کنٹرول ذرائع سے مارا جاتا ہے۔ (انھیں اس سے سروکار نہیں کہ ان کو کیسے مارا گیا، وہ جلا دیئے گئے یا اُن کے چھتھرے اڑا دیئے گئے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے یا جل کر راکھ ہو گئے۔)

حقیقت یہ ہے کہ مذہبی وجوہات پر بھڑکائی ہوئی جنگ میں ہدف (برسر پیکار مخالف فریق) کے حوالہ سے یہ جاننا ایک بہت ہی پیچیدہ مسئلہ بن جاتا ہے کہ جنگی کارروائیاں حربی اصولوں اور قوانین کے مطابق ہو رہی ہیں یا نہیں۔ صحیح معاملہ تب ہوگا جب کارروائی میں شامل عام فوجیوں کو شدت سے یہ احساس ہو کہ وہ خود ان غلطیوں سے بچیں اور ان کو یہ شعور حاصل ہو کہ کہیں اس دنیا، میدان جنگ اور اس ماحول کو کسی دیوانگی اور غیر معقولیت کی آماجگاہ تو نہیں بنا دیا گیا ہے؟ اور جن لوگوں کے خلاف کارروائی ہو رہی ہے ان کو جانور اور کیڑے مکوڑے تو خیال نہیں کیا گیا ہے۔ اور یہ کہ ان کے فوجی لیڈروں اور سربراہوں نے جو کچھ بتایا ہے وہ ایسا تو نہیں کہ وہ مبنی بر عدل و انصاف نہ ہو۔ بُش، ہوائے کن اور دوسرے فوجی لیڈروں کی زبانی لفظ ”برائی“ کے بتکار اور مسلسل استعمال نے امریکی فوجیوں کی ذہنیت (mindset) کو بدل کر اتنا پختہ کر دیا کہ وہ اب ہر چیز کو برائی (evil) خیال کرتے ہیں۔

بروک وارنر نے اپنی تازہ ترین تصنیف "Abu Ghraib: The politics of Torture" (ابو غریب: تعذیب و تشدد کی سیاست) میں تفصیل کے ساتھ اس جنگی جذبہ کی توضیح کی ہے، جس نے امریکی فوجیوں کو افغانستان اور عراق کی جنگوں کے دوران انسانیت کے خلاف بدترین جرائم کے ارتکاب پر آمادہ کیا۔ وہ لکھتا ہے:

”جنگ کی بات ایک طرف رکھتے ہوئے بھی جذباتی بُعد (جذباتی عدم وابستگی) ایک ایسی کیفیت ہے جس کی بنا پر آدمی یہ بات پسند کرتا ہے کہ وہ دوسروں کے مصائب (جن کو دیکھ کر انسان خود تکلیف اور درد محسوس کرتا ہے) سے آنکھ چرائے رکھے۔ جذباتی عدم وابستگی کی وجہ سے لوگ کسی بھی دوسری تہذیب کے رسم و رواج کو یہ کہہ کر مسترد کر دیتے ہیں کہ خود ان کے طور طریقے زیادہ بہتر ہیں۔ کسی ضمیری خلش کے بغیر وہ اس دعوئی پر رسوخ سے قائم ہوتے ہیں کہ صرف ان کا مذہب ہی واحد سچا مذہب ہے اور یہ کہ جو لوگ اسے نہیں مانتے وہ دوزخ کا نوالہ بننے والے ہیں۔ اگرچہ امریکیوں میں جذباتی بُعد کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے گہری ہمدردی (دوسروں کے احساسات کو خوب سمجھ کر ہمدردی کرتا) کی صفت نمایاں صفتوں میں سے ایک ہے، تاہم ان کی فوجی ٹریننگ اس نوعیت کی ہے کہ وہ اس مثبت صفت کو دبا کر ختم کر دیتی ہے۔ ریزرو بریگیڈیئر جنرل جنینس کارپنٹسکی جو تمام 16 قید خانوں کا انچارج تھا، عراق میں تقیث کار کی اور جیل خانوں کے سربراہ میجر جنرل جیوفرے لیر کے حوالے سے کہتا ہے کہ یہ عراقی کتوں جیسے ہیں اور اگر کسی بات میں تم ان پر اعتماد کرو تو وہ کتے سے بھی زیادہ (ذلیل) بن جاتے ہیں اور پھر تمہارا ان پر کنٹرول باقی نہیں رہتا۔“ (506)

اس بیان سے اس حقیقت کی تصریح ہو جاتی ہے کہ امریکی سپاہیوں کا عراق میں رویہ کیا ہے، جبکہ عراق کا نائن الیون کے ساتھ کوئی تعلق ہے ہی نہیں۔ افغانستان میں موجود امریکی سپاہیوں کے جذبہ انتقام کا آپ اندازہ کیجئے جن کی سالوں پر محیط طالبان مخالف پروپیگنڈے اور اس دروغ گوئی کے ذریعے کہ طالبان حکومت نے نائن الیون حملوں میں مدد دی ہے، قلبِ مہیئت کی گئی ہے۔ یہ بات اب حیران کن نہیں رہی کہ امریکی افواج radioactive depleted یورینیم اور دوسرے تباہ کن ہتھیاروں کا استعمال کر کے پورے ملک کو ایک بڑے جیل خانہ میں تبدیل کرنے میں مصروف ہیں (507) اور دور جدید کے عقوبت خانوں میں تاریخ

کے اس جدید دور میں پہلی دفعہ سینکڑوں افغان بچوں پر تشدد اور تعذیب کا ارتکاب کیا جا رہا ہے۔ (508) ایک ننگی جارحیت ہے، جسے مذہبی جذبہ سے تحریک پانے والے سپاہی سرانجام دے رہے ہیں۔ یہ کسی بھی درجے میں متناسب اور مبنی برانصاف رد عمل نہیں۔

نیویارک ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق ابوغریب اور بگرام کے امریکی مراکز میں قید کئے گئے نوخیز بچوں کے ساتھ وہی ظالمانہ سلوک کیا جاتا ہے جو بالغ افراد کے ساتھ روا رکھا گیا ہے۔ گویا ان کا نائن الیون سے کوئی تعلق رہا ہو۔ بین الاقوامی ہلال احمر، ایمسنٹی انٹرنیشنل اور خود پنٹاگون نے بچوں پر تشدد کے متعلق ٹھوس شہادتیں جمع کی ہیں، جن کی ان سپاہیوں نے بھی تصدیق کی ہے جو ان واقعات کے چشم دید گواہ ہیں، یا خود اس ظلم میں شامل رہے۔ (509)

حراست میں لئے ہوئے ان نوخیز بچوں میں سے بعض تو آٹھ سال کی عمر کے تھے۔ بین الاقوامی قانون کی رو سے طالبان سے منسوب کردہ جرائم تو اس قدر نہیں تھے، جس طرح کہ ایک لامتناہی قبضہ کے تحت افغان قوم کے ساتھ انسانیت سوز سلوک روا رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ امریکہ، اسرائیل، انڈیا اور سابقہ سوویت یونین یا موجودہ روس کی حکومتیں طالبان سے منسوب جرائم کے معاملے میں طالبان سے کہیں آگے ہیں۔ تاہم کسی نے بھی معاملات کو درست کرنے کے لیے ان مملکتوں کے خلاف جارحانہ کارروائی اور ان پر قبضہ جمانے کا کبھی نہیں سوچا۔ افغانستان کے خلاف امریکی افواج کی دروغ گوئی اور دھوکا دہی کی بنیاد پر شروع کی ہوئی جارحیت نریم برگ (Nuremberg) مقدمات کی یاد دلاتی ہیں۔ نریم برگ ٹریبونل کے دوران تین بڑے چالان پیش کئے گئے تھے۔ ان میں سے ایک امن کے خلاف جرم (یعنی جارحانہ جنگ شروع کرنا) ہے۔ جنگی جارحیت مسلط کرنے پر نریم برگ نے جو گرفت کی ہے اس کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو لگتا ہے کہ ان نہایت سنگین قسم کے جرائم کا ارتکاب تو امریکہ نے 21 ویں صدی کے طلوع ہوتے ہی روا رکھا ہے۔ (510)

یہ جاننا بہت اہم ہے کہ جنگی جرائم کو دو مختلف اقسام میں رکھا جاتا ہے۔ (1) وہ جرائم جو میدان جنگ میں روا رکھے گئے ہوں، وہ رویے سے متعلق ہوتے ہیں اور (2) وہ جرائم جو جارحانہ جنگ مسلط کرنے کے حوالے سے ہوتے ہیں۔ نریم برگ کا فیصلہ (judgment) جو دوسری قسم (یعنی waging war of aggression) کے متعلق آیا، اس میں درج ذیل بیان شامل تھا:

”استغاثہ میں مدعا علیہم کے خلاف سنگین الزامات یہ تھے کہ انھوں نے جارحانہ جنگ کی سازش تیار کی اور پھر یہ جنگ شروع کی۔ جنگ بہر حال ایک بُری چیز ہے۔ اس کے عواقب صرف باہم برسرِ پیکار مملکتوں تک محدود نہیں ہوتے بلکہ یہ تمام دنیا پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ لہذا جارحانہ جنگ شروع کرنا نہ صرف یہ کہ جرم ہے بلکہ بدترین بین الاقوامی جرم ہے جو دوسرے جنگی جرائم کے لحاظ سے مختلف ہے کہ یہ اپنے اندر ساری خرابیاں لیے ہوئے ہوتا ہے۔“ (511)

21 ویں صدی کے صلیبیوں کا دعویٰ ہے کہ 17 اکتوبر 2001 کا حملہ ایک ”جینی بر انصاف“ جنگ ہے۔ وہ اسے اپنی مدافعت کی جنگ (bellum jestum) قرار دیتے ہیں، جو ان دہشت گردانہ حملوں کے ردِ عمل کے طور پر شروع کی گئی ہے جن کا ماسٹر مائنڈ القاعدہ سے تعلق رکھنے والا اسامہ ہے۔ طالبان کو اسامہ کو جگہ دینے اور ”دہشت گردی“ کے کیمپوں کو اپنے علاقے میں قیام کی اجازت دینے پر مجرم گردانا گیا۔ وہ کمپ جہاں سے امریکہ کے خلاف تخریبی سرگرمیاں کی جارہی ہیں۔

دنیا جو امریکی جارحیت اور اس کے نتیجے میں انسانیت کے خلاف جرائم پر خاموش ہے، جانتی ہے کہ امریکہ یہ بات ثابت نہیں کر سکا کہ نائن الیون کا واقعہ اسامہ اور طالبان کا فعل تھا۔ امریکہ کے اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل کے چیئرمین کے نام 17 اکتوبر 2001ء کے خط، برطانیہ کو 4 اکتوبر 2001ء کو ایک اور خط اور 13 دسمبر کی جاری کردہ ویڈیو ٹیپ سے اس جارحانہ جنگ اور اس کے بعد انسانیت کے خلاف مظالم کو جواز فراہم نہیں کیا جاسکتا۔

جیسا کہ باب پنجم میں بیان کیا گیا ہے، ایک فرد کی جعلی ویڈیو ٹیپ (جو نہایت سرعت کے ساتھ امریکی انتظامیہ کے ہاتھ لگی) طالبان اور پوری افغان قوم تو درکنار، اسامہ کے بھی نائن الیون حملوں میں ملوث ہونے کا کسی صورت مکمل ثبوت نہیں بن سکتی، گو امریکہ واقعات کی من چاہی تشریح کرنے کا عادی ہے۔

اسامہ بن لادن اور دیگر لوگ جن پر نائن الیون حملوں کا الزام ہے، ان کے متعلق عوامی حلقوں میں سامنے آنے والے حقائق یہ بتاتے ہیں کہ ان لوگوں کا نائن الیون سے کوئی بھی تعلق نہیں رہا۔ بعد میں جس جسارت کے ساتھ اس الزام کی عراق کی طرف منتقلی کی کوشش کی گئی اور یہاں تک کہ اس میں ایران کو بھی ملوث کیا گیا، اس سے امریکہ کے جھوٹ اور فراڈ کی خوب قلعی

کھلتی ہے۔ نائن الیون کمیشن نے بھی اپنی سی کوشش کر دی کہ ایران کو کسی نہ کسی طرح القاعدہ کے ساتھ نتھی کر دے۔ (512)

یہ مذہبی جنگ غیور افغانیوں پر اس لئے مسلط کی گئی کہ وہ اپنے لئے ایک ایسے معاشرے اور حکومت کی تشکیل چاہتے تھے جو ان کے مذہب (اسلام) کے مطابق ہو۔ بُش کو خوب معلوم تھا کہ افغانستان پر فوجی حملے کا کوئی جواز نہیں بنتا مگر پھر بھی شہروں، قصبوں اور دیہات پر کارپٹ بمباری کے لیے احکام دیئے گئے۔ چند محدود فوجی اہداف کے خلاف جس طرح تباہ کن ہتھیاروں اور آتشیں اسلحہ کا استعمال کیا گیا اس سے عام شہریوں کا بے تحاشا قتل ہوا اور وہ لوگ جو ہتھیار رکھ چکے تھے، بڑے جانی نقصان سے دوچار ہو گئے۔ افغانستان کا پورا انفراسٹرکچر اور قدرتی ذرائع مثلاً تورا بورا اور دوسرے علاقوں کے جنگلات تباہ و برباد کئے گئے۔

امریکی فوج کی بمباری اندھا دھند تھی۔ اس نے نہ تو انٹرنیشنل ریڈ کراس کے کابل اور قندھار میں ہسپتالوں کو بخشا اور نہ ہی کاجکائے ڈیم کو۔ ریڈ کراس کے غلے کے مراکز، کابل میں زچہ بچہ کا ہسپتال اور ہرات میں فوجی ہسپتال، ان سب کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ رہائشی مکانات، توانائی کے مراکز، آبپاشی کے منصوبوں، سکول، الجریہ کا دفتر اور ٹیلی فون ایکسچینج اور بعض دوسرے مراکز وحشیانہ بمباری کر کے تباہ کر دیئے گئے۔ حالانکہ افغان عوام نے روس کی مسلط کردہ جنگ سے تباہ شدہ انفراسٹرکچر کو کئی سالوں کی محنت سے بحال کیا تھا۔

غیر قانونی اسلحہ کا استعمال

امریکہ نے اپنے جنگی جرائم کو ضمنی نقصانات (collateral damage) سے تعبیر کیا۔ یہ ضروری ہے کہ طالبان کی قوت اور امریکی افواج کے اسلحہ کی نوعیت اور گولہ بارود کی مقدار کا اندازہ کیا جائے۔ اسی سے امریکی فوجیوں کے انتقام کا بھی اندازہ ہو سکے گا، اور اس کا بھی کہ وہ کس طرح مذہبی جذبہ سے پوری طرح مسلح کئے جا چکے تھے، ہاں عیسائیت کے جذبہ سے۔ افغانستان پر مسلط کردہ جنگ کے ابتدائی چار ہفتوں کے دوران امریکہ کے ان مذہبی فوجیوں نے 5 لاکھ ٹن وزنی بم گرائے، جو افغان آبادی کے حساب سے اوسطاً ہر آدمی، عورت اور بچے کے حصے میں 20، 20، 20 کلو آتے ہیں۔ (513) ہمپ شائر یونیورسٹی کے اکنامکس کے پروفیسر مارک ہیرالڈ کا کہنا تھا کہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق 17 اکتوبر اور 6 دسمبر 2001ء کے درمیان افغانستان پر امریکہ کی بمباری سے اوسطاً 62 بے گناہ افراد روزانہ کے حساب

سے ہلاک کئے گئے۔⁽⁵¹⁴⁾ ڈیٹلا جیوسیٹی اپنی کتاب "Women on War" میں لکھتی ہے: "اس خوفناک حد تک ہلاکت خیز اسلحہ کے علاوہ، جس کے متعلق بہت لوگوں کو معلومات حاصل ہیں (باوجودیکہ ملٹری اہمیت کے اہداف محدودے چند ہی تھے) محکمہ دفاع نے نیوکلیئر اسلحہ (tactical nuclear weapons) کے استعمال کی بھی سفارش کردی، جبکہ کانگریس کے بعض ممبران نے چھوٹے نیوکلیائی (Bunker Busters) بموں کے استعمال کا بھی مشورہ دیا۔ بُش کے مشیروں سٹیفن ہیڈلے، سٹیفن کیمون اور ولیم شینڈر نے بھی نیوکلیائی اسلحہ کے استعمال کے حق میں دلائل دیئے۔ نیوٹران بم کے خالق سیمونیل کوہن نے تو یہاں تک دلیل دی کہ اس کا ایجاد کردہ ہتھیار افغانستان کے لیے موزوں ترین ہتھیار ہے۔ بعض ہتھیار جو قبل ازیں امریکہ شامی اتحاد والوں کو طالبان کی پیش قدمی روکنے کے لیے مہیا کر رہا تھا، اتنے طاقتور تھے کہ پٹانگوں نے انہیں "نیوکلیائی" کے قریب ترین ہتھیار کے طور پر تعبیر کیا تھا۔"⁽⁵¹⁵⁾

آئیے، ہم ایک دفعہ پھر انسانی حقوق کے متعلق بین الاقوامی قانون کا اعادہ کریں، جو ایسے جنگی جرائم کو روکتا ہے۔ 1996 میں نیوکلیائی اسلحہ پر بین الاقوامی عدالت انصاف کے جج کرسٹوفر گریرگے نے یاد دلایا کہ بہت سی ثقافتیں اور تمدن ایسے ہیں جن میں انسانی حقوق کے متعلق ضابطے گہرے طور پر ثبت ہیں۔ مارٹنز کلاز (Martens clause) جو متفقہ ووٹ کے ذریعے زمینی جنگ سے متعلق ضابطوں کے سلسلہ میں 1899ء ہیک کنونشن اور 1907ء ہیک کنونشن میں شامل کیا گیا ہے اور جو مستزم ہے ایسی صورت حال کو جہاں کنونشن کے ضابطوں کا اطلاق نہ ہوتا ہو تو (پھر بھی) وہاں کے باسیوں اور باہم برسرِ پیکار فریقین کو عالمی قانون کے اصولوں کے تحت تحفظ حاصل رہے گا، کیونکہ یہ اصول متدن اقوام کے غور و فکر اور انسانی قانون اور ضمیر کی آواز کے مطابق وجود پذیر ہوئے ہیں۔

یہ موقف اختیار کرنا کہ امریکہ کی مسلح افواج اور ان کے صدر پر کسی بین الاقوامی انسانی جنگی قوانین کے ماننے کی پابندی نہیں کہ اس وجہ سے ان پر کوئی حرف آئے کہ وہ اسلحہ بنانے، ذخیرہ کرنے اور اسے استعمال کرنے کی بنا کسی جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں،⁽⁵¹⁶⁾ یہ ایسی ہی منطق ہے جیسے یہ کوشش کی جائے کہ تاریخ کے گھڑیاں کی سوئیاں واپس گھما کر ان انسانوں کے مجرمانہ فیصلوں کو دوام بخشا جائے، جن کی رو سے امریکی حکومت نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر مجرمانہ حملے کر کے انہیں تباہ و برباد کیا تھا۔

جہاں تک امریکہ کی طرف سے کلستر اور نیپام بموں کے استعمال کا معاملہ ہے کنونشن کی اس پر بھی پالیسی بالکل واضح ہے۔ 1997ء کا کنونشن ہر قسم کی بارودی سرنگوں کے استعمال، پیداوار، ذخیرہ کرنے اور نقل و حرکت پر پابندی عائد کرتا ہے۔ کنونشن اس سلسلہ میں بین الاقوامی رسی قانون کی رو سے پہلے سے موجود قوانین کو رسمی طور پر منضبط کرتا ہے۔ ان کی رو سے کسی فریق کو مخالف فریق کے خلاف ضرر رسانی کے ذرائع استعمال کرنے کے غیر محدود اختیارات حاصل نہیں۔ اسلحہ، پروجیکٹائل یا دوسرے سامان کا ایسا استعمال ممنوع قرار دیا گیا ہے جو غیر ضروری المیوں کو جنم دینے کا باعث بن رہا ہو۔ اسی طرح سول آبادیوں کو نقصان پہنچانے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ یہ ان اصولوں میں سے کچھ ہیں جن کو کنونشن نے بعد میں منضبط کر کے اختیار کیا ہے۔ (517)

15000 پائونڈ فیول ایئر ایکسپلوسیو (FAEs) اور کلستر بم کے استعمال کے متعلق واضح کیا گیا ہے کہ وہ ایسی صورت میں ممنوع سمجھا جائے گا، جب اس کے بے تحاشا استعمال سے عام شہری آبادی اور مخالف متحارب فریق میں کوئی فرق ملحوظ نہ رکھا جائے، یا ان کا استعمال غیر متناسب حد تک بڑھے، جس سے فوجی مقاصد کا حصول مطلوب ہو، یا یہ ہو کہ ان کا مسلسل، زیادہ مقدار میں اور وسیع رقبے پر استعمال ہو، جس سے ماحولیات کی تباہی ہو اور یا جس سے بہت زیادہ اور غیر ضروری المیے جنم لیں۔ (518)

ان ضابطوں کی رو سے depleted uranium والا گولہ بارود، FAEs، ڈیزی کلز، کلستر بم اور انسانوں کی ہلاکت کے لیے بارودی سرنگوں کا استعمال سب غیر قانونی چیزیں ہیں۔ افغانستان میں اس قسم کے ہلاکت خیز اسلحہ کے استعمال کی امریکی صدر نے امریکی افواج کے کمانڈر انچیف کی حیثیت سے جواباً ت دے رکھی ہے وہ جنگی جرائم کے زمرے میں آتی ہے۔

سائنٹسٹس فار انڈی جنس پیپل کے صدر اور کمشنرٹی آف برکے انوار منفل لیورن مورٹ، ری کائیوس یونیورسٹی اوکینا کی فیکلٹی آف سائنس کی پروفیسر کاسو مایا گاسا کی اور جیکسن ولے سٹیٹ یونیورسٹی کے فزکس کے پروفیسر اد امریکی فوج کے ڈی یو وین پراجیکٹ (Depleted Uranium Weapon Project) کے سابق ڈائریکٹر اور 1994-95 سے عراق میں ڈی یو کلیمٹنگ اپ کے انچارج میجر ڈوگ روکی، (جو خود بھی ڈی یو

سے متاثر ہوئے تھے) تینوں نے اپنی اپنی تفتیش کے نتائج کی تفصیلات مہیا کی ہیں۔ سائنسی دستاویزات اور امریکی فوج کے ذرائع کے میمورینڈا، جو وہ پبلک کے سامنے لائے ہیں، وہ کسی شاہد کے بغیر یہ ثابت کرتے ہیں کہ بٹس کی صلیبی انتظامیہ نے افزودہ یورینیم والے ہتھیاروں (depleted uranium weapon) کے استعمال کی افغانستان میں کھلی اجازت دی تھی، بالکل اسی طرح جس طرح کہ ڈائیگون بی (Zyklon-B) یورپ میں استعمال کیا گیا تھا، جو تمام جانداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔

برلن میں ورلڈ ڈی یوسنٹر کے سائنٹسٹ ممبر پروفیسر آلبرٹ سکاٹ "فوجی اور رسول مقاصد کے لیے افزودہ یورینیم کے استعمال کے نتائج" کے موضوع پر اپنے خطاب میں جو پبلک سپوزیم میں کیا گیا، کہا کہ "افزودہ یورینیم (depleted uranium) کرۂ ارضی کے لیے مکمل تباہی کا ہتھیار ہے۔" لیورن مورٹ نے اس کے اثرات پر بات کرتے ہوئے "omnicide" کی اصطلاح وضع کی، جو "silent genocide" (خاموش نسل کشی) سے آگے کی کوئی چیز ہے۔ بلاشبہ افزودہ یورینیم والے ہتھیاروں (D.U Weapons) نے افغان اور عراقی باشندوں پر بہت کاری ضرب لگا کر ان کی تباہی کی ہے۔ (519) 'No Immediate Danger' کتاب کے مصنف روزلی ہارٹیل "omnicide" کے مطلب کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

"omnicide" ایک ایسا عمل ہے جس میں تاریخ، تمدن، سائنس، حیاتیاتی افزائش اور یادداشت سب کچھ زائل ہو جاتے ہیں۔ یہ جانداروں کی انواع کو نہایت سرعت کے ساتھ ایک (مذموم) ارادے کے تحت مکمل تباہی سے ہمکنار کرنے کی حرکت ہے اور یہ بیش قیمت زندگی کے تختہ کی انسانی ہاتھوں بے قدری کا ذیل ترین عمل ہے۔ اس کی تصریح کے لیے ایک نئے لفظ کی ضرورت ہے اور شاید "omnicide" (سب کچھ تباہ کر کے فنا کرنے والا) ہی اس کے لیے جامع ترین لفظ ہو سکتا ہے۔" (520)

افغانستان میں امریکی فوجیوں کی جانب سے افزودہ یورینیم والے ہتھیاروں کے استعمال کی کبھی تردید نہیں کی گئی۔ امریکی افواج یہ ہتھیار ایک ایئر کرافٹس، AH-64 ہیلی کاپٹر زگن شپ، ایڈوانسڈ کروزمیزائل اور کنٹینرل ایئر لانیڈ کروزمیزائل (CALCM) کے ذریعے استعمال کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں پی جی یو۔ 14 بے پی آئی یورینیم ہیز سنگ ایمنیشن جو

ولکین کنن (Vulcan canon) جو A10 گن شپ اور AH,64 اپاچی گن شپ پر چڑھائے گئے تھے بھی فائر کئے گئے۔ بکر بسٹر بم (Bunker Buster Bombs) کو جو ڈی یو ہتھیار ہے، F-16 جہازوں سے گرایا گیا۔ آزادانہ سائنسی تحقیقات اور رپورٹیں یہ مصدقہ اندازے پیش کرتی ہیں کہ کم از کم 500،600 ٹن ڈی یو ہتھیار پورے افغانستان میں استعمال کیا گیا، جن میں بطور خاص یہ مقامات شامل تھے: تورابورا، شاکی کوٹ، مزار شریف، جلال آباد، ننگر ہار، خوست، قندوز، پکتیا اور بگرام کے گرد و کاہل کا علاقہ۔ افغان ڈی یو اینڈ ریکوری فنڈ کے ڈائریکٹر ڈاکٹر محمد داؤد میرا کئی کے اندازے کے مطابق ایک ہزار ٹن افزودہ اور نافرودہ یورینیم استعمال کیا گیا۔⁽⁵²¹⁾ پروفیسر کلسو مایا گاساکی (جن کا پہلے ذکر کیا گیا ہے) کے مطابق 800 ٹن ڈی یو ہتھیار افغانستان میں استعمال کیا گیا۔⁽⁵²²⁾ ڈاکٹر آصف ڈاراکووک نے نومبر 2002ء میں کہا تھا کہ امریکی افواج نے افغانستان میں اس سے زیادہ ڈی یو گولہ بارود استعمال کیا جو انھوں نے خلیج اور بلقان کی جنگوں میں استعمال کیا تھا۔⁽⁵²³⁾

برطانوی محقق ڈائی ولیمز اپنی رپورٹ میں بتاتا ہے کہ ہتھیاروں کی تقریباً 21 سے زائد اقسام کے مختلف سٹم افغانستان پر بمباری کے لیے استعمال کئے گئے۔ ان میں ایک پُر اسرار ”کثیف دھات“ (dense metal) بھی شامل ہے جو پُرانے ماڈلز سے دگنا طاقت کی مار رکھتی ہے۔ عراق، بوسنیا اور کوسوو میں ان ہتھیاروں کے استعمال کے اقرار کے برعکس پٹنا گون نے افغانستان میں ڈی یو کے استعمال کی تصدیق نہیں کی۔ لیکن اگر وہ پُر اسرار دھات (Dense metal) ڈی یو ثابت ہو جاتی ہے تو پھر واضح ہے کہ 500 سے 1000 ٹن تک ڈی یو افغانستان میں استعمال ہو چکا ہے۔ ولیمز کہتا ہے کہ نام نہاد بکر بسٹرز جو GBU 28s اور GBU 37s کے نام سے مشہور ہیں، تقریباً 105 ٹن وزن رکھتے ہیں اور 50 سے 70 فی صد تک وار ہیڈز اس ہائی ڈینسٹی میٹل پر مشتمل ہے۔ ولیمز نے جولائی 2002ء میں ایشیا پیسیفک فیچرز (Asia, pacific feature) کو بتایا: ”اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر بکر بسٹر بم کے لیے ایک ٹن سے کچھ زیادہ یورینیم مادہ جلا یا جاتا ہے اور پھر وہ اس علاقہ کے اوپر پھیلایا جاتا ہے۔“⁽⁵²⁴⁾

اب اس پر غور کرنا چاہئے کہ ایک ایسے دشمن کے خلاف جس کے پاس کوئی قابل ذکر اسلحہ تھا ہی نہیں اس ممنوعہ گولہ بارود کی اتنی مقدار کے استعمال کی فی الواقع کوئی ضرورت بھی تھی یا نہیں؟ اگر اس کی ضرورت نہیں تھی (اور یقیناً نہیں تھی) تو پھر اس ممنوعہ اسلحہ کا اتنا اندھا دھند

استعمال کس مقصد کے تحت کیا گیا؟ یہ صلیبی اس سے کیا حاصل کرنا چاہتے تھے؟ کیا طالبان کو شکست دینا ان کا مقصد تھا یا اُن کے پیش نظر افغان زمین اور فضا کو اس حد تک زہریلا کرنا تھا کہ افغانوں کی آئندہ نسلیں بھی اس کا خمیازہ بھگتتی رہیں۔

16 جنوری 2002ء کو امریکہ کے سیکرٹری دفاع رمز فیلڈ نے اعتراف کیا کہ ہاں، بہت زیادہ مقدار میں ریڈیو ایکٹو کاؤنٹ کی تصدیق ہو چکی ہے، جو وار ہیڈز پر لگے ڈی یو گولوں کے استعمال کا نتیجہ ہے۔ واشنگٹن ڈی سی میں سنٹر آف ڈیفنس انفارمیشن میں سینٹرائڈ وائزر فلپ کوکل نے تسلیم کیا کہ افغانستان میں ڈی یو ہتھیار استعمال کئے گئے ہیں۔ (525) اس نے اس کی تردید نہیں کی کہ یہ اسلحہ جنگ کے شروع ہی سے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ اس کی بجائے اس نے کہا: ”آپ بہت زیادہ ڈی یو کا استعمال نہیں دیکھیں گے اس لئے کہ اس کے لیے اہداف (targets) اتنے زیادہ نہیں ہیں۔“ (526)

مارک ہیرالڈ اور دائی ولیمز کی دستاویزی رپورٹ اور واشنگٹن ڈی سی میں یورینیم میڈیکل ریسرچ سنٹر کے سروے اور ڈاکٹر محمد داؤد میراکنی کی رپورٹ موسوم بہ افغان ڈی یو اینڈ ریکوری فنڈ، ڈی یو ہتھیاروں کے وسیع استعمال اور افغان شہریوں پر اس کے اثرات پر تفصیلاً بحث کرتی ہیں، جن کے استعمال سے یہ متاثرین آہستہ آہستہ ایک کربناک موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں، جسے ”خاموش نسل کشی“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے نوازمندہ بچے متاثر ہوتے ہیں اور ہر وہ زندہ چیز جو ان ڈی یو ہتھیاروں کا شکار ہو جاتی ہے۔ ریڈیو ایکٹیو لیول سے ان کی جینیاتی ساخت ناقابل رجعی حد تک متاثر ہو جاتی ہے۔ یہ ہے وہ انتہا جہاں تک یہ صلیبی جاسکتے ہیں، تاکہ وہ اس خیالی خوف کا ازالہ کر سکیں جو انھوں نے اسلام کے متعلق گھڑ لیا ہے۔ ان کا صلیبی جہاد نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی موجودہ زندگی کے لیے خطرہ ہے، بلکہ مستقبل کے مسلمانوں کو بھی معذوری سے دوچار کر دے گا، جہاں جہاں مسلمان حق خود ارادیت کے لیے جدوجہد کر رہے ہوں گے۔

افزودہ یورینیم والے ہتھیاروں کے استعمال کے حوالے سے امریکی پالیسی کے متعلق لیون مورٹ پوری شہادت پیش کرتا ہے۔ وہ اس کی تخلیق کی تاریخ اور اس کے استعمال کی سیاست تک پوری تاریخ کا کھوج لگاتا ہے۔ مورٹ کہتا ہے کہ ہیروشیما اور ناگاساکی پر بمباری کے بعد بین الاقوامی سطح پر اس کے خلاف جو شدید آواز اٹھی اور نیوکلیائی ہتھیاروں کے خلاف

اور اس کے مزید استعمال کے خلاف جو نفرت پیدا ہو گئی تھی، اُس نے ان ہتھیاروں کے مزید استعمال کو ایک عرصے تک روک رکھا ہے۔ 1991ء میں امریکی سٹریٹجک کمانڈ میں فیصلہ کیا گیا کہ ردائی اور نیوکلیائی ہتھیاروں کے مابین فرق کو کم کرنے کے لیے میدان جنگ میں ڈی یو ہتھیاروں کو متعارف کرایا جائے۔ مورٹ بجا طور پر ڈی یو نیوکلیائی ہتھیاروں کو "Trojan Horse" قرار دیتا ہے۔⁽⁵²⁷⁾

افزودہ یورینیم والے ہتھیاروں کے غیر ضروری استعمال کے علاوہ، ہش کی پوری آگاہی کے باوجود امریکی فوج نے، کلسٹر بم اور فیول ایئر ایکلو سیو، (ڈیزی کٹر) بھی ایک ایسی قوم کے خلاف استعمال کئے جو بالکل کوئی مدافعتی وسائل نہیں رکھتی تھی۔ ہیومن رائٹس واچ کی رپورٹ "Fatally Flawed: Cluster bombs and their use by the united states in Afghanistan" کے مطابق امریکی ہتھیاروں میں کلسٹر بم، جن سے سینکڑوں چھوٹے بم پھٹ نکلتے ہیں، بہت زہریلے اضافی اثرات رکھتے ہیں۔ یہ بم اپنے پیچھے ایسے چھوٹے بم چھوڑتے ہیں جو دراصل بارودی سرنگوں کا کام کرتے ہیں۔⁽⁵²⁸⁾

دور جدید کے صلیبیوں نے اکتوبر 2001ء اور مارچ 2002ء کے درمیان (یعنی صرف چھ ماہ میں) افغان مسلمانوں پر تقریباً 1228 کلسٹر بم برسائے جن کے اندر 248,056 چھوٹے بم تھے۔ ابتدائی طور پر امریکہ نے دو ماڈل پر کام کیا۔ ایک CBU-87 تھا جو جنگ خلیج اور یوگوسلاویہ میں نیٹو کی بمباری مہم کا آزمودہ (تباہی مچانے والا) ماڈل تھا اور دوسرا CBU-99s، CBU-103 نیوی اور CBU-100s اور Jsow ماڈل تھا۔⁽⁵²⁹⁾ اس سے کس چیز کی عکاسی ہوتی ہے؟ اس سے جو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ جنگ صرف مسلح طالبان کے خلاف یا دہشت گردی کے خلاف نہیں بلکہ اس جنگ کا ہدف اجتماعی طور پر ایک اسلامی ضابطہ کی پابندی چاہنے والی قوم کو نشان عبرت بنادینا ہے، تاکہ وہ ان دوسرے تمام لوگوں کے لیے ایک مثال بن جائے جو اپنے دلوں میں اسلامی ریاست کی تمنا لئے ہوئے ہوں۔ طالبان فوج کوئی سامراجی مملکت کی فوج تو نہیں تھی، جس کے پاس وسیع فوجی ذرائع اور چھاؤنیاں ہوں۔ وہ عام لوگ تھے۔ امریکہ کے سامنے کوئی بڑے فوجی اہداف تو نہیں تھے، اس کے باوجود ناقابل یقین پیمانے پر بھاری بموں کے استعمال سے سول تنصیبات کو تباہ کرنے کا مقصد ایک قوم کو بزدل و قوت جھکنے پر مجبور کرنا تھا، جس کا از روئے قانون کوئی جواز نہیں بنتا۔

حقوق انسانی کی تنظیم کے ساڑھے تین ہفتوں کے ایک مشن نے مارچ 2001 میں افغانستان میں کلستر بموں کے استعمال سے شہریوں کے نقصانات کے کافی ثبوت حاصل کر لئے۔ کلستر بموں کے حملوں کے بعد بھی بغیر پچھے رہ جانے والے بموں سے عام شہری ہلاک ہوتے رہے تھے، جن میں مال مویشی چرانے والے چرواہے، ہل جوتنے والے کاشتکار اور لکڑی اکٹھا کرنے والے لوگ شامل تھے۔ (530) صحافی اور براڈ کاسٹر مورافلنڈرز کے مطابق BLU-82 کو ”ڈیزی کٹر“ کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کے پھٹنے سے ایک آتش فشاں کے ساتھ ایک گڑھا بن جاتا ہے جس سے 3 میل تک کاراستہ ”صاف“ ہو جاتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ ایک بہت بڑے ٹرانسپورٹ ایئر کرافٹ Big Blue سے اسے گرایا جاتا ہے، جس سے امونیم نائٹریٹ، ایلومینیم ڈسٹ اور پولیسٹرین سلری پر مشتمل امیزے والا بادل بن جاتا ہے جسے ڈیٹونیٹر کے ذریعے سلا کر بھک سے اڑا دیا جاتا ہے۔ نتیجے میں ایک آتشیں طوفان برپا ہو جاتا ہے، جو فٹبال کے پانچ میدانوں کے برابر رقبہ کو جلا کر بھسم کر دیتا ہے۔ اس سے آکسیجن ختم، صدمہ بردار لہر (shock wave) اور خلائی دباؤ (vacuum pressure) پیدا ہو جاتے ہیں، جس سے اس رینج میں آنے والے انسانوں کے اندرونی اعضا (معدہ، انتڑیاں، لیور وغیرہ) تباہ ہو جاتے ہیں۔ (531)

افغانستان میں طالبان کی حکومت کے خاتمے کے لیے خود مدافعتی کے بہانے جن ہتھیاروں کا استعمال کیا گیا وہ بین الاقوامی انسانی حقوق کے قوانین کے صریحاً خلاف ہے۔ طالبان کا جرم یہ تھا کہ وہ اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تمنا رکھتے تھے۔ دور جدید کے صلیبیوں کا مقصد اگر تو دہشت گردی کو اکھاڑ پھینکنا تھا پھر انہیں اپنی شکست کا برملا اعتراف کر لینا چاہیے کیونکہ وہ اسامہ بن لادن اور ایمن الظواہری کو اب تک گرفتار نہیں کر سکے۔ (یاد رہے کہ یہ کتاب ایبٹ آباد آپریشن سے پہلے لکھی گئی ہے۔) ان کو چاہیے کہ وہ مسلمانوں کے لیے دستور ڈرافٹ کرنا اور سی آئی اے کے کٹھ پتلی کا اقتدار مستحکم کرنا چھوڑ دیں۔

بدقسمتی سے طالبان کے خلاف جھوٹ اس جیسا نہیں جس طرح کا جھوٹ WMD کے حوالہ سے صدام حسین کے خلاف بولا گیا۔ صدام کے متعلق جھوٹ کی قلعی اُس وقت کھل گئی جب کوئی تباہ کن ہتھیار پایا نہ جاسکا جبکہ اس بات کا کوئی امکان ہی نہیں کہ طالبان کے متعلق کذب بیانی اور جھوٹ کی کبھی بھی قلعی کھل سکے گی۔

جنگی جرائم، مذہب اور مسلمان قیدی

امریکہ کے قیدیوں سے روار کھے جانے والے سلوک کا مطالعہ بھی ضروری ہے، کیونکہ یہ رویہ نہ صرف قیدی بنانے والوں کے مذہبی جذبہ کی نشاندہی کرتا ہے بلکہ اس سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ مسلمان قیدیوں کے مذہب اور مذہبی عقیدے کو کس طرح ظالمانہ طریقے سے ٹھیس پہنچائی گئی جب ان پر تشدد کے جدید فن کے ساتھ روحانی اور نفسیاتی پہلوؤں کو بھی استعمال کیا گیا۔ بعد میں ان جنگی جرائم کو جان بوجھ کر میڈیا کے سامنے لایا گیا، تاکہ ان لوگوں کو وہشت زدہ کیا جاسکے جو اسلام سے وابستگی کی آرزو رکھتے ہیں یا مسلمانوں کے حق خود اختیاری کے حصول کے لیے جدوجہد میں ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی اس خود اعتمادی کو توڑا جائے جو وہ امریکی قبضہ کے خلاف مزاحمت کے لیے بروئے کار لاتے ہیں۔ امریکہ کا وہ قبضہ جو اس نے اپنی اقدار اور طرز حیات کو مسلمانوں کی آبادیوں پر ٹھونسنے کے لیے کر رکھا ہے۔

دوسری ضروری چیزوں پر بحث کرنے سے پہلے آئیے نائن الیون کے بعد امریکہ کے قبضہ میں بہت سے معلوم اور نامعلوم مقامات پر رکھے گئے مسلمان قیدیوں کی حیثیت کا تجزیہ کریں۔ گوانتانامو بے میں رکھے ہوئے قیدیوں کی حیثیت کے متعلق 7 فروری 2002ء کو یو ایس پریس سیکرٹری نے اپنے شائع کردہ حقائق نامہ کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ صدر بش نے طے کیا ہے کہ جیوا کنونشنز کا اطلاق زیر حراست طالبان پر تو ہوتا ہے لیکن القاعدہ کے قیدیوں پر نہیں۔ القاعدہ جیوا کنونشنز کے لیے ریاستی فریق نہیں، یہ ایک بیرونی دہشت گرد گروپ ہے۔ اس حیثیت میں اس کے ارکان جنگی قیدیوں کے سلوک کے حقدار نہیں۔ اگرچہ ہم نے کبھی بھی طالبان حکومت کو جائز تسلیم نہیں کیا، تاہم افغانستان اس کنونشن کا ایک فریق ہے، لہذا صدر نے یہ ارادہ کر رکھا ہے کہ طالبان پر کنونشنز کا پورا اطلاق ہوتا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ طالبان قیدی جنگی قیدیوں کی حیثیت کے لیے شرائط پورے نہیں کرتے۔“ (اس منطق کو ذرا دیکھیے)

اسامہ اور دیگر خارجیوں کی حیثیت طالبان سے مختلف ہے، کیونکہ ان کا تعلق مختلف ممالک سے ہے جو افغانستان پر مسلط کردہ جنگ کے فریق نہیں ہیں، اور یہ بھی حتمی طور پر طے نہیں کیا جا سکا کہ یہ لوگ حقیقتاً بطور رضا کار شریک ہوئے ہیں۔ انھوں نے امریکہ پر کوئی حملہ نہیں کیا بلکہ امریکہ نے افغانستان اور ان لوگوں پر جنگ مسلط کر دی جو وہاں رہ رہے تھے۔ کسی ایک بھی

افغان نے نہ کبھی امریکہ پر حملہ کیا ہے اور نہ کبھی کسی نے اس پر حملے کا سوچا تک ہے۔ اگر ان مسلمانوں کو جنہوں نے افغانستان میں پناہ لے رکھی ہے ”غیر ملکی جنگجو“ بھی تسلیم کیا جائے تو وہ پھر بھی انسانی سلوک کے مستحق اور حقدار ہیں، کیونکہ 1899ء مارٹنز کلاز اور 1977ء کے ایڈیشنل پروٹوکول کی رو سے جو ایک رسمی قانون ہے، ایسا ہونا چاہیے۔ (532)

بظاہر جو کچھ نظر آتا ہے، معاملہ کہیں اس سے زیادہ پیچیدہ ہے۔ جن لوگوں پر ”غیر ملکی جنگجوؤں“ کا لیبل لگا تھا، طالبان نے تو انہیں مختلف ممالک سے بھرتی نہیں کیا تھا۔ یہ تو دراصل امریکہ، برطانیہ، سعودی عرب، آسٹریلیا، کینیڈا، پاکستان، مراکش اور کئی ایک اور ممالک تھے جنہوں نے ان لوگوں کو افغانستان میں در آنے کے لیے سہولیات مہیا کیں۔ امریکہ، پاکستان اور دوسرے ممالک کی سیشل فورسز کے ذریعے انہیں پاکستان اور افغانستان میں تربیت دی گئی، تاکہ امریکہ کی سرکردگی میں ہونے والے جہاد کو آگے بڑھائیں اور یوں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے سٹریٹجک مقاصد کو حاصل کیا جاسکے۔ یہ بات ایک عمومی حقیقت کے طور پر تسلیم بھی گئی تھی۔ چنانچہ سابق نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر برزنسکی اور سابق سی آئی اے ڈائریکٹر رابرٹ گئیس بھی اسے مانتے تھے۔

اگر یہ ”غیر ملکی جنگجو“ افغانستان میں رہائش کے لیے قیام پذیر ہو گئے، یا بعض مجاہدین مشرق وسطیٰ سے واپس ہو کر آئے تو انہیں ٹھہرانا طالبان کا کوئی جرم نہیں تھا، کیونکہ یہ جنگجو وہی لوگ تھے جنہوں نے سوویت یونین سے افغانستان کو واکزار کرنے کے لیے اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالا تھا۔ امریکہ نے سوویت یونین، کیوبا، چائنا، ایران اور عراق کے بہت سے منخرنین کو ان کی خدمات کے صلے میں امریکی شہریت دے رکھی ہے۔ اسی مثال کے طرز پر یہ کوئی غلط بات نہیں تھی اگر طالبان نے ان افراد کو اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دی، جنہوں نے افغانستان کی خاطر اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالا تھا۔ ان کا افغانستان میں قیام بذات خود نہ ان کا جرم تھا اور نہ طالبان کا۔ جہاں تک ان کی فوجی ٹریننگ کی بات ہے ”جو چند پرانی ریکارڈنگز“ سے دنیا کو دکھائی کی گئی ہے، یہ بالکل بعید از عقل معاملہ ہے کہ یہ خیال کیا جائے کہ یہ ٹریننگ امریکہ پر حملہ کے لیے کی گئی تھی یا اس لیے کی گئی کہ کسی اور ممکنہ طریقہ سے امریکی سلامتی کے لیے خطرہ پیدا کیا جائے۔ امریکہ قانونی طور پر بیرونی جنگجوؤں کی ”جنگی قیدیوں“ کی حیثیت سے انکار کیسے کر سکتا ہے، جبکہ اسی نے ان کو بھرتی کیا، اُن کے مالی اخراجات

برداشت کئے، ان کی تربیت کی اور ان کی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ذریعے ہر قسم کی مدد کی اور حکومت کی تبدیلی کے لیے ان کی طالبان کے ساتھ مدد کرنے پر صاف کیا؟

جنیوا کنونشن کے آرٹیکل 5 کے تحت ان ”غیر ملکی جنگجوؤں“ کی حیثیت کا تعین کرنا ایک ضروری امر ہے۔ اور یہ کام ایک غیر جانبدار ٹریبونل سے کرانا چاہیے نہ کہ کسی خفیہ فوجی کمیشن یا ٹریبونل کے ذریعے۔ آرٹیکل 5 کہتا ہے: ”باقاعدہ جنگ میں شریک متصادم فریقوں میں سے ایک اگر دشمن کے ہاتھ آجائے اور ان کی حیثیت اس حوالہ سے مشکوک ہو کہ آیا وہ آرٹیکل 4 کی کسی شق کے تحت آتا ہے یا نہیں؟ تو ایسے لوگوں (قیدیوں) کو اس وقت تک موجود کنونشن کا تحفظ حاصل رہے گا جب تک ان کی صحیح حیثیت کا تعین کسی بااختیار کمیشن سے نہ کر لیا جائے۔“ بالفاظ دیگر جب تک ان مشکوک ”غیر ملکی جنگجوؤں“ کی حیثیت کا تعین کسی بااختیار ٹریبونل سے نہیں کر لیا جاتا، انھیں ”جنگی قیدیوں“ (POW) کی حیثیت حاصل رہے گی۔ اصل صورت حال تو یہ ہے۔ اس حقیقت سے قطع نظر کہ یہ جنگ بذات خود ایک ناجائز جنگ ہے لہذا اس میں کسی کو حراست میں رکھنا (بذاتہ) ایک ناجائز عمل ہے۔ جنیوا کنونشن کا آرٹیکل 13، 1949 (جو جنگی قیدیوں کے ساتھ سلوک کے متعلق ہے) یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ ”جنگی قیدیوں کے ساتھ ہر وقت انسانی سلوک کرنا چاہیے۔ حراست میں لینے والی طاقت کی طرف سے دوران حراست کوئی بھی غیر قانونی عمل جو کسی بھی قیدی کے لیے ہلاکت کا سبب یا اس کی صحت کے لیے خطرہ بنے، ممنوع ہے۔ کسی بھی جنگی قیدی کو جسمانی طور پر معذور کرنا یا اسے میڈیکل یا سائنسی تجربات کے لیے استعمال کرنا غیر قانونی حرکت ہے۔ اسی طرح جنگی قیدیوں کی ہمہ وقت حفاظت ہونی چاہیے، خصوصاً ان کے خلاف تشددانہ کارروائی، ان کو ہراساں کرنا، ان کی بے حرمتی کرنا اور ان کو کھلے عام تفتیشی مراحل سے گزارنا ایک ناجائز عمل ہے۔

انسانی حقوق کی تنظیم کی کئی رپورٹیں جن کی زمینی حقائق بھی توثیق کرتے ہیں، اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ امریکہ کی پالیسی میں کارفرما مقصد یہ ہے کہ ”غیر ملکی جنگجوؤں“ کی بیخ کنی کر کے ان کا کھل صفا کیا جائے، تاکہ اس طرح وہ اپنے جرائم کی پردہ پوشی کر سکے۔ ان کے لیے عرب مہاجروں کا صفا یا خصوصی طور پر ضروری تھا ”تاکہ اپنے اپنے ملکوں میں ان کی واپسی کے امکانات ہی ختم کر دیئے جائیں، جہاں وہ امریکہ کی دوست استبدادی حکومتوں کے خلاف کسی قسم کی تحریک چلا سکیں۔ معدودے چند لوگ جو دور جدید کے عقوبت خانوں سے رہا

کئے گئے ہیں، وہ جن دہشت ناک یوں کا تذکرہ کرتے ہیں وہ دور جدید کے صلیبیوں کے اصل چہرہ کو بے نقاب کرنے کے لیے کافی دشمنی ہیں۔ ان کی اندوہناک کہانیاں بتاتی ہیں کہ اذیت دہی کے لیے امریکیوں کے اختیار کردہ طریقے اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ ان کے ذہنوں پر جو چیز سوار ہے وہ دہشت گردی نہیں، بلکہ اسلام ہے۔ ان کے غیر انسانی حربوں میں پاخانوں کے اندر قرآنی نسخوں کو بہانا، قیدیوں کے چہروں پر جعلی یا اصلی ماہواری (حیض) والا خون مل لینا⁽⁵³³⁾ اور مسلمانوں کی دلآزاری کے لیے عورتوں کو ننگا کر کے سامنے لانا جیسی اذیت ناک حرکتیں شامل تھیں۔⁽⁵³⁴⁾ ڈنمارک اور کئی دوسرے ملکوں میں مرکزی دھارے (main stream) میں شامل میڈیا پر حضور نبی کریم ﷺ کے خاکوں پر مبنی تصاویر کی اشاعت اور ان شنیع حرکتوں کی آزادی تقریر (تحریر) کے نام پر حمایت یہ واضح کرتی ہے کہ اسلام کے خلاف ایسی ذہن سازی کی گئی ہے کہ مسلمانوں کو جسمانی طور پر اذیت دینے اور نفسیاتی طور پر ذلیل کرنے سے ایک گونہ اطمینان (خوشی) حاصل کیا جاتا ہے۔ دہشت ناک کے متعلق دستاویزی ثبوت موجود ہیں۔ جیسے آر لینڈ سے تعلق رکھنے والے جیمی ڈران کی فلم (افغان قتل عام، موت کا قافلہ) "Afghan Massacre: The Convoy of Death" اس کی توثیق کرتی ہے کہ جنگی جرائم کئے گئے ہیں اور اب بھی امریکی فوج افغانستان میں ان جرائم کو جاری رکھے ہوئے ہے۔⁽⁵³⁵⁾ ان جرائم کا ارتکاب بُش کے احکام کے تحت کیا گیا جو ان تمام آپریشنوں کا کمانڈر ان چیف تھا۔ قیدیوں کو کنٹینروں میں دم گھٹا کر اور خفیہ قید خانوں میں رکھ مار دیا گیا اور بعض اوقات ذبح کر کے ہلاک کیا گیا، جیسا کہ شہرغان کے قید خانہ میں ہوا کرتا تھا۔ تمام مشتبہ افراد کو ایک خوفناک وحشت کا نشانہ بنانا ان صلیبیوں کا بنیادی مقصد تھا۔⁽⁵³⁶⁾

دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر مشرق بعید کے لیے بین الاقوامی ٹریپول کہتا ہے: ”عمومی طور پر جاپان میں گرفتار کئے ہوئے قیدیوں کی ذمہ داری کے متعلق سمجھنا چاہیے۔ یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے حکومتی ارکان پر، ان فوجی یا نیوی آفیسرز پر جو ان فارمیٹرز کے کمانڈر تھے جن کے قبضہ میں قیدی تھے، ان محکموں کے افسران پر جو قیدیوں کی بہبود سے متعلق تھے، ان حکام پر جو خواہ سول تھے، فوجی یا نیوی سے وابستہ تھے جن کو براہ راست اور فوری طور پر قیدیوں کے اوپر کنٹرول حاصل تھا۔“

ان رہنما اصولوں کو سامنے رکھ کر یہ معلوم کرنا مشکل نہیں رہتا کہ قلعہ جنگلی میں چار ہزار

زیر حراست جنگی قیدیوں پر بمباری کرنے، بگرام، قندھار، بجرہند میں واقع (جزیرہ) ڈیگوار شیا (537) اور گوانتا نامو بے میں قیدیوں (538) کو اذیتیں دینے، کنیشنروں میں (539) قیدیوں کو لے کر جانے، پانچ چھ سو بے ہوش اور سخت زخمی قیدیوں کو دشت لیلیٰ میں بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قتل کرنے جیسی مذموم ترین شیطانی حرکات کا ذمہ دار کون ہے؟ 1949 کا جنیوا کنونشن (iii) اور 1977 کا ایڈیشنل پروٹوکول (540) یہ لازم قرار دیتا ہے کہ شہری آبادیوں کو دوران جنگ محفوظ رکھا جائے۔ جنیوا کنونشن کا آرٹیکل 3 تاکید کرتا ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ جو جنگی کارروائیوں میں حصہ نہیں لیتے، بشمول ان کے جنہوں نے اسلحہ رکھ دیا ہو، بیمار اور زخمی ہوں، ہر حالت میں بلا امتیاز ہمدردی کا سلوک کرنا چاہیے۔ ایسے لوگوں کو نشانہ بنانا منع ہے۔ لہذا فوجی اہداف اور دشمن کے خلاف جو ہتھیار استعمال کیا جا رہا ہو، وہ ایسا نہ ہو کہ اس کا اثر اندھا دھند ہو، جس سے عام شہری اور وہ جنہوں نے اسلحہ رکھ کر مقابلہ چھوڑ دیا ہو، متاثر ہو جائیں۔

جنیوا کنونشنز کے ساتھ اضافہ کردہ 1977ء کے پروٹوکول 1 آرٹیکل 48 رکی بین الاقوامی قانون کا بنیادی ضابطہ وضع کرتا ہے جو تمام ملکوں پر لاگو ہوتا ہے خواہ انھوں نے ایڈیشنل پروٹوکول 1 پر دستخط کئے ہوں یا نہ کئے ہوں۔ جنگ کے متعلق یہ رکی قوانین جو تقریباً گزشتہ ڈیڑھ صدی سے زیادہ عرصہ سے موجود ہیں اور پہلے سے موجود کثیر الجہات معاہدوں کی شرائط کی عکاسی کرتے ہیں، یہ کہتے ہیں: ”تنازعہ کے تمام فریقوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ شہری آبادیوں اور ان کے ساتھ برسر پیکار دشمن اور شہری اہداف اور فوجی اہداف میں فرق کو ملحوظ رکھیں اور یہ بھی خیال رکھیں کہ ان کی کارروائیوں کا رُخ صرف فوجی اہداف کی طرف ہو۔“

یہ طالبان عہد کے بعد کے افغانستان کی حقیقت کا ایک حصہ ہے، جہاں نام نہاد مغربی ”از سر نو تعمیر“ (Reconstruction) کے کام پر اس وقت تک آٹھ بلین ڈالر خرچ کئے گئے ہیں۔ اس ظالمانہ جنگی مداخلت، قتل عام، قید و بند اور اذیت رسانی کا مقصد یہ ہے کہ ایک قوم کو ایک ایسی حکومت کے آگے جھکنے پر مجبور کیا جائے جس کی سربراہی سی آئی اے کے ایک پٹھو کو سونپ دی گئی ہے اور یہ کہ وہ قوم اسلام کی بجائے اس طرز زندگی کو اختیار کرنے پر تیار ہو جائے جو دور جدید کے صلیبی چاہتے ہیں۔

اصل جرائم بے نقاب ہو گئے!

طالبان کو اقتدار سے بے دخل کرنے اور مسلمانوں کو ایک اسلامی معاشرے اور طرز زندگی کا نمونہ پیش کرنے سے روکنے کے اصل مقصد کے علاوہ امریکہ نے افغانستان پر قبضہ کرنے سے جو دوسرے فوائد حاصل کئے وہ اب ہماری آنکھوں کے سامنے آ گئے ہیں۔ اپنے ایک منظور نظر آمر کے ہاتھ میں اقتدار دے کر پاکستان کو پوری طرح سے غیر جانبدار بنادیا گیا، جہاں سے اب کسی ایسی اسلامی تحریک کا فوری طور پر اٹھنا بعید از امکان ہے جو امت مسلمہ کو ایک اسلامی وحدت میں متحد کر سکے۔ مسلمانوں کا حق خود اختیاری حاصل کرنا اب ایک ایسے خواب کی مانند ہے جو مستقبل میں مدت مدید تک تخیلِ تعبیر رہے گا۔ لندن میں 7 جولائی 2005ء کے سب وے بس دھماکے کے واقعہ کے نتیجہ میں برطانوی حکومت نے اتنے لوگوں پر ہاتھ نہیں ڈالا جتنے پرویز مشرف نے پاکستان میں گرفتار کر دیئے۔ یعنی صرف دو ہفتوں کے اندر اندر برق رفتاری کے ساتھ تین سولوگوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ آمریت کو دستوری تحفظ دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہبی سیاسی پارٹیوں کے استحصال کی راہ پوری طرح ہموار کر لی گئی، اس کے باوجود کہ ان پارٹیوں کو ایک اسلامی ریاست قائم کرنے کا کوئی موقع میسر نہیں تھا۔ وسیع تر علاقائی تناظر میں دیکھا جائے تو امریکہ نے اب ایران کو شمال و جنوب دونوں اطراف سے گھیر رکھا ہے۔ سابق سوویت یونین سے آزاد ہونے والی نئی خود مختار مملکتوں کی بھی امریکہ کے زیر اثر آنے کی راہ اب ہموار ہو چکی ہیں۔ سوویت یونین سے علیحدگی کے بعد قازقستان، ترکمانستان، ازبکستان، تاجکستان، کرغیزستان، جارجیا اور آذربائیجان کی آزاد مملکتیں تو کامیابی کے ساتھ قائم کی جا چکی ہیں۔ اب صرف جارجیا اور آذربائیجان کے شمال کی طرف واقع علاقہ کے لیے روس سے ٹوٹ جانا باقی ہے، جس سے روس کے بحیرہ کیسپین پر علاقائی حقوق کا خاتمہ ہو جائے گا۔ نئی خود مختار مملکتیں اب روسی غلبہ کی بجائے امریکی ریاستی بالادستی کے زیر اثر ہوں گی۔ مزید برآں بجائے اس کے کہ مقامی ثقافت، شناخت اور خود اختیاری جیسی قومی صفات اپنی اصلی شکل میں مؤثر ہو سکیں، نئی آزاد مملکتیں ان مقامی ”جمہوری طریقہ سے منتخب شدہ“ غاصبوں کے رحم

و کرم پر ہوں گی (جیسے اسلام کریموف ہے) جو ذاتی مفادات اور اقتدار میں رہنے کے لیے امریکہ کے ساتھ ہر قسم کے لین دین کے لیے تیار رہیں گے۔

امریکہ غاصب مسلمان مملکتوں کے سربراہوں کے ساتھ کاروباری مراسم استوار کرنے پر پھولے نہیں مانتا۔ مقامی غاصبوں کو اقتدار میں لا کر رکھنے کے پس پردہ جو خیال کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ یہی لوگ مقامی اسلامی تحریکات کو لگام دے سکتے ہیں۔ دیکھیں، ازبکستان کا آمر اسلام کریموف سینکڑوں شہریوں کو موت کے گھاٹ اتارتا ہے اور پھر یہ کہہ کر اس جرم سے اپنے آپ کو معز کر دیتا ہے کہ ”وہ خلافت کا نظام قائم کرنے چلے تھے“۔ (541) افغانستان کی بیس سالہ خانہ جنگی جس میں یہ ملک تباہ و برباد ہو کر مفلسی، ہولناک اموات اور مصائب کا شکار ہوا امریکہ کی سوچی سمجھی پالیسی تھی۔ دراصل اس خطے میں اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لیے ابتداء امریکہ نے طالبان کی پشت پناہی کی۔

نیوکنزرویٹوز کے ہاں مسلمانوں کو اسلام سے دور رکھنے کی جو فکر تھی وہ اتنی دور رس تھی کہ وہ اس بات کو ضروری خیال کرنے لگے کہ اسلامی دنیا کو گھیرے میں لینا ناگزیر ہے، تاکہ مسلمانوں کو اپنے حق خود اختیاری اور خود مختاری کو بروئے کار لانے سے روکا جاسکے۔ اسلام سے خائف گروہ کے خیال میں مسلمانوں کو خواہی نخواہی اپنی مملکتوں کے اندر لادینیت (سیکولرازم) کے آگے سر جھکا کر ان ”معتدل“ معیارات کے مطابق زندگی بسر کرنی ہوگی جو اُس نے معین کر رکھے ہیں۔ اسلام سے خائف طاقتیں کسی نہ کسی طریقہ سے تمام اسلامی ممالک پر اپنا تسلط چاہتی ہیں، تاکہ وہ مسلمانوں کو مجبور کر سکیں کہ مسلمان قرآن کو اللہ تعالیٰ کے آخری منشور کے طور پر تسلیم نہ کریں اور کسی بھی طور پر قرآن اور سنت کے مطابق زندگی نہ گزاریں۔ (542) اگر وہ ایسا کرتے ہیں یا ایسا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان پر ضرور حملہ کر کے قبضہ کرنا چاہیے، اور ان کو ”مہذب“ اور ”جہوری“ بنانا چاہیے۔ بعض ممالک تو ایسے ہیں کہ وہ دھمکیوں اور لالچ کے حربوں کے سامنے دب جائیں گے جیسے کہ آج تک پاکستان کا معاملہ ہے اور بعض دوسرے ایسے ہوں گے جن پر نہ جھکنے کی وجہ براہ راست حملہ ضروری ہوگا جیسا کہ افغانستان ہے۔

سٹیج کردہ نائن الیون کے ڈرامے نے 21 ویں صدی کے صلیبیوں کے ہاتھوں میں دنیا میں کسی بھی ملک پر ”دہشت گردی کے خلاف جنگ“ کے بہانے ایک کھلا لائسنس دے رکھا ہے۔ یہ جنگ اب صاف طور پر مسلمانوں کے درمیان ان ”انتہا پسندوں“ کو پکڑنے کے عمل

میں تبدیل ہو چکی ہے جو خلافت کو از سر نو قائم کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ (543) افغانستان میں ہم نے آخری صلیبی جنگ کے عمل تخلیق کا مشاہدہ کیا۔ سوڈان بھی ہونے والا ایک ہدف ہے۔ ابتدائی طور پر اسی قسم کی تہمیدی تیاری میڈیا کی ذریعے کی جاتی رہی جس طرح کہ افغانستان پر حملہ اور قبضہ کے لیے راہ ہموار کرنے کے لیے کی گئی تھی۔ نیویارک ٹائمز کے نکولاس کرسٹوف کو ایک اور افغانستان جیسی مہم کے لیے خصوصی ذمہ داری سونپ دی گئی ہے کہ وہ سوڈان پر ”نسل کشی“ کے متعلق ہفتہ وار رپورٹیں لکھا کرے۔ (544) ایران اور شام بھی آئندہ مداخلت کے لیے واضح اہداف ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اہم ہدف قرآن ہے جس کے متعلق یہ مطالبات اٹھائے جا رہے ہیں کہ اس پر (نعوذ باللہ) پابندی عائد کی جائے۔ (545) جوں جوں صلیبی مداخلت (جنگیں) آگے بڑھتی رہے گی، ایسے مطالبات اور ابھرتے چلے جائیں گے۔

نائن الیون حملے نے امریکہ اور اس کے اتحادیوں، برطانیہ وغیرہ کے ہاتھ میں ایک ایسا خالی چیک تھما دیا ہے جس کی رو سے جو شہری بھی انصاف اور قانون کی حکمرانی کے لیے دہائی وے اسے ”دہشت گردوں کا ہمدرد“ کے الفاظ کہہ کر خاموش کیا جاسکتا ہے۔ 7 جولائی 2005ء کے حملہ کے بعد برطانوی حکومت نے چاہا کہ وہ عالمی انتہا پسندوں کی ایک فہرست تیار کرے، ایک ایسی فہرست جس میں ایسے تمام لوگوں کو شامل کیا جائے جو ضروری نہیں کہ دہشت گردی میں ملوث ہوں بلکہ ان کے متعلق صرف یہ خیال کیا جاتا ہو کہ ان کی سرگرمیاں بالواسطہ تشدد کو بھڑکانے کا سبب بنتی ہیں۔ (546) اس خالی چیک کے معنی یہ ہیں کہ کوئی بھی شخص جو حال کے صلیبیوں کی پالیسیوں کی ہموائی نہیں کرتا، اسے تشدد بھڑکانے کا ذریعہ سمجھا جائے گا اور ”انتہا پسند“ گردانا جائے گا۔ لہذا اُسے نکال باہر کیا جائے گا، ملک بدر کیا جائے گا اور کیا پتہ اسے گیس چیمبرز میں داخل کر کے گزارا جائے، اگر اسی طرح کے چند اور نائن الیون اور سیون سیون جیسے ڈرامے بیچ کئے جاسکیں۔ (547)

افغانستان پر حملہ اور قبضہ کے پس پردہ کارفرما مقاصد قابض فوجوں کے افغان دستور کو ”جدید بنائے“ کے عمل سے اور بھی واضح ہو گئے ہیں۔ بُش، رمزفیلڈ اور ان کے فوجی کمانڈر ابی زید کے کھلے بیانات بھی یہ بات واضح کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہماری جنگ مسلمانوں کی اس جدوجہد کے خلاف ہے جس میں وہ ساتویں صدی کی جنت کا احیاء چاہتے ہیں۔ (548) دو مسلم ممالک پر گزشتہ کئی سالوں سے قبضہ اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ افراد کی ہلاکت جن میں امریکی

بھی شامل ہیں، کھلی دہشت گردی ہے۔ امریکہ کے سب سے بڑے دہشت گرد جنرل ابی زید کو یقین ہے کہ ”طویل جنگ ابھی صرف اپنے ابتدائی مراحل میں ہے“۔ آپ ذرا اس جنگ کے آگے کے مراحل کا اندازہ کریں جو اسلامی دنیا کو ”جدید بنانے“ کے مقصد سے لڑی جائے گی اور ہاں اس جنگ کی اقتصادی تباہ کاریوں کا بھی ذرا اندازہ کیجئے۔ (549)

نیویارک ٹائمز کے 14 نومبر 2003ء کے ادارہ نے افغان جنگ کے پس پردہ کارفرما مقاصد کے متعلق کسی قسم کا شائبہ نہیں چھوڑا۔ ایک خاص ذہن سے تیار کردہ یہ ادارہ اس ذہنیت کو بے نقاب کر دیتا ہے جو دہشت گردی کے خلاف جنگ کے عنوان سے افغانستان اور دوسری جگہوں پر جاری جارحیت کے پیچھے چھپی ہے۔

افغانستان میں دستور سازی کی کوششوں پر تبصرہ کرتے ہوئے نیویارک ٹائمز لکھتا ہے کہ ڈرافٹ میں بعض ”امید افزا تمناؤں“ شامل ہیں — لیکن اس نہایت اہم دستاویز کے بعض پہلو تکلیف دہ بھی ہیں۔ نیویارک ٹائمز کے ایڈیٹروں کے لیے خوشی کا موقع وہ ہے جب وہ دیکھتے ہیں کہ ”دستاویز شریعت پر زور نہیں دیتی“ کیونکہ انھیں یقین ہے کہ ”دوسری تحدیدات کے علاوہ شریعت میں اختلاف رائے کو برداشت کرنے کی گنجائش نہیں“۔ اب یہ الفاظ ایک آدمی کو یہ کہنے پر مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ نیویارک ٹائمز کے ادارتی بورڈ کے سامنے یہ سوال رکھے کہ ”کسی جمہوریت میں اختلاف رائے کی گنجائش موجود ہونے کا فائدہ کیا ہے؟ جب یہ اپنے جمہوری طور پر منتخب شدہ نمائندوں کو فریب کاری، جھوٹ اور دھوکا دہی کی بنیاد پر شروع کردہ ظالمانہ جنگوں سے منع نہ کر سکی۔

اشرافیہ کی ایک ”جمہوری“ حکومت جس طرح جھوٹ اور دھوکے کا سہارا لے کر اکثریت پر حکمرانی کرتی ہے، اس بارے میں اختلاف رائے کے متعلق نیویارک ٹائمز بات نہیں کرتا۔ جس اختلاف رائے کا اخبار تذکرہ کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کے مطابق رہنے سے انکار کیا جائے اور قرآن کو ”اللہ کے آخری منشور کے طور پر تسلیم کرنے کو مسترد کیا جائے“ جس طرح کہ ارشاد منجی کا اختلاف رائے تھا جو ایک خود اقراری ہم جنس پرست عورت تھی اور ”اسلام کا المیہ“ (The Trouble with Islam) نامی کتاب کی مصنفہ تھی۔ (550) نیویارک ٹائمز جس اختلاف پر رائے زنی کرتا ہے وہ وہی ہے جس پر سوڈانی اکیڈمیک اور ہیومن رائٹس کا سرگرم کارکن عبداللہ النائم کام کرتا ہے۔ النائم کی کوشش یہ ہے کہ (نعوذ باللہ) قرآن کے ان حصوں

کو مسٹر کر دیا جائے جن کا نزول بحیثیت مدنی قرآن ہوا ہے۔ (551) النائم کی نگاہوں میں مدینہ میں نازل شدہ قرآنی حصے مسلمان مردوں کو مسلمان عورتوں اور غیر مسلموں پر فوقیت دے کر امتیاز و تفریق کو فروغ دیتے ہیں۔ ان ”تضادات“ کو دور کرنے کے لیے وہ نسخ (ناسخ و منسوخ کی اصطلاح) کو الٹا کرنے کی تجویز دیتا ہے یعنی (نعوذ باللہ) قرآن کے ان حصوں کو منسوخ کیا جائے جو مدنی ہیں اور جو ماقبل کے حصوں سے متضاد ہیں۔ (552) یہ ہیں وہ چیزیں جو دور جدید کے صلیبی چاہتے ہیں۔ یہ معاملہ قرآن کے حصوں کو مسٹر دکنے پر بھی آکر ختم نہیں ہوگا۔ ایونجلیسٹ (اہل انجیل) نے حال ہی میں یہ مطالبہ بھی کیا ہے کہ قرآن پر مکمل پابندی لگا دی جائے۔ (553)

نیو کنزرویٹوز، ایونجلیسٹ (554) اور وینی کن (555) نے قرآن کے مختلف حصوں کے ساتھ مختلف مسائل کو متعلق کرنے کی مذموم حرکت شروع کر رکھی ہے۔ پوپ بینڈکٹ کو قرآن کی مرکزیت کا احساس ہے۔ Ignatius press سان فرانسسکو میں پوپ کے شائع کردہ انٹرویو (1997ء) "Salt of the Earth" میں جسے The Church at the End of the Millennium کا نام دیا گیا ہے، پوپ نے مسلمانوں کے لیے قرآن پر عمل کی ضرورت کے متعلق اپنے فکر کو ان الفاظ میں کھول کر بیان کیا ہے: ”اسلامی ضابطے اور احکام کو قانونی حیثیت میں رو بہ عمل لانے کے متعلق مغرب میں آج کل کا بحث و مباحثہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تمام مذاہب کی بنیادی ساخت ایک جیسی ہے، لہذا وہ تمام کسی بھی جمہوری نظام کے دیئے ہوئے ضابطوں کے تحت چل سکتے ہیں۔ البتہ اسلام کے لیے ایسا ہونا اس کی روح سے متضاد ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ اسلام میں سیاسی اور مذہبی دائرے ایک دوسرے سے جدا نہیں، جبکہ عیسائیت ابتدا ہی سے ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ دائرے مانتی ہے۔ قرآن ایک مکمل مذہبی قانون دیتا ہے جو سیاسی اور معاشرتی زندگی کو کلی طور پر منضبط کر دیتا ہے اور وہ اس پر مقرر ہے کہ نظام زندگی پورا کا پورا اسلامی ہوگا۔ شریعت اسلامی معاشرے کو ابتدا سے انتہا تک تشکیل کر دیتی ہے۔ اس معنی میں یہ قرآنی قانون ہمارے دستور میں دی ہوئی بعض آزاد یوں پر قدغن لگا سکتا ہے، گو کہ یہ اس کا ہدف نہیں۔ ہمارے بھی حقوق ہیں جیسے کہ کیتھولکس اور پروٹسٹنٹس کے ہیں۔ لہذا کسی جمہوری نظام کے تحت اسلام (یعنی قرآنی نظام) کو وہ حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی جو اس کی فطرت کا تقاضا ہے۔ کسی ایسے نظام کے تحت ہونا اس کے لیے اپنے

آپ سے ایک گونہ بیگانگی کی حالت ہوگی۔“

اس احساس کے باوجود سارا زور اس نکتہ پر ہے کہ مسلمانوں کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ قرآن کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنانے کی بجائے اسے مغربی طرز حیات اور ”جدید اقدار“ کے ساتھ ہم آہنگ کر لیں۔ ڈینیئل پیپس اس نقطہ نظر کو فروغ دینے والوں میں سے چوٹی کی ایک شخصیت ہے۔ بُش نے بھی اپنے آپ کو اسی سوچ کا حامل ثابت کیا ہے، کیونکہ اس نے آخری حد تک جا کر کوشش کی ہے کہ سرکاری تھنک ٹینک ”United State Institute of Peace“ میں ڈینیئل پیپس کی ممتاز رکنیت یقینی بنادی جائے۔⁽⁵⁵⁶⁾ جدید اعتدال پسندی کیا ہے؟ یہی کہ قرآن کے بعض حصوں کو غیر ضروری ثابت کیا جائے، کیونکہ ان کی زمانہ حال کے حقائق سے کوئی مناسبت نہیں بنتی (نعوذ باللہ)۔ یہی وہ چیز ہے جسے نیویارک ٹائمز نے 14 نومبر 2003ء کے ادارے کے ذریعے بے خونی کے ساتھ مرکزی دھارے میں شامل میڈیا میں لایا ہے۔ درحقیقت اسلامی حکومت کی شکل میں ایک اصل اسلامی ماڈل قائم کرنا طالبان کا ایک خواب تھا۔ یہ خواب اسلام خائف طاقتوں کے لیے ایک خوفناک، ڈراؤنا خواب بن گیا تھا۔ وہ چاہتی ہیں کہ افغانستان کے دستور میں ایسی چیزوں کو شامل کر دیا جائے جن کی بدولت انھیں اس ڈراؤنے خواب سے چھٹکارا مل سکے۔ جس چیز سے یہ ایڈیٹر اور اسلام خائف نیویارک ٹائمز کے کالم نگار تکلیف میں ہیں، وہ یہ ہے کہ ”افغانستان کا مجوزہ دستور کہتا ہے کہ کوئی قانون اسلام کے مقدس مذہب کے مخالف نہیں ہو سکتا“ اور یہ کہ ”سپریم کورٹ کے ممبران کے لیے ضروری ہے کہ وہ یا تو سول لاء یا پھر اسلامک لاء کے عالم ہوں۔ یہ ایک ایسی شرط ہے جو ان ججوں کی تعداد کو بڑھانے کا امکان پیدا کرتی ہے جن کے فیصلے زیادہ تر قرآنی احکام کی بنیاد پر ہوں گے بنسبت سول لاء کے۔“⁽⁵⁵⁷⁾

لہذا ”قرآن کو حکم بنانا“ اصل مسئلہ ہے جو دور جدید کے صلیبیوں کو پریشان کیے جا رہا ہے۔ امریکہ افغانستان میں کیوں براہمان ہے؟ اس کی اصل یہی وجہ ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ افغان مسلمانوں کو انہی قوانین، اقدار اور معیارات کو قبول کرنا ہوگا جو واضح طور پر یا تو قرآن سے متصادم ہوں اور یا قرآن کو مسترد کر دیتے ہوں۔ قرآن کی بنیاد پر فیصلہ کرنا اس لیے ایک مسئلہ ہے، کیونکہ نیویارک ٹائمز کے ایڈیٹروں کے خیال میں ”قرآن اس دستاویز (مجوزہ افغان دستور) میں انسانی حقوق کی تحفظ کو مخدوش بناتا ہے۔“

نیویارک ٹائمز کے مدیران امریکہ اور اُس کے حکام سے اپیل کرتے ہیں کہ ”وہ افغان دستور میں ایسی زبان استعمال کرنے کے لیے دباؤ ڈالیں جس میں قرآن کا کوئی حوالہ نہ ہو۔“ اور پھر یہ مدیران نام نہاد انٹرنیشنل کمیونٹی کو پکار کر اپیل کرتے ہیں ”بین الاقوامی برادری کے لیے وقت ہے کہ پلڑے میں اپنا وزن ڈالے۔ ضروری ہے کہ یہ دستور (مجوزہ افغانی آئین) تمام افغان شہریوں کو مستحکم یہ یقین دلا دے کہ ان کی ”اہم ترین بنیادی آزادیاں ناقابل تبدیل ہیں، جن میں حکومت وقت، اس کی عدالتیں اور مذہبی پیشوا کوئی تبدیلی نہیں لاسکتے اور ان آزادیوں کو سلب نہیں کر سکتے، کیونکہ قرآن حکیم کا کوئی حوالہ اہم ترین بنیادی آزادیوں پر براہ راست نقب لگا کر ان کو ختم کر دے گا۔“

قابل غور نکتہ یہ ہے کہ یہ جو سخت فکر مندی ظاہر کی گئی ہے اور جو اپیل اقوام متحدہ، بین الاقوامی برادری اور امریکی حکام کے نام 14 نومبر 2003 والی نیویارک ٹائمز کے ادارے میں کی گئی ہے، ایسا نہیں کہ یہ امریکہ کے خلاف کسی قسم کی دہشت گردی کے خطرہ کی وجہ سے ہے یا ”وہابی ازم“ کے اثر دھا کی وجہ سے ہے یا کسی غلط معنی میں تعبیر کردہ اسلام کی کسی برائے کی وجہ سے ہو، اس وجہ سے بھی نہیں کہ امریکہ کے خلاف کوئی اعلان جہاد کیا گیا ہے اور نہ ان عنوانات کی وجہ سے ہے جن کو جواز بنا کر اسلام کے خلاف معرکہ آرائیاں کی جاتی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی چیز اس اپیل کا سبب نہیں بنی۔ اصل بات یہ ہے کہ نیویارک ٹائمز کا یہ ادارہ براہ راست پکار کر دُنیا کو یہ دعوت دیتا ہے کہ آگے آؤ، اور افغان قوم کو قرآن سے دور رکھنے کے لیے اپنا کردار ادا کرو۔

یہ ادارہ اسلام خائف قوتوں اور دوسرے ایسے لوگوں کی سوچ کی کھلی نفی کرتا ہے جو اب بھی یہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ کا افغانستان میں ڈیرے ڈالنا طالبان کے رویہ اور اسامہ کی موجودگی کی وجہ سے ہے۔⁽⁵⁵⁸⁾ امریکہ میں دوسرے تھنک ٹینکس بھی نیویارک ٹائمز کے متذکرہ ادارہ کے خطوط پر رپورٹیں مرتب کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ادارہ RAND Institute کے زیر اہتمام "Democracy & Islam in the New Afghanistan Constitution" کے عنوان سے شائع شدہ مضمون⁽⁵⁵⁹⁾ ان لوگوں کے لیے چشم کشا ہے جو اب بھی اس حقیقت کو ماننے کے لیے تیار نہیں کہ دہشت گردی، بنیاد پرستی، اسلام ازم اور اسی قبیل کی دوسری تعفن والی قیاس آرائیاں صرف بہانے ہیں جو اس لئے اختیار کئے گئے ہیں کہ ان کے ذریعے مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھنے کی راہ نکالی جاسکے۔ اسی طرح دور جدید کے

صلیبیوں کے مطابق، (جنہوں نے میڈیا کے سالہا سال کے پروپیگنڈے کے بعد افغانستان پر حملہ کی راہ ہموار کی) افغان آزادی کی زندگی نہیں گزار سکتے، اور ان کے حقوق کے تحفظ کو یقینی نہیں بنایا جاسکتا جب تک کہ ان کے ملکی دستور سے قرآن کا تعلق بالکلیہ ختم نہیں کیا جاتا اور (نعوذ باللہ) ان کو اسلام سے آزادی نہ دلائی جاسکے۔ بے شک افغان عوام قرآن کو گھروں میں ذاتی طور پر حصول ثواب کے لیے پڑھ سکتے ہیں لیکن ایسی کوئی کاوش کہ اسے عملی رہنمائی کے لیے بروئے کار لایا جائے اور اس کی تعلیمات کی روشنی میں زندگی گزاری جائے، یہ دُنیا کے موجودہ جدید نظام کے لیے زبردست خطرہ ہے۔ یہ ہے امریکہ کی اپنے اور اپنے اتحادیوں کے لیے وہ سوچ ہے جس کے تحت 21 ویں صدی کے یہ صلیبی اسلام کے چیلنج کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں (جس کی تفصیل باب سوم میں بیان کی گئی ہے)۔

آخر میں آ کر تمام آزادی و آوارگی اور تمام تر ”روشن خیال اعتدال پسندی“ صاف طور پر اس نکتہ پر جمع ہو چکی ہیں کہ قرآن کو الوداع کہہ کر نکال باہر کیا جائے۔ عراق میں بھی اسی سوچ کو عمل درآمد کے لیے آگے بڑھایا جا رہا ہے۔ سعودی حکومت اور حزب اختلاف دونوں کو ایک بُرائی کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ایران اور شام پر بھی نگاہیں جمی ہوئی ہیں۔ امریکہ اور پاکستان کے درمیان محبت کی پیٹنگیں بڑھانے کی پالیسی بھی زیادہ دیر تک چلنے والی نہیں۔ مدرسوں کو پہلے ہی کافی حد تک بدنام کیا جا چکا ہے۔ صرف یہ ہے کہ ان کو عملی طور پر تباہ کرنے کا کام ابھی شروع نہیں ہوا اور آخر کار جب اس کام کا آغاز ہو جائے گا تو کلی طور پر ان مدرسوں پر پابندی لگنے یا ان کے مکمل انہدام کے نتیجے میں عوامی سطح پر مخالفت کے باوجود امریکی ڈکٹیشن کی کوئی مزاحمت نہیں ہوگی۔

دُنیا کی مسلم حکومتیں ان ظالمانہ جنگوں اور ان کے نتیجے میں افغانستان اور عراق پر ناجائز قبضہ جمانے پر خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ افغانستان اور عراق میں کامیابی حاصل کر لینے کے بعد امریکہ اور اتحادی مل کر بقیہ مسلم دُنیا کو بھی اس پر مجبور کریں گے کہ وہ بھی قرآن اور ایک اسلامی شناخت کے ساتھ اسلام کے تحت زندگی گزارنے کے جذبہ کو خدا حافظ کہہ کر فارغ ہو جائیں۔ بد قسمتی سے مسلمانوں میں ایک جسم کے مانند بحیثیت ایک امت زندہ رہنے کا کوئی شعور باقی نہیں رہا۔ لیکن پھر بھی ایک سوال ہے جو پوچھا جانا چاہیے، اور وہ یہ کہ ”قطع نظر اس سے کہ مسلمان مصنوعی طور پر منقسم ہو چکے ہیں اور ان میں اتحاد اور اسلام کے مطابق زندگی بسر

کرنے کے فریضہ کے احساس کا فقدان بھی ہے، کیا وہ اس پر بھی تیار ہو جائیں گے کہ (نعوذ باللہ) وہ قرآن کو مسترد کر دیں، جس کا کہ یہ صلیبی مطالبہ کرتے ہیں؟“ اس سوال کا جواب اور اس کے عواقب ایسی چیزیں ہیں جن پر ہر ایک کو سوچنا چاہیے۔

عقدہ کھلتا ہے

اس کتاب کے تعارفی صفحات میں کی گئی بحث سے یہ بات صاف عیاں ہے کہ امریکہ کے لیے یہ کیسے ممکن ہوا کہ وہ پچیس دن کی قلیل مدت میں افغانستان پر حملہ کرنے کا فیصلہ اور اس پر عمل درآمد کر لے۔ اس وسیع پیمانے پر منصوبہ بندی اور حملہ کے لیے بہت بڑے ذرائع، انسانی کاوشوں اور سب سے اہم چیز یعنی وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارے لیے ان سب چیزوں سے زیادہ اہم اس بات کی تہہ تک پہنچتا ہے کہ ہمارے زمانے کے ان وحشیوں کو اس وحشیانہ کارروائی پر کس چیز نے ابھارا۔

جو نتیجہ بآسانی اخذ کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ امریکی انتظامیہ کو جس چیز نے افغانستان پر یلغار پر ابھارا، وہ اس کی یہ خواہش تھی کہ افغانستان کے قدرتی وسائل پر قبضہ کر کے ان کو اپنے لئے محفوظ کر لے۔ یہ خیال ان لوگوں کا بھی ہے جو نائن الیون سے متعلق سرکاری کہانی کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ افغانستان تو زمانے سے موجود رہا ہے اور یہ کہ امریکہ دیگر ذرائع سے افغانستان اور دوسری جگہوں میں قدرتی وسائل تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔ مزید برآں افغانستان میں جو قدرتی وسائل موجود ہیں، ایسا نہیں کہ امریکہ میں ان کی کوئی کمی یا قلت ہے، اور نہ ہی ان ذرائع کی کوئی کمی تھی کہ جو یونوکول اور ہالی برٹن کے ترکمانستان، افغانستان اور پاکستان کے درمیان آئل اور گیس پائپ لائن بچھانے کے لیے ضروری تھے۔ پھر امریکی انتظامیہ نے افغانستان کے خلاف ایک بلا جواز جنگ کیوں شروع کی اور یہ جنگ اب تک کیوں جاری ہے؟“ اور سب سے زیادہ اہم پہلو یہ ہے کہ اس پائپ لائن کی اتنی اہمیت کیوں ہو گئی کہ اس کے لیے امریکہ کے ایک سرکاری اہلکار ٹام سائمنر کے ذریعے ایک سخت الٹی میٹم دیا گیا، جس نے افغان حکومت کو پاکستانی وفد کے ذریعے (جو ان کے درمیان پیغام رسانی کے کام پر مامور تھا) یہ تنبیہ کی کہ یا تو تم ہماری طرف سے سونے کے ایک قالین کا تحفہ قبول کرو، یا پھر ہم تمہیں بموں کے قالین کے نیچے دفن کریں گے۔“ (580) لی کولڈرن، جو امریکی وفد کا ایک ممبر تھا، اس نے اسی اجلاس میں امریکہ کے اس الٹی میٹم کی

تصدیق کی۔ وہ کہتا ہے ”میرا خیال ہے کہ وہاں پر کچھ بحث ہوئی جو اس بارے میں تھی کہ امریکہ طالبان سے اس حد تک مایوس ہو چکا ہے کہ وہ فوجی اقدام پر غور کرنے لگا ہے۔“ یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ بحث و تمحیص اور دھمکیاں نائن الیون سے بہت پہلے ہو چکی تھیں۔ (561)

پاکستان کے ایک سابق سیکرٹری خارجہ نیاز اے نایک، جو ماہ جولائی 2001ء کے دوران برلن مذاکرات میں وفد کے ممبر تھے، کہتے ہیں کہ ”انھیں بتایا گیا تھا کہ امریکہ تاجکستان سے اپنے حملے کا آغاز کرے گا، جہاں امریکی ایڈوائزر پہلے سے پہنچ چکے تھے۔ ازبکستان بھی اس حملے میں حصہ لے گا اور یہ کہ 17 ہزار روسی فوجی بھی تیار کھڑے ہیں۔“ (562) ان تمام حقائق کے باوجود اگر ہم اب بھی یہ یقین کرتے جائیں کہ امریکہ کی طرف سے جنگ کی یہ تمام منصوبہ بندی اور طالبان کو ”کارپٹ بمباری“ کی دھمکی بس تیل اور پائپ لائن کے لیے تھی تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم جان بوجھ کر اپنے آپ کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔

ایک طرف یہ بودی دلیل دی جاتی ہے کہ افغانستان پر حملہ تیل اور توانائی کے وسائل پر کنٹرول کرنے کے لیے کیا گیا تھا اور دوسری جانب یہ نتائج اخذ کیے جاتے ہیں کہ افغانستان پر حملہ نائن الیون کی بربریت کی وجہ سے تھا، امریکہ ایک مدافعانہ جنگ پر مجبور ہوا۔ گزشتہ بیان کردہ حقائق بتاتے ہیں کہ طالبان کا نائن الیون کے ساتھ کوئی تعلق تھا ہی نہیں اور اسامہ پر ہاتھ ڈالنے کے لیے افغانستان پر حملہ کا کوئی معقول جواز نہیں بنتا تھا کہ اس پر حملہ کر کے پھر اس پر لامتناہی مدت کے لیے تسلط قائم کیا جائے۔ حملہ کی منصوبہ بندی نائن الیون سے پہلے کی جا چکی تھی اور نائن الیون کا آپریشن اتنا باریک اور پیچیدہ تھا کہ افغانستان کے غاروں میں رہنے والوں کے لیے اس کی تیاری اور اس کو آخری تفصیل تک بروئے کار لانے کا معاملہ ناممکن تھا (باب پنجم دیکھ لیں)۔

ہر امن پسند انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یہ جنگ قدرتی وسائل کے لیے تھی، یا پھر نائن الیون کے جوابی حملے کے طور پر برپا کردہ تھی۔ لیکن بد قسمتی سے معاملہ یہ نہیں ہے۔ باب پنجم میں تفصیلاً بیان کردہ شہادتیں اور منصفہ شہود پر آنے والی رپورٹیں یہ بتاتی ہیں کہ اس جنگ کا اصل محرک یہی چیز تھی کہ مسلمانوں کو متحد ہو کر اور ایک امت کی حیثیت سے رہنے اور اسلام کے مطابق زندگی گزارنے سے روکا جائے۔

یہ ممکن تھا کہ ہم ان صلیبوں کو شک کا فائدہ دے کر اس جنگ کو القاعدہ یا مہلک ہتھیاروں

(WMD) کے خلاف جنگ تصور کرتے، تاہم تقریباً ہفتہ وار بنیادوں پر رمز فیلڈ اور اس قبیل کے دوسرے لوگوں کی طرف سے آنے والے بیانات سے جن میں وہ خواہ مخواہ ”خلافت“ کا تذکرہ کرتے ہیں، دور جدید کے ان صلیبیوں کے عزائم کی نشاندہی ہو جاتی ہے۔ آپ ذرائع اور رمز فیلڈ کے بیانات کا تسلسل دیکھیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عراق کی جنگ ”خلافت“ کے خلاف جنگ ہے۔ رمز فیلڈ نے وہی بیان ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ کی ایک بریفنگ کے دوران دہرایا۔ یہ بیان سی این این کے لیٹ ایڈیشن، سی بی ایس کے فیس دی نیشن اور پی بی ایس کے نیوز ہاؤس کے پروگراموں اور دوسرے نیوز شوں میں سامنے آیا۔ (583)

یہ بیانات دور جدید کے صلیبیوں کے ارادوں سے پردہ اٹھانے کے لیے کافی ہیں۔ تاہم اگر کوئی اب بھی ان صلیبیوں کے اصل اہداف کے متعلق جاننے میں دشواری محسوس کرتا ہے، تو ایسے لوگوں کو ظاہر میں نظر آنے والے محاذوں اور افغان جنگ کے متعلق بیان کردہ اہداف سے آگے گزر کر جانا ہوگا۔ درحقیقت یہ مذہبی نظریہ اور صلیبی جذبہ ہے جس نے ظاہری اور پوشیدہ وارلارڈز کو متحرک کر دیا ہے۔ یہ جو کھلے اور ظاہر وارلارڈز ہیں، وہ اسلام اور اس کی اہم ترین اساسات قرآن اور سنت کو چیلنج کرتے ہیں۔ اور جو در پردہ ہیں وہ آزاد خیال تجزیہ کاروں اور رپورٹروں کے بھیس میں اسی قسم کے نقطہ نظر اور اسلام کے خلاف معرکہ آرائی کو بڑھاوا دیتے ہیں۔ اسے انھوں نے ”اسلام کے اندر جنگ“ (A war with in Islam) ”اور نظریات کی جنگ“ (A war of ideas) کا نام دیا ہے۔ یہ مذہبی جنگ جو بسا اوقات پس پردہ رہتے ہیں۔ تاہم وہ بظاہر سیکولر دکھائی دینے والوں کو اخلاقی جذبہ مہیا کرتے ہیں۔ یہ بظاہر سیکولر جدید قدامت پسند افراد اور ادارے ہر اس چیز کی مذمت کرتے ہیں جس کا اسلام کے ساتھ دور کا بھی کوئی تعلق ہو۔ ان کی تو بات ہی کیا ہے جو علانیہ کہتے ہیں کہ ”طالبان اس منہاج پر ایک نظام برپا کرنا چاہتے ہیں، جس پر محمد (ﷺ) نے برپا کیا تھا“۔ وہ در پردہ وارلارڈز جو مذہبی محاذ کے ساتھ اپنی وابستگی کو چھپاتے ہیں وہ وہی ہیں جنہوں نے ایک گھناؤنا کردار ادا کر کے مسلسل جھوٹ بول کر اور غلط فہمیوں کے ذریعے حقیقت کو مسخ کر دیا۔

غیر جانبداری، آزادی اور سیکولر ازم کے پردے کے پیچھے چھپے ہوئے وارلارڈز نے افغانستان پر حملہ کی راہ ہموار کی۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج بھی عراق کے خلاف جنگ پر ہر کوئی تنقید کرتا ہے جبکہ دوسری طرف ایسے لوگ بہت کم ہیں جو افغانستان پر امریکہ کی مسلط کردہ جنگ کو ناجائز

اور غیر قانونی تسلیم کرتے ہوں۔ طویل مدت سے بائیں بازو کی طرف مائل امریکی خارجہ پالیسی کے نقادوں نے بھی نائن الیون کی سرکاری کہانی کو تسلیم کیا ہے۔

جائز ہونے کے پردے کے پیچھے، 21 ویں صدی کے صلیبیوں کے ابتدائی معرکے افغانستان میں جاری ہیں۔ اس کشمکش کا اصل مقصد 30 مئی 2004ء کے جرمن اخبار "Welt

"am Sonntag" میں بعنوان "Millionen gegen Muhammad" (نعوذ باللہ لاکھوں لوگ محمد (ﷺ) کے خلاف) (564) میں شائع ہوا۔ عنوان کے نیچے والی سطر کچھ

اس طرح تھی: "Der Vatikan will weltweit die Ausbreitung des Islam stoppen" (دینی کن چاہتا ہے کہ اسلام کے عالمی سطح پر پھیلاؤ کو روکے۔)

یہی تمام صلیبیوں کا ہدف ہے۔ باقی جو کچھ ہم سنتے ہیں مثلاً بنیاد پرستی، سیاسی اسلام، اسلام ازم وغیرہ یہ صرف بہانے ہیں، جو دنیا کو بے وقوف بنانے اور استعمال کرنے کے لیے بنائے جاتے ہیں، تاکہ اپنے ہدف کو حاصل کیا جاسکے۔ واقعہ یہ ہے کہ صلیبیوں کے اسلام کے خلاف 21 ویں صدی کا پہلا نشانہ طالبان بن گئے ورنہ یہ جنگ بہت طویل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آخری صلیبی معرکہ برپا کرنے والے اسلام کا پھیلاؤ رد کرنا چاہتے ہیں اور ان تمام امکانات کو ختم کرنا چاہتے ہیں جو مسلمانوں کو اسلامی طرز حکومت کا ماڈل قائم کرنے کے لیے مددگار ثابت ہو سکتے ہیں، تاہم یہ اسلام خائف عناصر بر ملا اپنی مذموم خواہش کا اظہار نہیں کر سکتے کہ طالبان ایک اسلامی ماڈل سوسائٹی قائم نہ کریں اور وہ طریقے نہ اپنائیں جو اسلامی قانون کے مطابق حکومت کرنے میں مدد دیں۔ انھیں بعض سٹریٹجک طریقے اپنانے تھے اور خصوصی ذرائع استعمال کر کے طالبان حکومت کو بدنام کرنا تھا اور مسلمانوں کو عموماً اور افغانوں کو خصوصاً تقسیم کرنا اور یہ ثابت کرنا تھا کہ (نعوذ باللہ) اسلام کے اصولوں کے ذریعے حکومت کرنا زندگی کا سب سے بڑا سفاکانہ طریقہ ہے، اور "متمدن" دنیا میں اس طرز حکمرانی کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

افغانستان پر ناجائز قبضہ پر خاموشی دور جدید کے صلیبیوں کی اس سٹریٹجی کی کامیابی کی شہادت ہے، جیسا کہ باب اول تا سوم بیان کیا گیا ہے۔ ان مذہبی جذبات رکھنے والے وار لارڈز کے لیے تحریک کا ذریعہ وہ آخری مقصد ہے جو افغانستان پر حملہ کے پیچھے ہے اور جرمن اخبار کے مطابق وہ یہ ہے کہ اس "جاریت پسند مذہب" (اسلام) کو روکا جاسکے اور ساتھ ہی

”عیسائی مذہب کو پھیلنے دیا جائے۔“ یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ خفیہ نو قدامت پسند جو میڈیا، تعلیم اور سیاست کے میدانوں پر قابض ہیں کیوں سیکولر ڈیموکریسی اور مادر پدر آزاد آزادی کے پیچھے چہرے چھپا کر مصروف عمل ہیں۔ طالبان کی حکومت امریکی پشت پناہی میں قائم حکومت سے کہیں زیادہ وسیع البیاد تھی، اور اس میں زیادہ سے زیادہ شرکت یقینی بنائی گئی تھی۔ پھر بھی ان کو جمہوریت کے نام پر نکال باہر کرنا تھا۔ صلیبی جانتے تھے کہ اگر وہ اس جنگ کو اسلام کو گرانے اور مغلوب کرنے اور ہر دل میں عیسائی مذہب کا جھنڈا گاڑنے کے نام پر شروع کرتے تو پھر یہ امکان نہ تھا کہ ہر کوئی اس جنگ میں کود پڑتا۔

”اللہ کی بادشاہت“ کو قائم کرنے والی بنیاد پرست عیسائیوں کی یہ جنگ کہیں سے تو شروع ہوتی تھی۔ اس کے آغاز کے لیے افغانستان موزوں ترین جگہ تھی۔ گارڈین اخبار کے سوزمینی گوئلڈن برگ نے کہا تھا کہ ”(مقصد یہ ہے کہ) وہاں پر ایک اصلی عالمی اسلامی ریاست کو قائم کرنے کے لیے طالبان کے تجربے کو ناکارہ بنایا جاسکے۔“ (565) امریکہ میں فریمنکلین کلاسیکل سکول کے بانی جارج گرانٹ (566) جو ایک مصنف اور استاد ہے اور کئی سال تک کورل رج منسٹریز (Coral Ridge Ministries) کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر رہ چکا ہے، (567) اپنی تصنیف "The Changing of the Guard, Biblical Principles for the Political Action" میں لکھتا ہے: ”عیسائیوں کے ذمے یہ ایک فرض کی ادائیگی، ایک مشن اور ایک مقدس ذمہ داری ہے کہ وہ یسوع مسیح علیہ السلام کے لیے زمین ساز کار بنائیں۔ یہ کہ سول سٹرکچر میں بھی حکومت رہے جیسے کہ زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں خدائی امر کار فرما ہے۔ لیکن اصل میں یہ ”بادشاہت“ ہے جس کے ہم انتظار میں ہیں۔ یہ صرف نعرہ نہیں، صرف اثر انداز ہونا مطلوب نہیں، یہ بادشاہت ہے جس کے ہم انتظار میں ہیں۔ یہ صرف وقتی بات نہیں بلکہ یہ بادشاہت ہے جس کے ہم انتظار میں ہیں۔ اور یہ دنیا کو فتح کرنا ہے۔ یہی کام ہے جو حضرت عیسیٰ نے ہمارے ذمے لگایا ہے۔ ہمیں انجیل کی طاقت سے دنیا کو جیتنا ہے اور ہمیں اس سے کمتر کسی چیز پر راضی نہیں ہونا ہے۔ لہذا عیسائی سیاست کی بنیادی فکر دنیا کو فتح کرنا ہے۔ ہمیں یہ فتح لوگوں، خاندانوں، اداروں، دفتروں، عدالتوں اور حکومتوں کے اوپر حاصل کرنا ہے، صرف یسوع مسیح کی بادشاہت کے لیے۔“

اگرچہ اسلام کو کمزور کرنے کے لیے دنیا تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی مگر پھر بھی یہ

تیز رفتاری ان لوگوں کے نام ٹیبل کے مطابق نہ تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور ثانی اور ”آسمانی بادشاہت“ کو قائم کرنے کا بے صبری کے ساتھ انتظار کر رہے تھے۔ دوسری طرف افغانستان میں طالبان کے جاری تجربہ میں مسلمانوں کی دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی۔ چنانچہ سماجی ماہرین، کاروباری حضرات، رفاه عامہ کے کارکن، سائنسدان الغرض ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ افغانستان کی از سر نو تعمیر اور اسلامی معاشرہ اور ریاست کی تشکیل میں اخلاص دل سے طالبان کی مدد کے لیے آگے بڑھ رہے تھے۔ یہ چیزیں ایسی تھیں جو ایک بین الاقوامی اسلامی تحریک کو جنم دینے کے امکانات کو بڑھا رہی تھیں۔

صرف یہ بات نہ تھی کہ طالبان کے خلاف ایک بے رحمانہ پروپیگنڈا مہم جاری تھی بلکہ کچھ اور قسم کے غیر معمولی اقدامات بھی نہایت مہارت کے ساتھ کیے جا رہے تھے جو نوع انسانی کے اجتماعی ذہن کو خوف، دہشت اور عدم تحفظ کے احساس سے مفلوج کر سکتے ہوں۔ یہ وہی کچھ ہے جو نائن الیون کو امریکہ میں دیکھا گیا۔ نتیجے کے طور پر اس کے حل کے لیے جارحانہ جنگ تجویز کی گئی اور عوام الناس نے اسے کھلے دل سے قبول کیا۔ اس نے ان اسلام خائف قوتوں کے ایجنڈے کو راتوں رات زبردست تحریک دے کر آگے بڑھایا۔

ایک بڑی تعداد میں امریکی تجزیہ کار اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ذہن کو مآؤف کرنے والی نائن الیون کی وحشیانہ کارروائی ایک درون خانہ معاملہ تھا۔ یہ درحقیقت اس آخری صلیبی جنگ کی ابتدا تھی جس کے ذریعے بنی نوع انسان کو ذہنی جذباتی، روحانی اور جسمانی طور پر پابہ جولاں کیا جاسکے۔ امریکہ میں مسند اقتدار پر براجمان لوگ جنہوں نے نائن الیون کا ڈراما رچایا، یقیناً مذہبی حوالے سے تحریک لئے ہوئے تھے۔ ان کے مذہبی جذبہ نے انھیں آخری صلیبی معرکہ کے لیے اپنے لوگوں کا خون بہا کر اور اپنی املاک کو تباہ کرنے پر اکسایا۔ ان کی نگاہوں میں جنگ شروع کرنے کے لیے جو کچھ جھوٹک دیا گیا، اس کا پورا جواز موجود تھا کیونکہ اس سے انہیں وہ چیز حاصل ہوگئی جو وہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ تیل ہی اس مذہبی جنونیت کی اصل وجہ تھی۔ لیکن اصولاً صحیح دماغ رکھنے والے لوگ کبھی بھی تیل یا دیگر وسائل کے حصول کے لیے اس حد تک نہیں جائیں گے۔ جیسے جیسے نام نہاد ”آزاد دنیا“ مل کر ”دہشت گردی“ کے خطرہ کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کا جواز بنائے گی مزید اموات اور تباہی ہوگی۔ مسلمانوں کو قرآن کے مطابق زندگی گزارنے نہ دینا، اس وجہ سے ہے کیونکہ قرآن

حکیم میں موجودہ بے انصافی، استحصال اور عدم مساوات والے نظام کے برعکس ایک عادلانہ، سماجی، سیاسی اور اقتصادی نظام کے لیے مکمل ہدایات موجود ہیں۔ ان صلیبیوں کے نقطہ نگاہ سے جو چیز بھی موجودہ نظام (Status quo) کی ہیئت کو تبدیل کرنا چاہتی ہے یا ان لوگوں کی راہ میں حائل ہوتی ہے جو عیسائیت کی تعلیمات کے مطابق ”اللہ کی بادشاہت“ قائم کرنا چاہتے ہیں، اسے ضرور خنجر و بن سے اکھاڑنا چاہیے۔

نائن الیون کی سٹیج کردہ تباہ کاری کے بعد خبروں اور تبصروں کی جو ترتیب وضع کی گئی ہے، اس سے اسلام کے خلاف صلیبی جنگ کی پیش گوئی بآسانی کی جاسکتی ہے۔ اس طرح سٹیج کردہ انتشار کے لمحوں کے دوران جو کچھ ہمیشہ وقوع پذیر ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ ہونے والے واقعات کے جو خاکے سامنے آتے ہیں وہ ہر دفعہ یکساں نوعیت کے ہوتے ہیں۔ کسی سٹیج کردہ دہشت گردانہ حملہ کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ایک ”قربانی کا بکرا“ تیار کیا جاتا ہے جو اس جرم کو اپنے ذمہ لے لیتا ہے اور اس طرح عوام الناس کی توجہ کسی ”خطرناک سوچ“ سے ہٹا کر پہلے سے متعین کردہ ہدف کی طرف موڑ دی جاتی ہے۔

تباہی کے ظہور پذیر ہونے کے فوری بعد اسامہ کا نام لیا جانے لگا۔ جیسا کہ باب پنجم میں بیان کردہ تفصیل سے ہم نے دیکھ لیا ہے کہ اس بات پر یقین کرنے سے خود یقین کرنے والے کی عقل و فہم پر حرف آتا ہے، اگر وہ یہ خیال کرے کہ افغانستان کے پہاڑوں میں روپوش کوئی شخص (جس کی زبان ہاتھ سے لمبی ہے، یعنی باتیں عمل سے زیادہ ہیں) اس خوفناک آپریشن کا مرکزی کردار ہو سکتا ہے۔ یہ کوئی پارسل بم کی کہانی تو نہیں! چار کمرشل جہازوں کو بیک وقت امریکہ کی فضا میں امریکہ کے ہوائی اڈوں میں سے ہو کر 45 منٹ کے اندر کارروائی کرنے کے لیے خصوصی طور سے متعین کردہ اہداف پر پہنچانے کے لیے اغوا کا معاملہ ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ ناممکن ہے۔ یہ صرف اس لیے ممکن ہوا کہ امریکہ کے اندر اعلیٰ عہدوں پر فائز امریکی حکام اور انٹیلی جنس سے تعلق رکھنے والی قوتوں نے نہایت مہارت اور باریک بینی کے ساتھ اسے ترتیب دیا۔

باب پنجم میں بیان کردہ شہادت کے مطابق نائن الیون کی دہشت گردی کی وقوع پذیر ی کی کامیابی میں امریکی انٹیلی جنس کی ناکامی کبھی بھی وجہ نہیں ہو سکتی۔ سی آئی اے اور دوسری ایجنسیوں کو یہ مطلوب ہی نہیں تھا کہ وہ اس سازش کو بے نقاب کریں۔ جہازوں پر اسلحہ لادنا

کیونکر مشکل ہو سکتا ہے جب ان لوگوں کی امداد و تائید حاصل ہو جو اس سسٹم کو کنٹرول کرتے ہوں۔ نیش کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی ڈائری میں لکھا: ”21 ویں صدی کا پرل ہاربر آج وقوع پذیر ہوا“۔⁽⁵⁵⁸⁾ ”میں بتایا گیا کہ ایک اور ”پرل ہاربر“ ہے، اور ہاں یہ ہے۔ ہم کئی کتابوں میں یہ واقعات پڑھ سکتے ہیں جیسے کہ کتاب ”And The Truth shall Set You Free“ اور دوسری کتابیں ہیں۔ امریکی حکومت خوب جانتی تھی کہ جاپانی فوج پرل ہاربر پر حملہ کرنے والی ہے لیکن اُس نے مدافعت کے لیے کچھ نہیں کیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ امریکی ایک خاص مقصد کے تحت یہ حادثہ وقوع پذیر ہونے دینا چاہتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ امریکہ کو دوسری جنگ عظیم میں کود پڑنے کا جواز مل سکے۔ جبکہ صدر فرینکلن ڈی روز ویلٹ نے (جو ”بشوں“ کا نسبی رشتہ دار ہے) صرف منتخب ہونے کے لیے جھوٹ بولا تھا کہ امریکہ اس جنگ میں ملوث نہیں ہوگا۔

حملوں کے فوری اثرات کے طور پر یہ مہم شروع کی گئی کہ اسے اسامہ کے ذمے ڈالوا اور طالبان کو اکھاڑ پھینکنے کی راہ نکالو۔ یہ بات پہلے سے طے کی گئی تھی۔ مثلاً ری پبلکن اُریں ہیچ نے دوپہر کے وقت سی این این کے ذریعے اعلان کیا کہ اسے ایف بی آئی کی اعلیٰ قیادت سے یہ اطلاع ملی ہے کہ ان غیر معمولی حملوں کے پیچھے اسامہ کا ہاتھ ہے۔ بریفنگ کے دوران ہیچ نے کہا ”میرے پاس ضرور کچھ اطلاع ہے“۔ ”اُس نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ”معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسامہ بن لادن کا منظور کردہ پلان ہے۔ وہی ان حملوں کے پیچھے ہے“۔⁽⁵⁵⁹⁾

سوال یہ ہے کہ ان دہشت ناک واقعات سے کس کے مقاصد پورے ہوئے؟ اس کا جواب بہت آسانی سے دیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے، ان حملوں سے اُن لوگوں کے مقاصد ہوئے، جو افغانستان پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ تعارف میں بیان کیا گیا ہے کہ امریکی وار لارڈز کے خلاف اس بات کے کافی شواہد موجود ہیں کہ وہ نائن الیون سے بہت پہلے افغانستان پر جارحانہ حملہ کی منصوبہ بندی کر چکے تھے۔ نائن الیون کے دہشت ناک واقعہ نے ان ظاہر اور خفیہ وار لارڈز کے لیے ہر اس شخص کے خلاف ”جوابی کارروائی“ کا جواز مہیا کر دیا، جو چاہتا ہے کہ مسلمانوں کو اسلامی نظام کی بنیاد پر ایسا متحد کرے کہ ان کی ایک فوج، ایک ہی خارجہ پالیسی اور ایک ہی نظام حکمرانی ہو۔ طالبان کو شیطان کے لقب سے نوازا گیا۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ غیر ارادی طور پر مسلمانوں کو اسی طرف لے جا رہے تھے۔ ان صلیبیوں کے نقطہ نظر

سے طالبان کو جائز طور پر سزا دی گئی ہے۔ دُنیا نے خاموشی اختیار کر کے طالبان پر ہونے والے مظالم اور افغانستان پر امریکہ کے ناجائز قبضے کو جواز عطا کیا۔ اب کیا کسی میں اتنی جرأت ہے کہ مسلمانوں کے اتحاد اور اسلام کے قیام کا سوچ بھی سکے جو کہ قرآن مجید کا حکم ہے؟۔ آپ ذرا یہ جرأت کریں گے، صلیبی اسی وقت آپ تک پہنچ جائیں گے۔ ”خلافت ناقابل برداشت ہے“ یہ موجودہ قبضہ کے جواز کے لیے ایک اچھا بہانہ ہے۔

”آزاد دُنیا امریکہ کی معیت میں“ جیسا کہ ٹونی بلیر اور دوسرے ”عالمی لیڈروں“ کی آواز ہے، ان صلیبوں کا ایک کوڈ ہے جو ایک فوج اور پولیس فورس کے ساتھ ایک عالمی فوج کی حیثیت سے ”دہشت گردی کے خلاف جنگ“ کے لیے تیار ہیں اور یہ جنگ ان لوگوں کے خلاف لڑی جا رہی ہے جو مسلمانوں کے لیے خود اختیاری اور خود مختاری کی آواز بلند کر رہے ہیں۔ نیٹو نے اس جنگ میں بھرپور مدد کا وعدہ کیا ہے۔ اجتماعی ضمیر کو ماہرانہ انداز سے رام کیا جا رہا ہے، تاکہ لوگوں کی اکثریت امریکہ اور نیٹو کے دہشت گردانہ حملوں کی تائید کرے۔ یہ حملے ان غیر محفوظ اہداف کے خلاف دہشت گردی کے خلاف جنگ کے بہانے کئے جائیں گے۔ واحد مقصد یہ ہوگا کہ ”اسلامی خلافت“ کا جو خواب دیکھا جا رہا ہے اُس کا توڑ کیا جائے۔ بُش اور اس کے حواریین کے بیانات میں اب یہی بات نمایاں رہتی ہے۔ نائن الیون کے بعد عوام کی اکثریت کی ذہنی حالت اس طرح تبدیل کی جا چکی ہے کہ اس پالیسی میں جو حیران کن تضادات ہیں وہ ان کو نظر ہی نہیں آتے۔

صلیبی جنہوں نے جھوٹ اور دھوکا دہی کو بروئے کار لا کر افغانستان پر حملہ کیا، اس سے ان کو بڑا حوصلہ ملا۔ انھوں نے مزید جھوٹ سے کام لیا، تاکہ اپنی صلیبی جنگ کو عراق کے اندر پھیلائیں۔ (570) جوں جوں اس طرح کی جنگی مہارت پھیلتی ہے توں توں عسکری قوت کو مرکزی دائرہ میں لانے کے لیے دباؤ بھی بڑھتا جاتا ہے اور امریکی عوام اور اس کے اتحادیوں میں اس امر پر راضی ہونے کا رجحان مزید بڑھ جاتا ہے کہ وہ اس قوت سے حکومت کے حق میں دست بردار ہوں۔ اور نام نہاد مرکزی دھارے کا میڈیا اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ متحدہ امریکہ بمقابلہ جہادی عناصر، آزاد جمہوری دُنیا بمقابلہ تاریکی (جہالت) کی قوتیں برسرِ پیکار ہیں، وہ ”تاریکی کی قوتیں“ جو ”اسلامی خلافت“ کو قائم کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔

یہی چیزیں ہمیں نیویارک ٹائمز اور واشنگٹن پوسٹ میں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ یہ امر امریکی

اور اتحادی ممالک کے عوام کے ذہنوں میں اس بات کو راسخ کرتا ہے کہ اُن کی حکومتیں حقیقت سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے جنگ میں مصروف نہیں بلکہ جنگ کی وجہ وہ طالبان ہیں جو اسلامی شریعت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ لوگوں کو بتایا جاتا ہے کہ امریکہ ”فتنہ انگیزوں“ کو کامیاب ہونے نہیں دیتا، اس لیے کہ مسلم دنیا میں طالبانائزیشن کا خطرہ بڑھ جائے گا۔ یہ فتنہ پرور عورتوں پر ظلم کریں گے اور خواتین کے حقوق کو سلب کر لیں گے۔ اس پروپیگنڈا نے ایک ایسی عالمی فوج کی تشکیل کی راہ ہموار کی ہے جو کسی بھی مسلم ملک پر ان صلیبیوں کی غشا کے مطابق چڑھ دوڑے گی اور اس پر قبضہ کرے گی۔

یہ بات قابل فہم ہے کہ نوع انسانی کی اجتماعی سوچ خصوصاً امریکہ کی سوچ اب بہت سخت کر بناک صدمہ سے دوچار ہے۔ ان لوگوں کی اکثریت جو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ نائن الیون درون خانہ معاملہ تھا، اس پر مشکل سے یقین کرتی ہے کہ نائن الیون کے سچ کردہ حملوں کا نشانہ طالبان تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اعلیٰ تعلیم یافتہ، سچے اور دانشمند لوگوں کے ذہنوں کو صدمہ سے دوچار کر کے ماؤف کیا گیا ہے۔ اور جس طرح کہ کوئی بھی ”مائینڈ کنٹرولر“ یا ریسرچر کر سکتا ہے کہ ایک کر بنا کی سے دوچار کردہ (traumatized) ذہن ہمیشہ اشارہ پر چلنے والا ذہن ہوتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ اس کر بنا کی والی کیفیت (trauma) سے عوام الناس کی اس طرح ”پروگرامنگ“ کی جاتی ہے کہ وہ حالات و واقعات کو دیکھا ہی دیکھیں اور سمجھیں جیسا کہ ان کو بتایا اور سمجھایا جاتا ہے۔ نوم چومسکی اور ان کے قبیل کے بائیں بازو کے نقادوں کا نائن الیون کی سرکاری کہانی پر جوں کا توں یقین کرنا Indoctrination (وہ کیفیت جس میں کسی انسان کو ایک پٹی پڑھائی جاتی ہے اور پھر وہی بات یقین کی حد تک اس کے ذہن میں بیٹھ جاتی ہے) کی کامیابی کا ایک زبردست ثبوت ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو مدتوں سے اس اصطلاح کی تشریح و توضیح کرتے آئے ہیں، مگر آج وہ خود اس بڑے جھوٹ کا شکار ہو چکے ہیں۔

ان صلیبیوں کے خواب پورے ہونے میں جو رکاوٹیں حائل ہیں، ان میں سب سے بڑی بالقوہ رکاوٹ امریکی عوام کی اکثریت کی نفسیات ہے۔ امریکی عوام کی تربیت چرچ اور سٹیٹ (مذہب اور ریاست) کو علیحدہ علیحدہ حقیقتیں ماننے کے تصور کے مطابق کی گئی ہے۔ جب وہ اللہ کے نام پر جنگ شروع کرتے ہیں، جیسا کہ نیش کا دعویٰ ہے کہ اللہ نے اسے عراق پر حملہ کا حکم دیا ہے، تو اکثر لوگ اس کی شدت سے مخالفت کریں گے۔ سیکولر ازم نے قومی نفسیات کو اتنی گہرائی

میں متاثر کیا ہے کہ مذہبی جنونیوں (جیسے نیشنل اینڈ کمپنی اور دوسرے جو اپنے آپ کو آزاد خیال ظاہر کرتے ہیں) کے لیے مذہبی جنگ کو لوگوں کے حلق سے اُتارنا بڑا مشکل معاملہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے اس جنگ کے عنوانات بدل دیئے اور اسے ”دہشت گردی کے خلاف جنگ“ اور ”جمہوریت کے لیے جنگ“ وغیرہ کے نام دے دیئے، اور اب اس کا نام ایسے فتنہ انگیزوں کے خلاف جنگ قرار دیا گیا جو ”خلافت“ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اپنے وقت کا سب سے بڑا دھوکا اور خلافت کا ہوا کھڑا کر کے اسلام کے خلاف مذہبی جنگ پر عوام کو راضا مند کرنے کا بڑا مؤثر طریقہ ہے۔ خلافت کے خلاف ہوا ایسے وقت میں کھڑا کیا جا رہا ہے جبکہ مسلمانوں کی طرف سے اس کے قیام کی کوئی منظم کوشش ہو ہی نہیں رہی۔

اس اندیشے کے تدارک کے لیے کہ لوگ اسے مذہبی جنگ خیال نہ کریں، صلیبیوں کے لیے ضروری ہوا کہ وہ پہلے لوگوں کے قومی نفسیات پر حملہ آور ہوں۔ سالہا سال سے مختلف ناموں سے اسلام کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا ان صلیبیوں کے لیے کسی مسلم ملک پر مذہبی جنگ مسلط کرنے کے لیے کافی نہ ہو سکا۔ امریکہ کے صلیبی جنگجو جانتے تھے کہ ان کی قوم میں قومی سلامتی، خود اعتمادی اور قومی تفاخر کے جس اجتماعی ذہن کی نشوونما ہو چکی ہے، اس کی بنیادیں ایک زبردست عسکری اور اقتصادی قوت فراہم کر رہی ہے۔ اس اجتماعی ذہنیت کا اظہار john wayne کا یہ قول ہے: ”ہمارے ساتھ اگر مگر (چھیڑ چھاڑ) مت کرو، یہ امریکہ ہے۔“ صلیبیوں کو یہ ثابت کرنا تھا کہ قوم اپنی پہچان کے متعلق جو شدید جذبات رکھتی ہے اور اس کی وہ خود اعتمادی کہ اس میں تنہا اٹھ کر کھڑے رہنے کی پوری قوت موجود ہے، اُسے ان دونوں چیزوں کی تباہی کے خطرے کا سامنا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو نائن الیون کے ذریعے حاصل کی گئی۔ یہی وہ چیز ہے جسے اس قسم کے بیانات میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا ہے جیسے ”ہمارا نظام زندگی خطرے میں ہے“ ”وہ ہماری آزادیوں سے بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں“ اور ”وہ ہماری طرز زندگی سے نفرت کرتے ہیں۔“

یہ بات قطعاً اتفاقی نہیں کہ اغوا شدہ طیاروں کے اہداف پینا گان اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے جڑواں مینار تھے، جو امریکہ کی خود اعتمادی، سلامتی، عسکری قوت اور اقتصادی عظمت کی علامات تھیں۔ یہ بنیادی طور پر امریکہ پر حملہ نہیں بلکہ امریکہ کی ”خود شناسی کے تصور“ پر ایک وار تھا۔ امریکیوں کے جذبہ اور ان کے ”امریکی ہونے“ کے احساس کو توڑ دو، امریکیوں کی اپنی ذات

پر خود اعتمادی کو مجروح کرو، امریکہ کو خوف اور عدم تحفظ کے احساس میں مبتلا کر دو، یہ وہ باتیں ہیں جنہوں نے وہ اہم ترین رکاوٹیں بنادیں جنہوں نے عام امریکیوں کو ان صلیبیوں کے مطلق العنان ارادوں میں اپنے آپ کو جذب ہو کر فنا ہونے سے بچائے رکھا تھا۔

سٹیج کردہ حملوں کے معا بعد امریکی نفسیات کو اس کی سلامتی اور ”خود اعتمادی“ کو زیادہ سے زیادہ صدمات پہنچا کر نشانہ بنایا گیا۔ انٹراکس کے پراسرار لفافے آنا شروع ہو گئے۔ فضلوں پر نامعلوم ڈسٹرز ڈسٹ کے جانے کے قصے بالکل ایسی ہی چیزیں تھیں جو امریکہ کی سلامتی کے لیے کسی بھی طرح کی صدمات سے کم نہ تھیں۔ بالکل اسی طرح جیسے کہ ماضی میں اُکلہا ماسھر پر بمباری اور سکولوں میں گولیاں چلنے کے واقعات ہو چکے تھے۔ لہذا یہاں سے آگے ہر چیز میں ڈرامائی تبدیلی آنی شروع ہو گئی۔

بے شک عوام لناس کو گمراہ کیا جاتا ہے، مگر عوام ہی نہیں دور جدید کے صلیبی لیڈر بھی گمراہ کئے جاتے ہیں۔ ان کو گمراہ کرنے والی پس پردہ وہ طاقتیں ہیں جن کے سامنے یہ بے بس ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جارج ڈبلیو بُش جانتا تھا کہ یہ تباہ کن مصیبتیں اس دن نازل ہونے والی ہیں، لیکن وہ اس کھیل میں جسے اس سے کہیں بڑی قوتیں کنٹرول کر رہی تھیں، آلہ کار بنا رہا۔ بُش، بلیر اور دیگر ویسے بھی ناگزیر نہیں ہیں، یہ آلہ کار ہیں۔ جب ان سے مقصد پورا کر لیا جائے گا تو اٹھا کر پھینک دیا جائے گا۔ مثال کے طور پر جب کولن پاول نے اقوام متحدہ کے سامنے جھوٹ بول لیا تو اس سے کام لینے کے بعد اب اسے دائرہ سے باہر پھینک دیا گیا۔ یہ بات حیرانی والی نہیں ہوگی۔ جب ”عالمی دہشت گردی“ مستقبل کے منظر نامے کے حوالے سے آگے بڑھے گی تب بُش اور بلیر کو قربان کر کے ٹھکانے لگا دیا جائے گا۔⁽⁵⁷¹⁾ (اب ٹھکانے لگا دیا گیا ہے۔ ترجم) اور یہ بات بھی واضح ہو جانی چاہیے کہ اگر بُش کی چھٹی ہو جائے تو نیا بننے والا صدر بہت سخت ”کروسیڈرز“ ہوگا، جیسا کہ ڈک چینی ہے، جو ہو سکتا ہے ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں مارشل لاء کے تحت کام کرے۔ یہاں سے آگے (کی صورت حال میں) بڑی تبدیلیاں آ سکتی ہیں، کیونکہ اب زیادہ سے زیادہ امریکیوں کو احساس ہو رہا ہے کہ ان کو جھوٹ بول کر دھوکا دیا گیا ہے اور یہ کہ صلیبیوں کی عالمی فسطائیت کے لیے آخری کوششوں کا آغاز ہو چکا ہے۔ صلیبیوں کا دعویٰ تھا کہ دنیا پھر وہی نہیں رہے گی۔⁽⁵⁷²⁾ یہ ٹھیک ہے، لیکن ہر ایک خطرناک صورت حال میں مواقع کا بھی امکان ہوتا ہے۔ ہم میں سے غالب اکثریت رکھنے

والے ان لوگوں کو جو جنگ کی بجائے امن کے متلاشی ہیں، جو تمام دنیا کے لیے چند آدمروں کی آمریت کی بجائے آزادی اور حریت کے خواہاں ہیں، آئینہ میں دیکھ کر خود سے سوال کرنا ہوگا کہ ہم نے صلیبیوں کے ناپاک عزائم کو کس حد تک لوگوں کے سامنے بے نقاب کیا ہے۔ اور ان کو افغانستان اور عراق میں انسانیت کے خلاف جرائم کے مرتکب ثابت کرنے میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ آج ضرورت ہے کہ ہم اپنے آپ سے پوچھیں ”ہم نے کیوں افغانستان پر ظالمانہ اور ناجائز قبضہ کو ایک جائز قبضہ تسلیم کر لیا ہے؟“

نتائج و اثرات

”جنگ لازماً ایک بُری چیز ہے۔ اس کے نتائج صرف باہم متحارب مملکتوں تک محدود نہیں رہتے بلکہ تمام دنیا کو متاثر کرتے ہیں۔ کسی جارحانہ جنگ کی ابتدا کرنا نہ صرف بین الاقوامی جرم ہے بلکہ یہ سب سے اونچے درجے کا بین الاقوامی جرم ہے۔ یہ جنگ دوسرے جنگی جرائم سے صرف اس پہلو سے مختلف ہے کہ یہ اپنے اندر تمام (مراحل و جزئیات کی) جمع شدہ بُرائی لئے ہوئے ہوتی ہے۔“

دنیا کے ذمے یہ کام باقی ہے کہ نام نہاد جمہوریت سے پردہ ہٹا کر دور جدید کے صلیبیوں کی برپا کردہ مذہبی جنگوں کا اصل چہرہ بے نقاب کرے۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ بظاہر سیکولر دکھائی دینے والے سیاستدانوں اور میڈیا ماہرین کی مہم جوئی کے پس پردہ مذہبی جوش و جذبہ کارفرما ہے۔ یہ بات شہریوں اور فوجیوں سے یکساں طور پر پوشیدہ رکھی گئی ہے کہ جنگ اور امن کے فیصلے مذہبی فرنٹ، اس کے سیاسی اتحادیوں، ان کے لابیوں، ان کے میڈیا عالمین اور دانش کدوں کے انتہا پسندوں کی مرضی کے مطابق کیے جاتے ہیں۔ یہی وہ عناصر ہیں جو سیکولر ازم اور جمہوریت پسندی کے لبادے میں ریاست کے وسائل اور ذرائع کو اپنی مطلب براری کے لیے جوڑ توڑ کر کے استعمال میں لاتے ہیں۔

جنگ عظیم اول اور دوم کے لیے اسباب نہ تو مذہبی تھے اور نہ یہ جرمن اور جاپانی قوم کے جنگ کی طرف رجحان کی وجہ سے تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ مرکزی طاقت اور اتحادی قوتیں سب کی سب ایک ہی نظام کی کٹھالی میں ڈھلی ہوئی تھیں، کچھ کم اور کچھ زیادہ۔ یہ دوسرے لوگوں اور اقوام کو اقتصادی وسائل کے لیے زیر کرنا چاہتی تھیں۔ نورمبرگ اور مشرق بعید کے مقدمات کے سوانگ کے ذریعے اس اصل حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی گئی۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر

نیوکلیر بمباری اور جرمن شہروں کو روایتی بموں کا نشانہ بنانا، (جن میں کوئی فوجی مراکز نہیں تھے) بدترین جنگی جرائم تھے۔ افسوس کہ ماہر تفتیش کاروں اور مقدمات چلانے والوں کی اچھی کارکردگی کے باوجود ان تمام حقائق کو چھپا دیا گیا۔ یہاں تک کہ جب امریکی فوجی نارمنڈی کے ساحل پر اتر رہے تھے، اس وقت بھی بعض کارپوریٹشنز نازی پارٹی کے ساتھ لین دین میں مصروف تھیں۔ بعض امریکی کارپوریٹشنوں کے قبضہ میں موجود غلام جو بطور لیبر استعمال کئے جاتے تھے، ان کے سناک میں موجود تھے اور وہ جرمن پلانٹس (کارخانوں) میں حصہ دار تھے۔ سرمایہ اکٹھا کرنے کا یہ وہ کاروبار تھا جس میں یہ کمپنیاں افریقی لوگوں کو پکڑ کر بحرا و قیاقوس کے اس پار فروخت کیا کرتی تھیں۔

یہی ادارے اور نظام ہیں جن کو مذہبی جنونیوں نے آگے بڑھا کر ترقی دی ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک ایک وسیع کروسڈ (صلیبی جنگ) کا مفہوم یہ ہے کہ مسلسل اس بات کی کوشش کی جائے کہ مسلمانوں کے لیے اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کی گنجائش کو محدود سے محدود تر کیا جائے اور ان کو کسی قسم کی خود مختاری کا حق دینے سے انکار کی روش پر مضبوطی سے عمل پیرا رہا جائے۔ لوگوں کو یکساں طور پر عراق اور افغانستان پر قبضہ کو مسترد کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ دونوں قبضے 21 ویں صدی کی صلیبی جنگ کا حصہ ہیں۔ افغانستان پر قبضہ کے لیے بولے گئے جھوٹ کو تسلیم کرنا بئش اور اس کے صلیبی ساتھیوں کو ایسا موقع فراہم کرنے کے مترادف ہوگا کہ وہ عراق کے سلسلہ میں بھی افغان معاملے میں بولے گئے جھوٹ کی آڑ لے لے۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر بات عراق پر ختم نہیں ہوگی بلکہ آگے جائے گی۔

عراق میں اپنی حمایت میں کمی دیکھ کر بئش نے 28 جون 2005ء کو دنیا کو مخاطب کر کے بیان دیا کہ امریکہ عراق میں ”اس نظریہ“ کے حامل دہشت گردوں کے خلاف لڑنے کے لیے ٹھہرنا چاہتا ہے جن کا نظریہ ان لوگوں جیسا ہے جو نائن الیون کے واقعہ کے پیچھے تھے (یعنی خلافت)۔ دہشت گرد وہاں پر امریکیوں کی آمد کے بعد جمع ہو چکے ہیں۔ 16 اکتوبر 2005ء کو اپنی تقریر میں بئش نے کہا کہ یہ باغی ایک ”اسلامی امپائر“ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ (573) بئش کو یقین ہے کہ اس کے صلیبی اتحادی افغانستان میں اسلام کے خلاف جنگ کو ”دہشت گردی کے خلاف جنگ“ کے نام سے منوانے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب اس کی کوشش یہ ہے کہ جن لوگوں نے افغانستان پر قبضہ کے لیے پیش کی گئی منطق کو تسلیم کیا ہے، ان کو یہ باور

کر دیا جائے کہ اب عراق بھی اسی طرح ”وہشت گردی کے خلاف جنگ“ کے لیے ”مرکزی فرنٹ“ بن گیا ہے۔

صدام حسین کے عراق میں جو بھی بدترین خرابیاں تھیں، بہر حال یہ کبھی بھی افغانستان کی طرح نہیں تھا۔ اس کے لیے بُش اینڈ کمپنی کو اس جھوٹ سے جو اس نے افغانستان پر حملہ کے لیے تراشا تھا بالکل ہی دوسری قسم کا جھوٹ تراشا تھا۔ اب جبکہ افغانستان کے متعلق تراشے گئے جھوٹ کو عالمی سطح پر قبول کر لیا گیا ہے اور عراق کے متعلق جھوٹ کو یکسر مسترد کیا گیا ہے، بُش اور رمز فیلڈ مسلسل یہ دلیل پیش کر رہے ہیں کہ خطرہ ہے کہ عراق بھی اس طرح نہ ہو جائے جس طرح کہ طالبان کے زیر قبضہ افغانستان تھا جو ”ایک اسلامی امپائر“ بننے کی جانب پیش قدمی کر رہا تھا۔

بجائے اس کے کہ اس کے جواب میں یہ کہا جاتا کہ ”نہیں ایسا نہیں“ اور ”نہیں، افغانستان میں ایسا نہیں تھا جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے“ جنگ مخالف سرگرم عناصر نے یہ موقف اختیار کیا کہ ”یہ بُش کی جنگ ہے جو ملک کی صورت و ہیئت کو بدلنے اور اسلامی خطرہ پیدا کرنے کا سبب بنی۔“ اصل بات یہ ہے کہ ایسا کسی قسم کا خطرہ کبھی پیدا نہیں کیا گیا ہے۔ اسلام کبھی بھی کسی کے لیے خطرہ نہیں رہا ہے۔ یہ تو بُش کی جمہوریت ہے جسے ”آزاد کردہ“ (liberated) قوم پر مسلط کرنے کے لیے ڈیزنی کٹریوں اور سفید فاسفوس کی ضرورت ہے۔ آپ کسی آزاد اور خود مختار ملک پر حملہ کریں تو آپ اسی قسم کی مزاحمت کے خطرے کا سامنا کریں گے جیسے کہ بُش کو عراق اور افغانستان میں کرنا پڑ رہا ہے۔ کیا اس کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ ان صلیبیوں کو حق دے دیا جائے کہ وہ روئے زمین کے جس ملک پر چاہیں قبضہ کریں اور مقبوضہ لوگوں کو اس پر مجبور کریں کہ وہ وہی طرز زندگی اختیار کریں جو یہ اُن سے اختیار کرنا چاہتے ہیں اور کوئی بھی ان کی ان آمرانہ چالوں اور تدابیر کی راہ میں حائل نہ ہو؟ یا اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ اگر لوگ ان چالوں کی مخالفت کریں تو کہہ دیا جائے کہ وہ یہ اس لئے کر رہے ہیں کہ وہ ”خلافت“ کا نظام قائم کرنا چاہتے ہیں؟ چونکہ بُش مسلمانوں کے لیے ایسے مواقع کو جن میں وہ اسلام کے مطابق زندگی بسر کریں، مسدود کرنے پر ادھار رکھائے بیٹھا ہے، لہذا اس نے اور اس کے ساتھیوں نے یہ مفروضہ گھڑ لیا ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کو متحد کرنے اور خلافت کو قائم کرنے کے لیے کام کر رہے ہیں وہی اس مزاحمت کی پشت پر ہیں، جس کا بُش اینڈ کمپنی کو سامنا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امریکی تسلط کے خلاف جو لوگ بھی مسلح مزاحمت کر رہے ہیں ان کی جانب سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا۔ کوئی عراقی ”دہشت گرد“ یا ”جہادی“ موجود نہیں۔ یہ تو امریکہ ان لوگوں کی طرف سے اس بالکل جائز مزاحمت کا سامنا کر رہا ہے جن کے 18 (اٹھارہ) لاکھ نفوس کو پابندیاں لگا کر موت کے منہ میں دھکیل دیا گیا ہے اور ڈیڑھ لاکھ کو اس ناجائز جنگ میں ہلاک کیا گیا ہے جو ان پر مسلط کی گئی ہے۔

کم از کم اتنا تو ہونا چاہیے کہ جنگ مخالف قوتیں اور سرگرم عناصر ان افواہوں کا جائزہ لیں جن کی رو سے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ صدام دور کی ”باقیات السیئات“ عراقی ”انتہا پسند“ سنی ہی ہیں، جو امریکہ کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، یا یہ کہ وہ امریکہ مخالف (Anti American) اسلامی جنگجو ہیں جو مسلم دنیا کے دوسروں حصوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ کوئی اینٹی امریکن ازم برائے اینٹی امریکن ازم وجود نہیں رکھتا۔ یہ واضح ہو جانا چاہیے کہ ان صلیبیوں کی یلغار سے متعلق بنیادی وجوہات اور ان کے اصل ارادوں کو بھانپنے کی طرف کوئی توجہ نہ دینا خود کشی کے مترادف ہوگا۔ یہ بات اس اکیسویں صدی میں ایک مسلم ہولوکاسٹ کی راہ ہموار کرے گی۔ غیر مسلم دنیا میں پہلے ہی سے مسلمانوں کے لیے صورت حال ایسی بنائی گئی ہے گویا ان کو 21 ویں صدی کے ”یہودیوں“ کی حیثیت میں تبدیل کرنے کے لیے سٹیج تیار کیا گیا ہے۔ (574) امریکہ اور اس کے اتحادی ملکوں میں رونما ہونے والے واقعات اور وقوع پذیر ہونے والی صورت حال آدمی کو اس پر مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ جو تین تاریخی واقعات وجود میں آنے والے ہیں ان پر غور کرے۔ وہ تین ممکنات یہ ہیں: (1) مسلمانوں کی ہولوکاسٹ (غیر مسلموں کے ہاتھوں مکمل تباہی) (2) نتیجے میں باقی رہ جانے والے مسلمانوں کا مسلم اکثریت کے علاقوں کی طرف عام خروج (3) قومی ریاستی نظام کا خاتمہ، جس سے آج ہم آشنا ہیں۔ (575)

چونکہ افغانستان پر قبضہ اور تسلط کے خلاف کوئی مخالف آواز نہیں اٹھتی، لہذا اسی کو عراق پر قبضہ کے لیے دلیل بنا دیا گیا ہے۔ نائن الیون کو افغانستان پر حملہ کے لیے جو جواز گھڑا گیا ہے، اگر تو صلیبی اسی بہانے کو عراق پر بھی حملہ کے لیے بنیاد بنانے کی کوشش کرتے تو عوام اس پر ہنسے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ اصل بات جو ہونی چاہیے تھی، یہ تھی کہ نائن الیون واقعات کے ضمن میں ایک قرار واقعی انکوائری کے قیام کے لیے رضا مندی ظاہر کی جاتی، یا یہ کہ مشتبہ ملزم اسامہ کا پیچھا

کیا جاتا، اس کی بجائے صلیبیوں نے افغانستان پر حملہ کر لیا اور اس کے بعد صدام حسین کو ہٹانے اور ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اب ان کا دعویٰ یہ ہے کہ اسامہ کے محافظوں کی ٹولی نے جگہ بدل کر عراق کو ٹھکانہ بنایا ہے اور امریکہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کو شکست دینے کے لیے عراق میں ان کا پیچھا کرے۔ یہ تو ہوئی سیدھی حکمت عملی کی بات! جو بات آخری حد تک پُر فریب اور قلبِ ذہن کو قابلِ قبول نہیں وہ یہ ہے کہ اگر ان اونچے درجے کی فرسٹائی ہتھکنڈوں کی روک تھام نہیں کی جاتی (578) اور اس بات کو ایک ”شدنی“ حقیقت کے طور پر قبول کیا جاتا ہے تو پھر تو اسامہ کے محافظوں کی ٹولی ایک ملک سے دوسرے ملک کو منتقل ہوتی رہے گی اور صلیبیوں کو موقع فراہم کرتی رہے گی کہ اس کا پیچھا جاری رکھیں۔ اس طرح جارحیت کی ایک نئی جنگ کے بعد دوسری جنگ ہوتی جائے گی۔ اگر عوام الناس خصوصاً امریکی عوام صلیبیوں کی اصل مہم جوئی، جس کی ابتدا افغانستان سے کی گئی ہے، کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہے، تو پھر امریکہ کی جارحانہ پیش قدمی اور اس کے نتیجے میں ایک عالمی جنگ کا امکان ایک ناقابلِ گریز حقیقت بن سکتا ہے۔

ختم شد

- Manchester, October 13, 1998.
- 566 "Dr. George Grant Promotes Christian Doctrine in Education," *The Christian Post*, June 7, 2004. URL: <http://www.christian-post.com/dbase.php?cat=education&id=390>.
- 567 Wyatt Olson, "United States of Jesus: The folks who are "reclaiming America for Christ" are pushing an agenda for a Taliban-like state where Scripture is law," *New Times* <http://www.newtimesbpb.com/issues/2003-11-27/news/feature.html>.
- 568 *The Washington Post*, January 27, 2002.
- 569 Jake Tapper, "Bush Challenged," *Saloon.com*, September 11, 2001. URL: <http://archive.salon.com/politics/feature/2001/09/11/bush/> URL accessed December 22, 2005.
- 570 Thomas L. Friedman, "Because We Could," the *New York Times*, June 4, 2003.
- 571 See *The Biggest Secret: The Book that will Change the World* by David Icke, Bridge of Love Publications UK, January, 1999.
- 572 Audrey Gillan, "Bush says life in the U.S. will never be the same again: Speech addresses new doubts over progress of war," the *Guardian*, November 9, 2001.
- 573 See transcripts of Bush's October 6, 2005 speech at the National Endowment for Democracy at *Washington Post* website: http://www.washingtonpost.com/wp-srv/politics/administration/bushtext_100605.html.
- 574 For details see: "21st Century Jews," the ICSSA. URL: http://icssa.org/21s_century_Jews.htm
- 575 "The Coming Exodus and the End of Nation States," Media Monitors Net, May 28, 2005. URL: http://usa.media-monitors.net/headlines/the_coming_exodus_and_the_end_of_nation_states
- 576 For details, see "Fascism goes mainstream," the ICSSA, July 27, 2004. URL: http://icssa.org/mainstream_fascism.htm.

see Testimony of Niaz Naik obtained by Pierre Abramovici, for a television program on French channel France 3. Niaz also repeated these statements to the *Guardian* newspaper in London. See: "The threat of U.S. strikes passed to Taliban weeks before NY attacks," *Guardian*, September 22, 2001. See also David Leigh's op-ed "Attack and Counter Attack: Evidence suggests that Washington had planned to move against bin Laden in the summer. Was the attack on American a pre-emptive strike," *Guardian*, September 26, 2001. BBC News, September 18, 2001.

- 563 Drew Brown, "Rumsfeld warns of Islamic superstate if U.S. leaves Iraq too soon," Knight Ridder Newspapers, December 05, 2005. URL: <http://www.realcities.com/mld/krwashington/13335698.htm>. "President Bush gave a seminal speech on October 5th, but few people took notice. He correctly described the war against terror as a clash of ideologies," Nibras Kazimi, "Calling All Caliphs," *New York Sun*, October 12, 2005. "If they could have Iraq as a base for terrorism, and an established caliphate that they could then expand and threaten moderate Muslim regimes in the region, so they have a lot at stake," said Rumsfeld at PBS Jim Lehrer show, December 08, 2005. URL: http://www.pbs.org/newshour/bb/fedagencies/july-dec05/rumsfeld_12-08.html. Dana Milbank, "Rumsfeld's War On 'Insurgents'," the *Washington Post*, November 30, 2005; Page A18. "Think of that country being turned over to the Zarqawis, the people who behead people, the people who kill innocent men, women and children, the people who are determined to re-establish a caliphate around the world," he said on CNN's Late Edition. November 20, 2005. URL: <http://www.cbc.ca/storyview/MSN/world/national/2005/11/20/rumsfeld-051120.html>. RUMSFELD ON FTN. On CBS's FACE THE NATION, host Bob Schieffer, and the *New York Times*' Elizabeth Bumiller. November 20, 2005. URL: <http://www.redstate.org/story/2005/11/20/13503/658>. Department of Defense News Briefing with Secretary of Defense Donald Rumsfeld and Gen. Peter Pace on November 29, 2005. URL: <http://www.dod.mil/transcripts/2005/tr20051129-secdef4361.html>

564 See: <http://www.wams.de/data/2004/05/30/284942.html>.

565 Suzanne Goldenberg, "The Heart of Darkness," the *Guardian*,

- 551 In his word: "Unless the basis of modern Islamic law is shifted away from those texts of the Qur'an and Sunnah of the Medina stage, which constituted the foundations of the construction of Shari'ah, there is no way of avoiding drastic and serious violation of universal standards of human rights. There is no way to abolish slavery as a legal institution and no way to eliminate all forms and shades of discrimination against women and non-Muslims as long as we remain bound by the framework of Shari'ah. Abdullahi Ahmed An-Na'im, *Toward an Islamic Reformation: Civil Liberties, Human Rights and International Law*," Syracuse University Press, July 1996.
- 552 Ibid., Abdullahi Ahmed An-Na'im, *Toward an Islamic Reformation: Civil Liberties, Human Rights and International Law*," Syracuse University Press, July 1996.
- 553 Stephen Bates and Julian Glover, "Christian group may seek ban on Qur'an," *The Guardian*, October 12, 2005.
- 554 Abid Ullah Jan "Dear Evangelicals," ICSSA, May 29, 2003. URL: http://icssa.org/dear_evangelicals.htm.
- 555 Abid Ullah Jan, "Vatican Joins the War on Islam," Media Monitors Net. November 12, 2003. URL: <http://usa.mediamonitors.net/content/view/full/2060/>
- 556 Abid Ullah Jan, "Scholars under Siege," Media Monitors Net. July 10, 2003. URL: <http://www.mediamonitors.net/abidullah-jan31.html>.
- 557 Editorial *New York Times*, November 14, 2003.
- 558 Muslim Neo-mods are the self-proclaimed "progressive," "liberals," and "moderate" Muslims, who have crossed all limits of moderation in the bid to appease Islamophobes in the West. For details, search Google for: neo-mods of Islam.
- 559 "Democracy and Islam in the New Constitution of Afghanistan," edited by Cheryl Benard, Nina Hachigian, RAND, 2003.
- 560 See Jean-Charles Brisard and Guillaume Dasquie in *"Forbidden Truth"*, Nation Books, New York, 2002, Page, 43. URL: <http://www.forbiddentruth.net/>
- 561 Ibid., Jean-Charles Brisard and Guillaume Dasquie, page 43. Also see: *Guardian* September 18, 2001.
- 562 Ibid., Jean-Charles Brisard and Guillaume Dasquie, page 44. Also

Chapter 8: The Real Motives Confirmed

- 541 Al-Jazeera report, "Doctor: Uzbek protest toll about 500," May 15, 2005, 17:21 Makka Time, 14:21 GMT.
- 542 URL: <http://icssa.org/Qur'an.htm> and <http://www.asianoutlook.com/articles/october/12.htm>
- 543 See chapter 2 and 3 for details.
- 544 Nicholas D. Kristof is the one who is single-handedly waging a crusade for bringing justice to the victims of oppression in Sudan. He never stops using the word "genocide" for the situation in Sudan. However, he has hardly uttered this word a single time to describe the death of 1.8 million Iraqis who perished due to the genocidal UN sanctions on Iraq. Kristoff also worked as an ambassador of the White House in 2004 to the countries in "coalition," in *New York Times'* words, "to see if they have a bit more to give."
- 545 Stephen Bates and Julian Glover, "Christian group may seek ban on Qur'an," *The Guardian*, October 12, 2005.
- 546 BBC Report: "UK plans global extremists list," Wednesday, July 20, 2005, 15:02 GMT 16:02 UK.
- 547 Evidence is now gathering that sows that July 7, 2005 bombing in the UK was also staged by the warlords to pave the way for the wars of aggression abroad and consolidation of police state at home. URL: <http://icssa.org/7-7.html>
- 548 David Ignatius, "Achieving Real Victory Could Take Decades," *the Washington Post*, December 26, 2004, page B01.
- 549 Ibid., David Ignatius.
- 550 Irshad Manji has emancipated herself from the yoke of Islam. "After my expulsion from the madressa, I didn't damn the whole religion and get on with celebrating my emancipated North American self Most of which us Muslims aren't Muslims because we think about it, but rather because we're born that way." (Page 17, *The Trouble with Islam*). To her, the Holy Qur'an is full of contradictions as if this is something which we have not been told by the Christians Orientalists before. She says, "What's our excuse for reading the Koran literally when it's so contradictory and ambiguous." (Page 2).

April 30, 1997, no 317, p.125-134.

- 533 Associated Press report: "Sex used to break Muslim Prisoners," MSNBC, January 27, 2005. Carol D. Leonnig, Dana Priest, "Pentagon Inquiry Said to Confirm Detainee's Allegations Men Complained Female Interrogators Broke Sexual Taboos at Guantanamo Bay," *San Francisco Chronicle*, February 10, 2005.
- 534 Paisley Dodds, "Sex Used to Break Detainees," Associated Press Report, January 28, 2005.
- 535 See, "Documentary Implicates U.S. Troops in Taliban Prison Deaths," by Kendra Servadi, Asheville Global Report (AGR_, No 179, June 20-26, 2002. Also see Adam Porter, "Secret History," *In these Times*, September 2, 2002.
- 536 See: "US implicated in Taliban Massacre," an article published in *Censored 2004: The Top 25 Censored Stories*, edited by Peter Phillips, Project Censored, Seven Stories Press, 2004. Page 68.
- 537 OCS NEWS, January 17, 2003.
- 538 The inhuman conditions, the interrogation by "stress and duress" techniques, and torture have led to suicides and attempts at suicide. In violation of article 12 and article 13 of the Geneva Convention (III) 1949, these detainees have been transferred to other countries for interrogation, not parties to the war. The details about Guantanamo and Baghram have been incorporated in a memorandum to the Inter-American Commission On Human Rights Organization of American States by the Centre for Constitutional Rights and the International Human Rights Law Group, New York. Submitted on February 13, 2003.
- 539 See Jamie⁰ Doran's report in the film "Afghan Massacre: the Convoy of death."
- 540 The Preamble to Protocol I states: "Recalling that every State has the duty, in conformity with the Charter of the United Nations, to refrain in its international relations from the threat or use of force against the sovereignty, territorial integrity or political independence of any State, or in any other manner inconsistent with the purposes of the United Nations."

- http://traprockpeace.org/depleted_uranium_hamburg03.html Also see: Robert C. Loehler, "Depleted Uranium (DU) Silent Genocide," Tribune Media Services March 2, 2004. URL: <http://www.mindfully.org/Nucs/2004/DU-Silent-Genocide25mar04.htm>. Also see Dai Williams report: "Mystery Metal Nightmare in Afghanistan? EOS-Lifework, UK. First edition, January 31, 2002. URL: <http://www.eoslifework.co.uk/pdfs/DU012v12.pdf>
- 522 *Censored 2005: The Top 25 Censored Stories* by Project Censored, Seven Stories Press, 2004, Page 50.
- 523 "U.S. Used More DU Weapons in Afghanistan Than in Persian Gulf War: Dracovic," *Tehran Times*, November 9, 2002.
- 524 John LaForge, "Depleted Uranium: Weapons Tied to Genetic Damage & Leukemia," *Nukewatch Pathfinder*, Fall 2002.
- 525 Marc W. Herold, "America's 'New' Wars : Precisely Delivering 'Lethal Injection' by Using Depleted Uranium" Traprock Peace Center, November 9, 2002. Complete report at URL: <http://traprockpeace.org/DUessayMWHerold.pdf>.
- 526 A. C. Thompson, "War Without End," *The Nation*, December 02, 2001.
- 527 "Depleted Uranium: The Trojan Horse of Nuclear War" by Leuren Moret, *World Affairs Journal*, July 2004.
- 528 Human Rights Watch report: "Fatally Flawed: Cluster Bombs and Their Use by the United States in Afghanistan," Vol. 14, No. 7 (G), December 2002. Printer Friendly PDF version available at: <http://hrw.org/reports/2002/us-afghanistan/Afghan1202.pdf>.
- 529 Human Rights Watch report, "Fatally Flawed: Cluster Bombs and Their Use by the United States in Afghanistan," Vol. 14, No. 7 (G) – December 2002. Full report available at URL: <http://hrw.org/reports/2002/us-afghanistan/Afghan1202.pdf>.
- 530 Ibid., Human Rights Watch Report, December 2002.
- 531 Laura Flanders, "Weapons of Mass Destruction: U.S. is dropping World's Biggest Non-Nuclear Weapons in Afghanistan," *WorkingforChange.com*, November 8, 2001. URL: <http://www.commondreams.org/views01/1108-04.htm>.
- 532 For details see: Rupert Ticehurst, "The Martens Clause and the Laws of Armed Conflict." International Review of the Red Cross,

- 517 The International Court of Justice in the Advisory Opinion on Nuclear Weapons in 1996 referred to customary International law regulating the conduct of war, the 1899 and 1907 Hague Conventions, the four Geneva Conventions including the Geneva Protocol for the Prohibition of the Use in War of Asphyxiating Poisonous and other Gases and of Bacteriological Methods of Warfare, the two Additional Protocols of 1977 (binding on all State parties, even those who are not signatories, as these protocols merely reaffirm existing principles of International Customary Law regulating armed conflict) the Environmental Modification Convention of 1977 and the Conventional Weapons Convention of 1980, as International Humanitarian Law on the conduct of warfare emphasizing that the "Martens Clause" is the link between Treaty Law and Customary International Law in International Humanitarian Law.
- 518 The working paper prepared pursuant to the Resolution 2001/6, by Y. K. J. Yeung Sik Yuen on "Human Rights and Weapons of Mass Destruction, Or With Indiscriminate Effect, or of a Nature to Cause Superfluous Injury or Unnecessary Suffering" for the Sub-Commission on the promotion and protection of Human Rights of the Commission of Human Rights, Economic and Social Council (E/CN.4/Sub.2/2002/38 dated 27th June 2002) broadly reiterates the principles of the aforesaid Advisory Opinion of the ICJ. The author referring to the principles of customary International Humanitarian Law, and to the Conventions and treaties, in force for over a century has correctly summarized the tests to be satisfied before weapons systems fulfill the legal test for deployment as follows: "The above Conventions are by no means exhaustive and taken together with the precepts of customary International Law show that a number of legal principles banning or limiting certain arms are now firmly established.
- 519 Lauren Moret, "Depleted Uranium: The Trojan Horse of Nuclear War," *World Affairs*—The Journal of International Issues, July 1, 2004.
- 520 Ibid., Lauren Moret.
- 521 See proceedings of World Uranium Weapons Conference, Oct 16-19, 2003 - University of Hamburg, Germany. URL:

Chapter 7:***Extreme Intolerance: A Sign of Religious Vengeance***

- 504 Christopher Coker, *Waging War Without Warriors? The Changing Culture of Military Conflict*, Rienner Publishers, London, 2002.
- 505 Dave Grossman, *On Killing: The Psychological Cost of Learning to Kill in War and Society*, Little, Brown and Company, (1996) page 160-165, 209, 251.
- 506 Brook Warners's essay, "Abu Ghraib and New General of Soldiers," in the book, *Abu Ghraib: The politics of Torture*, North Atlantic Books, 2004, page 79.
- 507 Adrian Levy and Cathy Scott-Clark, "One huge U.S. Jail," *The Guardian*, March 19, 2005.
- 508 Arlie Hochschild, "Arrested Development," *The New York Times*, June 29, 2005.
- 509 Ibid., Arlie Hoschschild.
- 510 The Nuremberg Trials: IMT Charter, Indictments, Verdicts and Sentencing of Major War Figures." See: <http://www.law.umkc.edu/faculty/projects/ftrials/nuremberg/NurembergIndictments.html>.
- 511 Opinion and Judgment of the Nüremberg International Military Tribunal, "The Common Plan or Conspiracy and Aggressive War." <http://www.derechos.org/nizkor/nuremberg/judgment/cap4.html>.
- 512 By Michael Isikoff and Michael Hirsh, "9/11: The Iran Factor," *Newsweek*, July 26, 2004. URL: <http://www.msnbc.msn.com/id/5457389/site/newsweek> Also see: Adam Zagorin and Joe Klein, "9/11 Commission Finds Ties Between al-Qaeda and Iran," *Time*, July 16, 2004.
- 513 Daniela Gioseffi, *Women on War: An International Anthology of Writings from Antiquity to the Present*, Feminist Press, 2003. Page 32.
- 514 Marc Herold, *Blown Away: The Myth and Reality of Precision Bombing in Afghanistan*, Common Courage Press, 2004.
- 515 Ibid., Daniela Gioseffi, Page 29-30.
- 516 Of which a critical clause, reproduced thereafter in practically every Convention regulating International Humanitarian Law, was inspired by President Abraham Lincoln of the United States.

way affect the authority and responsibility of the Security Council under the present Charter to take at any time such action as it deems necessary in order to maintain or restore international peace and security." See: <http://www.un.org/aboutun/charter/>

- 493 U.N. Charter, article 33: "1. The parties to any dispute, the continuance of which is likely to endanger the maintenance of international peace and security, shall, first of all, seek a solution by negotiation, enquiry, mediation, conciliation, arbitration, judicial settlement, resort to regional agencies or arrangements, or other peaceful means of their own choice. 2. The Security Council shall, when it deems necessary, call upon the parties to settle their dispute by such means.
- 494 Francis F. Boyle, "No War on Afghanistan," Speech at Illinois Disciples Foundation on October 18, 2001. URL: <http://www.ratical.org/ratville/CAH/fab112901.html>.
- 495 Michael Mandel, "Say What You Want, But This War is Illegal," *Toronto Globe and Mail*, October 9, 2001.
- 496 Marjorie Cohn, "Navy Judge finds war protest reasonable," Editorial, *Truth Out*, May 13, 2005. URL: http://www.truthout.org/docs_2005/051305X.shtml.
- 497 John Milbank quoted in Stanley M Hauerwas, Frank Lentricchia, "Dissent from the Homeland: Essays After September 11, Duke University Press, September 2003, page 80.
- 498 Ibid., John Milbank, page 80.
- 499 Rowan Williams, *Writing in the Dust: After September 11*, Wm. B. Eerdmans Publishing, January 2002, page 37.
- 500 Mohammed Ed-Nawawy, Adel Iskandar, *Aljazeera: The Story of the Network That Is Rattling Governments and Redefining Modern Journalism*, HarperCollins Canada, July 2003. Page 106.
- 501 Grahame Warby, Martin Cunningham, *September 11, 2001: Kindling the Debate*, Llumina Press, 204. Page 90.
- 502 Ibid., Michael Mandel.
- 503 Gail Davidson, "International Law: The Illegality of The War On Afghanistan," Defense Of Canadian Liberty Committee, October 13, 2001. URL: <http://www.canadianliberty.bc.ca/liberty-vs-security/gail-davidson-war-on-afghanistan.html>.

- necessary to restore and maintain international peace and security.”
- 488 NATO Resolution October, 05, 2001. The NATO Allies agreed to: Enhance intelligence sharing and cooperation, both bilaterally and in the appropriate NATO bodies, relating to the threats posed by terrorism and the actions be taken against it; Provide, individually or collectively, as appropriate and according to their capabilities, assistance to Allies and other states which are or may be subject to increased terrorist threats as a result of their support for the campaign against terrorism; Take necessary measures to provide increased security for facilities of the United States and other Allies on their territory; Backfill selected Allied assets in NATO's area of responsibility that are required to directly support operations against terrorism; Provide blanket over flight clearances for the United States and other Allies' aircraft, in accordance with the necessary air traffic arrangements and national procedures, for military flights related to operation against terrorism; Provide access for the United States and other Allies to ports and airfields on the territory of NATO nations for operations against terrorism, including for refueling, in accordance with national procedures; That the Alliance is ready to deploy elements of its Standing Naval Forces to the Eastern Mediterranean in order to provide a NATO presence and demonstrate resolve; and That the Alliance is similarly ready to deploy elements of its NATO Airborne Early Warning force to support operations against terrorism.
- 489 *The Globe and Mail*, October 8, 2001.
- 490 U.S. Constitution, Article I, Section 8, clause 15: “To provide for calling forth the militia to execute the laws of the union, suppress insurrections and repel invasions.” See: <http://www.law.cornell.edu/constitution/constitution.articlei.html#section8>.
- 491 U.N. Charter: See URL: <http://www.un.org/aboutun/charter/>
- 492 Article 51 of the U.N. Charter: “Nothing in the present Charter shall impair the inherent right of individual or collective self-defense if an armed attack occurs against a Member of the United Nations, until the Security Council has taken measures necessary to maintain international peace and security. Measures taken by Members in the exercise of this right of self-defense shall be immediately reported to the Security Council and shall not in any

- 481 Michael Mandel, *How America Gets Away with Murder: Illegal Wars, Collateral Damage and Crimes Against Humanity*, Pluto Press, 2004. p. 45.
- 482 Garda Ghista, "Pre-Emptive Invasion and International Law," Centre for Research on Globalization, Canada, December 13, 2005.
- 483 "We repeatedly put forward proposals concerning ways of solving Osama bin Laden's issue. We have told America that if it has any evidence of Osama bin Laden's guilt, it should be given to the Supreme Court of Afghanistan, so that we can take action in the light of it. America has rejected all of this. We have proposed to America to let representatives of the Organization of Islamic Conference come to Afghanistan to assess Osama Bin-Laden's activities for its satisfaction. But this has been rejected by America also...If the American Government has some problems with the Islamic Emirate of Afghanistan they should be solved through negotiations." "Taleban leader protests Bin Laden's innocence." BBC News, September 19, 2001. URL: http://www.news.bbc.co.uk/1/hi/world/south_asia/1552483.stm.
- 484 James P Sterba, *Terrorism and International Justice*, Oxford University Press U.S., 2003. Page 161.
- 485 Ibid., Francis Boyle.
- 486 Michael Mandel, *How America Gets Away with Murder: Illegal Wars, Collateral Damage and Crimes Against Humanity*, p. 35.
- 487 Article 5 of NATO pact reads: "The Parties agree that an armed attack against one or more of them in Europe or North America shall be considered an attack against them all and consequently they agree that, if such an armed attack occurs, each of them, in exercise of the right of individual or collective self-defense recognized by Article 51 of the Charter of the United Nations, will assist the Party or Parties so attacked by taking forthwith, individually and in concert with the other Parties, such action as it deems necessary, including the use of armed force, to restore and maintain the security of the North Atlantic area...Any such armed attack and all measures taken as a result thereof shall immediately be reported to the Security Council. Such measures shall be terminated when the Security Council has taken the measures

2002. URL: http://news.bbc.co.uk/2/hi/middle_east/2550513.stm.
- 463 Kawther Salam, "Al-Qaeda a manufactured intelligence front," Prison Planet, June 25, 2004. URL: <http://prisonplanet.tv/articles/june2004/062504manufacturedfront.htm>.
- 464 Statement of Congressman Dana Rohrabacher, *U.S. Policy Toward Afghanistan*, Senate Foreign Relations Subcommittee on South Asia, April 14, 1999.
- 465 Ibid., Statement of Congressman Dana Rohrabacher.
- 466 "Musharraf tells Mulla Rabbani-led team: Resolve Osama issue, Form broad-based government" (*The Frontier Post*, February 02, 2000). See details: URL: http://www.icssa.org/ICSS%20-%20Themes_afghanistan_lMusharraf_to_Mulla.htm.
- 467 Ali, Noor, U.S.-U.N. Conspiracy Against the People of Afghanistan, Online Center for Afghan Studies, 21 February 1998.
- 468 According to General Hamid Gul, the former Chief of ISI, Osama swore on the Qur'an to deny his involvement in the bombings in Africa. See Osama's interview and other analysis on this link: URL: <http://finance.groups.yahoo.com/group/InfoTimes/message/1133>.
- 469 Interview with Ahmed Rashid by Omar Samad, Azadi Afghan Radio, op. cit.
- 470 *The Washington Post*, December 19, 2000.
- 471 Eric Margolis, "U.S.-Russian Crusade Against Osama Bin Laden," *Toronto Sun*, December 4, 2000.
- 472 Luke Harding, "Chasing monsters," *Guardian*, 24 November 2000.
- 473 Ibid., Starr, S. Frederick.
- 474 Ibid., Starr, S. Frederick.
- 475 HRW press release, 'Afghanistan: Ban Weapons to All Warring Factions', Human Rights Watch, New York. December 15, 2000.
- 476 Ibid., HRW press release, December 15, 2000.
- 477 *Toronto Sun*, December 4, 2000.
- 478 *Guardian*, November 24, 2000.
- 479 Francis Boyle: "Is Bush's war Illegal: Let's count the ways," *Counter Punch*, September 17, 2002.
- 480 "Every nation in every region now has a decision to make: Either you are with us or you are with the terrorists." George Bush, September 11, 2001.

- 450 Steve Coll, *Ghost Wars: The Secret History of the CIA, Afghanistan, and Bin Laden, from the Soviet Invasion to September 10, 2001*, Penguin, 2004. Page 338.
- 451 Ahmed Rashid, *The New Great Game: The Battle for Central Asia's Oil*, I. B. Taurus 2002.
- 452 Tonny Allen Mills, "Let bin Laden Stay Free, says CIA man," *The Sunday Times*, January 09, 2005. URL: <http://www.times-online.co.uk/article/0,,2089-1431539,00.html>
- 453 Ibid. Tonny Allen Mills.
- 454 CBS report, "What to do with Osama if he is found," March 12, 2003. URL: <http://www.cbsnews.com/stories/2003/02/28/attack/main542306.shtml>.
- 455 Kimberly A. McCloud and Adam Dolnik, "Debunk the myth of Al-Qaeda, Its size and reach have been blown out of proportion" *Christian Science Monitor*, May 23, 2002. URL: <http://www.csmonitor.com/2002/0523/p11s02-coop.html>.
- 456 See: "Al-Qaeda a non-entity before 9/11." http://www.whatreallyhappened.com/alqaeda_nonentity.html Also see: "Al-Qaeda: Weapons of mass hysteria," URL: <http://www.whatreallyhappened.com/wmh.html>
- 457 Robert Sheer, "Is Al-Qaeda Just a Bush Boogeyman?" *Los Angeles Times*, January 11, 2005. URL: <http://www.latimes.com/news/opinion/commentary/la-oe-scheer11jan11,0,2266493.column?coll=la-news-comment-opinions>.
- 458 Is 'Al-Qaeda' the Modern Incarnation of 'Emmanuel Goldstein'? URL: <http://whatreallyhappened.com/goldstein.html>.
- 459 Stacy Sullivan, "Operation Desert Fraud How Keith Idema marketed his imaginary Afghan war." *From the October 25, 2004 issue of New York Magazine* URL: <http://newyork-metro.com/nymetro/news/people/features/10121/index.html>.
- 460 "Al-Qaead non-entity before 9/11," http://www.whatreallyhappened.com/alqaeda_nonentity.html.
- 461 "CIA posing as Al-Qaeda," URL: <http://www.information-clearinghouse.info/article4513.htm> Also see: "The Phony (Mossad) Al-Qaeda cell in Palestine." <http://whatreallyhappened.com/fakealqaeda.html>
- 462 BBC News: "Israel faked Al-Qaeda presence." December 08,

- 436 URL: http://www.truthout.org/docs_02/12.30A.afgh.pipe.htm
- 437 The Project for the New American Century (henceforth PNAC) *Rebuilding America's Defenses: Strategy, Forces and Resources for a New Century*, September 2000 (www.newamerican-century.org).
- 438 Chalmers Johnson, *The Sorrows of Empire: Militarism, Secrecy, and the End of the Republic*, Metropolitan Books, 2004. Page 178.
- 439 Lehman, who was secretary of the navy during two Reagan administrations, signed PNAC's "Letter to President Bush on the War on Terrorism," September 20, 2001. (www.new-americancentury.org/Bushletter.htm).
- 440 PNAC, *Rebuilding America's Defenses*, 51.
- 441 David Ray Griffin: *The New Pearl Harbor Disturbing Questions About the Bush Administration and 9/11* Massachusetts: Olive Branch Press (2004)
- 442 CNN, "U.S. in a diplomatic hard place in dealing with Afghanistan's Taliban", CNN, October 8, 1996. AI report, Afghanistan: Grave Abuses in the Name of Religion, op. cit; *Guardian*, October 9, 1996. Also see *Financial Times*, October 9, 1996.
- 443 *Frankfurter Rundschau*, October 1996; also see Catalinotto, John, Afghanistan: Battle deepens for central Asian oil", *Workers World News Service*, *Workers World*, October 24, 1996.
- 444 Ibid., *Frankfurter Rundschau*,
- 445 Goltz, Thomas, "The Caspian Oil Sweepstakes - A Great Game Replayed", *Jinn Magazine* (online), Pacific News Service, San Francisco, 15 October 1997. URL: <http://www.pacificnews.org/jinn>. Also see: See Stephen J. Sniegowski, *Keep your eyes on the Caspian, or, None dare call it imperialism*, *The Last Ditch*, September 22, 1997 (whole number 18), pp. 1, 19-29. URL: <http://www.thornwalker.com/ditch>
- 446 *Wall Street Journal*, 23 May 1997.
- 447 *Wall Street Journal*, 23 May 1997.
- 448 *The New York Times*, 26 May 1997.
- 449 Schurmann, Franz, "U.S. Changes Flow of History with New Pipeline Deal", *Jinn Magazine* (online), Pacific News Service, San Francisco, 1 August 1997, <http://www.pacificnews.org/jinn>.

Portrait?" URL: http://detik.daily.tripod.com/jan02/15jan_5.htm
 "The head of the new Afghan provisional government is a "true patriot", despite long-standing ties with the USA. Sources quoted by the Saudi newspaper *Al-Watan* report that Karzai changed from being an early supporter of the Taliban to leading an undercover resistance against them. The following is the text of the report, published on the newspaper's web site on 11 December [2001]: 'Al-Watan has received new, important information about secret ties existing between Hamed Karzai, head of the Afghan provisional government, and the Americans from well-informed U.S. and European diplomatic sources. The information confirms that Karzai has cooperated with the Americans since the years of Afghan jihad [war] against the Soviets in the 1980s and that he has ties with the CIA. The information also confirms that Karzai, in coordination and cooperation with the CIA, carried out a large-scale covert operation inside Afghanistan with the objective of igniting a popular uprising against the Taliban regime.'" Also see: Eric Margolis, "A stupid and useless war," April 21, 2002. (<http://www.bigeye.com/042102.htm>) where he says: "Zahir Shah was escorted back from Rome by old CIA 'asset' Hamid Karzai, the American-appointed, British-protected 'interim leader' of Afghanistan. The glib Karzai, who has no authority in Afghanistan and commands little respect - he's called the 'mayor of Kabul' - sought to acquire a measure of legitimacy by playing obsequious son and retainer to the 87-year old monarch."

- 434 Beeman, William O., "Follow the Oil Trail - Mess in Afghanistan Partly Our Government's Fault", *Jinn Magazine* (online), Pacific News Service, San Francisco, 24 August 1998, web-site at <http://www.pacificnews.org/jinn>. Thus, we may note the observation of Hizb ut-Tahrir: "The importance of Pakistan [to the U.S.] comes from the effect it has on neighboring countries like Iran, Afghanistan and India. Pakistan is a powerful tool of American which has established, supported and guarded the Taliban in her control of Afghanistan." ("An Army General in Pakistan Overthrows the Prime Minister", Hizb ut-Tahrir, October 15, 1999, <http://www.khilafah.com>).

- 435 Ibid., Beeman, William O.

- 418 Agence France Presse, "Pakistani President Meets US Congressmen," August 28, 2001.
- 419 James Risenm "Trace of Terror: The Congressional Hearings; Rifts Plentiful As 9/11 Inquiry Begins Today," *The New York Times*, June 4, 2002, Section A, Page 1, Column 5.
- 420 Reuters, "Speech by Taliban leader Mullah Muhammad Umar," September 19, 2001. URL: http://www.bostonherald.com/attack/world_reaction/ausmul09192001.htm
- 421 See Jean-Charles Brisard and Guillaume Dasquie in *"Forbidden Truth"*, Nation Books, New York, 2002, Page 43. URL: <http://www.forbiddentruth.net/>
- 422 Ibid., Jean-Charles Brisard and Guillaume Dasquie. Page, 43. Also see conclusion in Chapter 8.

Chapter 6: Legitimacy of the War and Occupation

- 423 AI report, *Afghanistan: Grave Abuses in the Name of Religion*, op. cit; *Guardian*, 9 October 1996. Also see *Financial Times*, October 09, 1996.
- 424 AI report, *Afghanistan: Grave Abuses in the Name of Religion*, op. cit; *Guardian*, October 9, 1996. Also see *Financial Times*, October 09, 1996.
- 425 "CIA responsible for terrorism, says Babar," *Frontier Post*, May 5, 2000.
- 426 Please search Google for: Demystifying Jihad Abid Ullah Jan.
- 427 Gary C. Schroen, *"First in: An Insider Account of how the CIA Spearheaded the War in Afghanistan,"* Random House, 2005. Page 277.
- 428 Ibid., Gary C. Schroen. Page 87.
- 429 Ibid., Gary C. Schroen. Page 96.
- 430 Ibid., Gary C. Schroen. Page 88.
- 431 Ustad Abdul Rasul Sayyaf. See URL: <http://www.globalsecurity.org/military/world/afghanistan/sayyaf.htm>
- 432 Ibid., Gary C. Schroen, Page 117.
- 433 Anwar Iqbal, "U.S. general: CIA chose Karzai," *The Washington Times*, August 18, 2004. Furthermore, in January 2002, BBC reported Karzai's close links to CIA. See: "Karzai: A True

- McGeough, "Hero of September 11 hijackers Alive, Well, and Still Poisoning Young Minds," *Sydney Morning Herald*, October 04, 2002. Dan Eggen, "Some Hijackers Identities Uncertain," the *Washington Post*, September 20, 2001. Greg Szymanski, "More miraculous or Perhaps planted 9/11 evidence," Rense.com November 14, 2005.
- 409 URL: http://www.whatreallyhappened.com/hijackers_flt_11.html.
- 410 URL:
http://www.whatreallyhappened.com/hijackers_identities.html.
- 411 Albert D. Pastore, Page 143.
- 412 Albert D. Pastore, Page 58.
- 413 Wayne Madsen, *America's Nightmare: The Presidency of George Bush II*, Dandelion Books, LLC, 2003, Page 100. Michel Chossudovsky, "Political Deception: The Missing Link behind 911," Centre for Research on Globalization (CRG), globalresearch.ca, June 20, 2002 (revised 27 June). URL: <http://www.globalresearch.ca/articles/CHO206A.html>.
- 414 CNN report, "Sources: Suspected terrorist leader was wired funds through Pakistan," October 01, 2001. URL: <http://archives.cnn.com/2001/US/10/01/inv.pakistan.funds/>
- 415 "Our Friends, the Pakistanis," *Wall Street Journal* editorial page, October 09, 2001. URL: <http://opinionjournal.com/best/?id=95001294#isi>
- 416 Richard Leiby, "A Cloak But No Dagger: An Ex-Spy Says He Seeks Solutions, Not Scapegoats for 9/11," the *Washington Post*, May 18, 2002; Page C01.
- 417 John Pacenti, "Intelligence Panel Hears from Glass," *The Palm Beach Post*, October 17, 2002. According to this report, Senator Graham acknowledges that his office had contact with Glass before 9/11, and was told about a WTC attack: "I was concerned about that and a dozen other pieces of information which emanated from the summer of 2001." But Graham later says he personally was unaware of Glass's information until after 9/11. In October 2002, Glass testifies under oath before a private session of the Congressional 9/11 inquiry. He states, "I told [the inquiry] I have specific evidence, and I can document it." *This testimony and most evidence still has not been made public.*

- 392 Ibid., Daniel Hopsicker, page 301.
- 393 Ibid., Daniel Hopsicker, page 150.
- 394 Ibid., Daniel Hopsicker, page 31.
- 395 Ibid., Daniel Hopsicker, page 301.
- 396 Ibid., Daniel Hopsicker, Page 81.
- 397 Ibid., Daniel Hopsicker, Page 284.
- 398 *Newsweek*, September 15 2001.
- 399 BBC Report, "1996: 'Unabomber' suspect arrested," April 3, 1996.
URL:
http://news.bbc.co.uk/onthisday/hi/dates/stories/april/3/newsid_2460000/2460423.stm.
- 400 "Let Bin Laden stay free, says CIA man," Tony Allen-Mills, *The Sunday Times-World* January 09, 2005. URL: <http://www.timesonline.co.uk/article/0,,2089-1431539,00.html>.
- 401 View video of the straight down collapse from this link:
http://www.whatreallyhappened.com/IMAGES/WTC7_Collapse.mpg
For the rest of details that show it was a controlled collapse visit: <http://www.whatreallyhappened.com/wtc7.html>.
- 402 "American Rebuilds," documentary by PBS, September 10, 2002.
<http://www.pbs.org/americarebuilds/>
- 403 Ramon Gilsanz, "The FEMA Report on World Trade Centre 7 Collapse is a Total Joke." *February 01, 2003 at 05:55 PM*
http://www.whatreallyhappened.com/fema_report.html.
- 404 "Evidence linking these Israelis to 9/11 is classified. I cannot tell you about evidence that has been gathered. It's classified information." US official quoted in Carl Cameron's Fox News report on the Israeli spy ring, URL: <http://www.whatreallyhappened.com/spyring.html>.
- 405 Newsbytes, "Instant Messages To Israel Warned Of WTC Attack," *The Washington Post*, September 27, 2001. Also see: Yuval Dror, "Odigo says workers were warned of attack," *Ha'aretz*, September 26, 2001.
- 406 Albert D. Pastore, *Stranger than fiction: An Independent Investigation of the true culprits Behind 9-11*, Dandelion Books, LLC (January 2004), Page 65.
- 407 Ibid., Bin Laden: Authentic Interview.
- 408 BBC Report, September 23, 2001, 12:30 GMT. Also see Paul

- ups and conspiracy cases, See: Eva Bertram, *Drug War Politics*, University of California Press, 1996. Also see: Tara Herivel, *Prison Nation: The Warehousing of America's Poor*, edited by Paul Wright, Routledge, 2003, Page 69. G Daniel Lassiter, *Interrogations, Confessions, and Entrapment*, Springer, 2004.
- 376 Abid Ullah Jan, BCCI: "Biggest Fraud" or the biggest conspiracy, the *FrontierPost*, 1997. URL: <http://www.icssa.org/bcci.htm>.
- 377 "Canada freed top al-Qaeda operative," *Globe and Mail*, November 11, 2001.
- 378 "Did Pearl die because Pakistan deceived CIA," *Pittsburgh Tribune-Review*, March 3, 2002.
- 379 "Shared Names for Hijackers," the *New York Times*, September 15, 2001. Also see *Newsweek* September 15, 2001.
- 380 Ibid., "Share Names for Hijackers."
- 381 Larry Wheeler, Scott Streater, Ginny Graybiel, "Pensacola NAS Link Faces More Scrutiny: Senator seeks answers on hijackers ties to Navy base," *The Pensacola News Journal*, September 17, 2001.
- 382 Guy Gugliotta and David S. Fallis, "2nd Witness Arrested 25 Held for Questioning," *Washington Post*, September 16, 2001; Page A29. Also see: Dan Eggen and Amy Goldstein, "FBI Names 19 Men as Suspected Hijackers: Some Lived in U.S. For Several Years," *The Washington Post*; Sep 16, 2001; A.12.
- 383 Ibid., Guy Gugliotta and David S. Fallis.
- 384 Los Angeles Times, September 15, 2001. Also see: Daniel Hopsicker, *Welcome to Terrorland: Mohamed Atta & the 9-11 Cover-up in Florida*, Eugene: The MadCow Press, 2004, Page 135-36.
- 385 Gannett News Service, September 17, 2001.
- 386 Los Angeles Times, September 15, 2001, the *Washington Post*, September 16, 2001.
- 387 the *Washington Post*, September 16, 2001.
- 388 Daniel Hopsicker, *Welcome to Terrorland: Mohamed Atta & the 9-11 Cover-up in Florida*, Eugene: The MadCow Press, 2004, Page 105.
- 389 Ibid., Daniel Hopsicker, page 136-137.
- 390 Ibid., Daniel Hopsicker, page 140.
- 391 Ibid., Daniel Hopsicker, page 141.

- 361 Ibid: Toby Hamden.
- 362 Carol A. Valentine, "Bin Laden: Authentic Interview," Curator, Waco Holocaust Electronic Museum, October 2001. URL: <http://www.public-action.com/911/oblintrv.html>.
- 363 "What Does Bib Laden Really Want," American Free Press. URL: http://www.americanfreepress.net/10_12_01/What_Does_Bin_Laden_Really_Wan/what_does_bin_laden_really_wan.html.
- 364 Kate Connolly, "'I did what I had to,' says suicide pilot's last letter," *Observer*, November 18, 2001. URL: <http://observer.guardian.co.uk/international/story/0,6903,596921,00.html>.
- 365 Khaled Dawoud, "Caught on camera," *Al-Ahram* weekly, December 20-26, 2001.
- 366 Matthew Davis, "Bin Laden threats may boost Bush," BBC, 00:00 GMT, January 20, 2006. URL: http://news.bbc.co.uk/2/hi/middle_east/4630054.stm.
- 367 Amber Rupinta, "Duke Professor Skeptical of bin Laden Tape," ABC News, January 19, 2006. URL: <http://abclocal.go.com/wtvd/story?section=local&id=3828678>.
- 368 Ibid. Amber Rupinta.
- 369 Al-Jazeera Report, "Bin Laden tapes: Fact or fiction?" 9:00:00 PM GMT January 20, 2006.
- 370 See: Bin Laden: Authentic Interview. by Carol A. Valentine Curator, Waco Holocaust Electronic Museum. October 16, 2001. URL: <http://www.public-action.com/911/oblintrv.html> Or Source: *Unnat*, Urdu-language daily newspaper based in Karachi, Pakistan - Friday, 28 September 2001 - pages 1, 7. - Source: BBC Monitoring Service
- 371 Quoted by Michael Meacher, British MP, in *the Guardian*, September 06, 2003.
- 372 *Daily Telegraph*, September 16, 2001.
- 373 "Speech by Taliban leader Mullah Muhammad Umar," Reuters, September 19, 2001. URL: http://www.bostonherald.com/attack/world_reaction/ausmul09192001.htm.
- 374 Arnold S. Trebach, *The Great Drug War*, Unlimited Publishing LLC, 2005, Page 334.
- 375 James Bovard, *Lost Rights: The Destruction of American Liberty*, Palgrave, 2000. Page 3. For more information on entrapment, set

- 347 See, Webster Griffin Tarpley's book: *9/11 Synthetic Terror: Made in USA*, Progressive Press, March 2005.
- 348 CNN TV report September 12, 2001.
- 349 CNN Report: "Bush: Tape a 'devastating declaration of guilt,'" December 14, 2001. 9:17 PM EST. URL: <http://edition.cnn.com/2001/US/12/14/ret.bin.laden.video/index.html?related>.
- 350 Steven Morris, "Special Effects Experts Say Fake OBL Tape Fairly Easy To Make," *The Guardian*, December 16, 2001.
- 351 See Michael Rivera's web site: What Really Happened dot com for further details.
- 352 Ibid., Michael Rivera's web site.
- 353 See the FBI site for 10 Most wanted fugitives, that says: "He is left-handed and walks with a cane." June 1999, Post Revised November 2001 URL: <http://www.fbi.gov/mostwant/topten/fugitives/laden.htm>.
- 354 Sheikh Yusuf Al-Qaradawi "Gold and Pure Silk Are Forbidden for Men," URL: <http://www.islamonline.net/fatwa/english/FatwaDisplay.asp?hFatwaID=6158>.
- 355 David Ensor, "Bin Laden named nine hijackers on tape, not one," CNN, December 21, 2001. URL: http://www.blythe.org/nytransfer-subs/Covert_Actions/White_House's_Lame_Excuses_on_bin_Laden_Tape. Also see: Gerard Holmgren, "Manufactured Terrorism—the Truth about Sept 11," April 18, 2004. URL: <http://members.iinet.net.au/~holmgren/manufactured.html>.
- 356 The video is still available at http://news.bbc.co.uk/olmedia/1725000/video/_1729938_binladen_miron06_vi.ram.
- 357 "Al-Jazeera: Bin Laden tape obtained in Pakistan," NBC, MSNBC and news services Updated: 6:46 a.m. ET October 30, 2004. URL: <http://www.msnbc.msn.com/id/6363306/>
- 358 Toby Harnden, "U.S. casts doubt on bin Laden's latest message," *Telegraph*, December 28, 2001. URL: <http://www.telegraph.co.uk/news/main.jhtml?xml=/news/2001/12/28/wbin28.xml>.
- 359 URL: http://www.whatreallyhappened.com/osama_dead.html.
- 360 "Excerpt: Bin Laden Tape," the *Washington Post*, December 27, 2001. URL: http://www.washingtonpost.com/wpshr/nation/specials/attacked/transcripts/binladentape_122701.html.

e/

- 336 CBS News report, "Bush Opposes 9/11 Query Panel," May 23, 2002. URL: <http://www.cbsnews.com/stories/2002/05/15/attack/main509096.shtml>.
- 337 See detailed description on Wikipedia: http://en.wikipedia.org/wiki/Philip_D._Zelikow. Also see an article by Shaun Waterman, UPI Homeland and National Security Editor, "9/11 director gave evidence to own inquiry" published January 15, 2004 at <http://www.upi.com/inc/view.php?StoryID=20040115-024012-7011r>.
- 338 Timothy J. Burger, "9-11 Commission Funding Woes," *Time* magazine, March 26, 2003. URL: <http://www.time.com/time/nation/article/0,8599,437267,00.html>.
- 339 CNN report, "Bush: Documents sought by 9/11 Commission 'very sensitive'," Tuesday, October 28, 2003 Posted: 8:48 AM EST (1348 GMT). URL: <http://www.cnn.com/2003/ALLPOLITICS/10/27/bush.911/> Also see Philip Shenon, "9/11 Commission Could Subpoena Oval Office Files," the *New York Times*, October 26, 2003, National Desk, section 1, page 1, column 6.
- 340 NBC, MSNBC and news services, "9/11 commission finishes Bush, Cheney session," Updated: 7:27 p.m. ET April 29, 2004. URL: <http://www.msnbc.msn.com/id/4862296/>
- 341 Julian Borger, "Bush to face tough questions on 9/11." The *Guardian*, April 29, 2004; "Hiding in the White House." The *Boston Globe*, April 30, 2004.
- 342 Eric Boehlert, "Bush's 9/11 coverup?" *Salon*, June 18, 2003.
- 343 Press Associates, Inc., news service's article, "Fire Fighters excluded from 9/11 testimony," published in *Work Day Minnesota*, May 23, 2004. URL: http://www.workdayminnesota.org/view_article.php?print=y&id=acc8dedac24eef36acfa2c8d6212427c
- 344 *Salon*, November 2003.
- 345 Nicholas Levis, "A Brief History of Kean Commission," originally published by Truth.org. URL: http://www.justicefor911.org/Appendix6_KeanCommission_111904.php
- 346 See a short article by David Griffin, "Significant Pattern to 9/11 Report's Omissions & Distortions," at <http://www.911-truth.org/article.php?story=20050927220055973>

- 324 See video clip at URL: <http://terrorize.dk/911/comments/911.wtc.truck.bombs.fbi.jack.kelley.rm> Accessed, Nov 27, 2005.
- 325 View video clip of an initial TV report as the buildings fall at URL: <http://terrorize.dk/911/witnesses/911.wtc.reporter.1.wmv> Accessed November 27, 2005. High Quality audio is also available at: <http://www.whatreallyhappened.com/IMAGES/SecondaryDevices.mp3>.
- 326 See video clip: http://www.letsroll911.org/discussion_in_firehouse.mpg URL Accessed Nov 27, 2005.
- 327 "A Nation Under-siege," *People magazine's* (People.com) interviews with survivors and witnesses, September 12, 2001. URL: <http://web.archive.org/web/20010914230246/http://people.aol.com/people/special/0,11859,174592-3,00.html>.
- 328 See video clip of the report at: <http://terrorize.dk/911/comments/911.wtc.police.found.explosives.wmv> URL Accessed Nov 27, 2005.
- 329 World Trade Centre Task Force Interview Firefighter Christopher Fenyo, Interview Date: December 11, 2001, Transcribed by Nancy Francis. File # 9110501 Page 6-7. URL: <http://a1022.g.akamai.net/f/1022/8160/1d/www.newsday.com/includes/fdny-9-11/pdf/9110295.pdf>
- 330 Newseum, *Running Toward Danger: Stories Behind the Breaking News of 9/11*, Rowman & Littlefield Publishers Inc. 2002, Page 87.
- 331 "Teresa Veliz: A Prayer to Die Quickly and Painlessly," in *September 11: An Oral History* by Dean E. Murphy (Doubleday, 2002), page 9-15. URL: <http://www.thememoryhole.org/911/veliz-bombs.htm>.
- 332 See video clip. URL: http://www.infowars.com/Video/911/wtc7_pbs.WMV URL accessed November 27, 2005.
- 333 See video clip at URL: <http://tinyurl.com/c3f9f> URL accessed November 27, 2005.
- 334 Ibid., David Ray Griffin, "*The New Pearl Harbor: Disturbing Questions about the Bush Administration and 9-11.*"
- 335 CNN report, "Bush asks Daschle to limit Sept. 11 probes," January 29, 2002 Posted: 9:26 PM EST (0226 GMT). URL: <http://archives.cnn.com/2002/ALLPOLITICS/01/29/inv.terror.prob>

- Trade Towers on TV: URL <http://www.whatreallyhappened.com/IMAGES/bushsawfirstplane1.ram>.
- 308 Ibid., Allan Wood and Paul Thompson.
- 309 See video clip at: <http://www.whatreallyhappened.com/schoolvideo.html>.
- 310 See: URL: http://www.whatreallyhappened.com/booker_planes.html.
- 311 John Daly, "UPI Hears," the *Washington Times*, June 14, 2005. URL: <http://washingtontimes.com/upi-breaking/20050613-102755-6408r.htm>. Accessed November 27, 2005.
- 312 Ibid., John Daly
- 313 Greg Szymanski, "Former Asst. Sec. Of Treasury Under Reagan Doubts Official 9/11 Story," *The Arctic Beacon*, June 22, 2005. URL: <http://www.arcticbeacon.com/arcticbeacon.html>
- 314 URL: <http://www.rmbowman.com/ssn/Secrecy.htm>
- 315 Kate Connolly, "USA staged 9/11 Attacks, German best-seller says," *National Post* and *London Telegraph*, Nov 20, 2003. URL: [http://www.telegraph.co.uk/news/main.jhtml;\\$sessionid\\$GSKNEF0PFCIL5QFIQMGCFFGAVCBQUIV0?xml=/news/2003/11/20/wbulo20.xml&sSheet=/news/2003/11/20/ixworld.html](http://www.telegraph.co.uk/news/main.jhtml;$sessionid$GSKNEF0PFCIL5QFIQMGCFFGAVCBQUIV0?xml=/news/2003/11/20/wbulo20.xml&sSheet=/news/2003/11/20/ixworld.html).
- 316 Ibid., Kate Connolly.
- 317 Alex Jones, "Former M15 Agent Says 9/11 An Inside Job," *Prison Planet*, June 27, 2005.
- 318 Elaine Jarvik, "Y. professor thinks bombs, not planes, toppled WTC," *Deseret Morning News*, November 10, 2005. URL: <http://deseretnews.com/dn/view/0,1249,635160132,00.html>.
- 319 Ibid., Elaine Jarvik.
- 320 See. Video clip of his comments from Discovery Channel at URL: <http://terrorize.dk/911/comments/911.wtc.demolition.discovery.wmv>. Accessed November 27, 2005.
- 321 Eugenie Samuel and Damian Carrington. "Design Choice for Towers Saved Lives," *New Scientist*, September 12, 2001. URL: <http://www.newscientist.com/article.ns?id=dn1281>.
- 322 Ibid., David Ray Griffin, "*The New Pearl Harbor: Disturbing Questions about the Bush Administration and 9-11.*"
- 323 See detailed list and links at: URL: 9/11 Evidence. URL: <http://icssa.org/911evidence.html>.

- 301 David Ray Griffin: *The New Pearl Harbor Disturbing Questions About the Bush Administration and 9/11* Massachusetts: Olive Branch Press (2004).
- 302 Gerry J. Gilmore, "NORAD-Sponsored Exercise Prepares For Worst-Case Scenarios," American Forces Press Service, January 14, 2003. URL: http://www.defenselink.mil/news/Jun2002/n06042002_200206043.html.
- 303 Seymour M. Hersh, "Analysis of National Security: What Went Wrong," *The New Yorker*, October 10, 2001. URL: http://www.newyorker.com/fact/content/?011008fa_FACT.
- 304 See testimony of Senator Mark Dayton before 9/11 Commission: URL: http://reopen911.org/video/Reopen911_part_2.wmv URL accessed November 27, 2005.
- 305 David Ray Griffin: *The New Pearl Harbor Disturbing Questions About the Bush Administration and 9/11* Massachusetts: Olive Branch Press (2004).
- 306 Allan Wood and Paul Thompson, "An Interesting Day: President Bush's Movements and Actions on 9/11." Center for Cooperative Research, May 9, 2003. URL: <http://www.cooperativeresearch.org/essay.jsp?article=essayaninterestingday>.
- 307 At URL: <http://www.cnn.com/TRANSCRIPTS/0112/04/se.04.html>, there is a transcript of President Bush's comments regarding the day of the attacks on the World Trade Towers. Towards the bottom of the transcript is the following quote. "BUSH: Well... (APPLAUSE) Thank you. Jordan (ph). Well, Jordan (ph), you're not going to believe what state I was in when I heard about the terrorist attack. I was in Florida. And my chief of staff, Andy Card—actually I was in a classroom talking about a reading program that works. And I was sitting outside the classroom waiting to go in, and I saw an airplane hit the tower—the TV was obviously on, and I use to fly myself, and I said, "There's one terrible pilot." And I said, "It must have been a horrible accident." But I was whisked off there—I didn't have much time to think about it, and I was sitting in the classroom, and Andy Card, my chief who was sitting over here walked in and said, "A second plane has hit the tower. America's under attack." Here is the clip of Bush saying he saw the first plane hit the World

/627524.asp

293 Associated Press, August 13 2002.

294 See John Loftus's web site. URL: <http://www.john-loftus.com/enron3.asp> 13th paragraph from the top.

295 John J. Lumpkin, Associated Press, "Agency planned exercise on September 11 built around a plane crashing into a building," *Boston Globe*, September 11, 2002. URL: http://www.boston.com/news/packages/sept11/anniversary/wire_stories/0903_plane_exercise.htm

296 Scott Simmie, "The scene at NORAD on Sept. 11: Playing Russian war games ... and then someone shouted to look at the monitor," *Toronto Star*, December 09, 2001. Reprinted at URL: http://www.911readingroom.org/bib/whole_document.php?article_id=92.

297 "In his book *Code Names*, NBC News military analyst William Arkin dates this exercise for October 22-31, 2001. [Arkin, 2005, pp 379] And a military newspaper reported in March 2001 that Global Guardian was scheduled for October 2001. [*Space Observer*, March 23, 2001, page 2. URL: <http://www.peterson.af.mil/21sw/observer/23mar01.pdf>] If this is correct, then some time after March, the exercise must have been rescheduled for early September." See website of Centre for Cooperative Research: <http://www.cooperativeresearch.org/context.jsp?item=a830globalguardian>.

298 CNN Report, "Cheney recalls taking charge from bunker," September 11, 2002. Posted: 9:51 PM EDT (0151 GMT). URL: <http://archives.cnn.com/2002/ALLPOLITICS/09/11/ar911.king.cheney/> Also see Michael C. Ruppert, *Crossing the Rubicon*, and Michael Kane's essay "Crossing the Rubicon: Simplifying the case against Dick Cheney," on URL http://www.fromthewilderness.com/free/ww3/011805_simplify_case.shtml#bullmeans.

299 Watch video clip of Norman Manita's interview before the 9/11 Commission at URL: http://www.911truthmovement.org/video/hamilton_win.wmv URL Accessed on November 27, 2005.

300 Ibid. Watch video clip of Norman Manita interview before 9/11 Commission at: http://www.911truthmovement.org/video/hamilton_win.wmv URL Accessed on November 27, 2005.

- 285 A copy of the page that has been removed from the Andrew Air Force Base is available at URL: http://web.archive.org/web/20010306223457/http://www.dcandr.af.mil/113wing/pa/html/wg_units.html This page was removed to make the official story of 9/11 look credible, particularly with regard to the question of the United States Air Force not scrambling fighter plans from Andrews Air force Base.
- 286 *Pravada*, "Russia Also Became an Object for Air Terrorists Attack," September 12, 2001.
- 287 See video clip at URL: http://www.whatreallyhappened.com/IMAGES/911_standdown_meacher.wmv
- 288 Glen Johnson, "Probe reconstructs horror, calculated attacks on planes," *Boston Globe*, September 23, 2001. URL: http://www.boston.com/news/packages/underattack/news/planes_reconstruction.htm
- 289 NORAD's Response Times, *NORAD*, September 18, 2001. Cached URL: <http://911research.wtc7.net/cache/planes/attack/presrelNORADTimelines.htm>.
- 290 Associated Press, "Related major developments in the year since the September 11 terrorist attacks," August 19, 2002. Cached URL: http://911research.wtc7.net/cache/planes/attack/ap_yearsince.html
Also see: "Timeline in Terrorist Attacks of Sept. 11, 2001," the *Washington Post*, September 12, 2001. URL: <http://www.washingtonpost.com/wp-srv/nation/articles/timeline.html>.
- 291 General Ralph E. Eberhart, NORAD Commander in Chief, says that before 9/11, "Normally, our units fly 4-6 sorties a month in support of the NORAD air defense mission." "Prepared Statement Of General Ralph E. Eberhart, USAF Commander in Chief North American Aerospace Defense Command. Subject - On The Role Of DOD In Homeland Security," Federal News Service - The Senate Armed Services Committee, October 25, 2001.
- 292 Dr. Bob Arnot, "What Was Needed to Halt the Attacks? Cockpit security, quick response not in evidence Tuesday," MSNBC, September 12, 2001. URL: <http://stacks.msnbc.com/news>

- Disaster- Why the official story of 9/11 is a monumental lie.*" Bridge of Love Publications UK (October 2002). *The New World Order Exposed*, by Victor Thorn, Sisyphus Press. This mammoth book tries to show how 9-11 was one piece in a large puzzle, the big picture being the attempt by the tiny global elite to control the world. John Kaminski, *America's Autopsy Report*, Dandelion Books, LLC, 2003. For a longer list, see: <http://www.communitycurrency.org/overview.html>.
- 279 Michel Chossudovsky, "Political Deception: The Missing Link behind 9-11," Centre for Research on Globalization (CRG), globalresearch.ca, June 20, 2002 (revised June 27). Barrie Zwicker, "9/11 What Really Happened," *Canadian Dimension*, November/December 2005. Page-42. Seymour M. Hersh, "Analysis of National Security: What Went Wrong," *The New Yorker*, October 10, 2001. URL: http://www.newyorker.com/fact/content/?011008fa_FACT.
- 280 Barry Zwicker, "The Great Deception - The War on Terrorism," <http://www.viewerplus.com/product.asp?Stat=Vision&ID=12043>. Aftermath - Unanswered Questions from 9/11, URL: <http://www.peaceproject.com/books/dvd13.htm>. Alex Jones, "9/11: The Road to Tyranny," <http://www.infowars.com/videos.html#tyranny>. video clip of an initial TV report as the buildings fall at URL: <http://terrorize.dk/911/witnesses/911.wtc.reporter.1.wmv>. See video clip of Norman Manita's interview before the 9/11 Commission at: http://www.911truthmovement.org/video/hamilton_win.wmv URL Accessed on November 27, 2005. URL: http://www.whatreallyhappened.com/booker_planes.html.and URL <http://www.whatreallyhappened.com/IMAGES/bushsawfirstplane1.ram>.
- 281 Barrie Zwicker, "9/11 What Really Happened," *Canadian Dimension*, November/December 2005. Page-42.
- 282 Webster Griffin Tarpley, *9/11 Synthetic Terror: Made in USA*, published by Progressive Press, March 2005.
- 283 Ibid., Webster Griffin Tarpley.
- 284 Mike Kelly, "Atlantic City F-16 Fighters Were Eight Minutes Away From 9/11 Hijacked Planes, *The Bergen Record*, December 5, 2003.

/top3.htm. Also read shura's decision: URL: http://www.911review.org/Wget/www.robert-fisk.com/clerics_final_decision_sept2001.htm which fell on deaf ears.

273 AI report, Afghanistan: Grave Abuses in the Name of Religion, op. cit; *Guardian*, October 9, 1996. Also see *Financial Times*, October 9, 1996.

274 Ibid., AI report.

275 Vidgen, Ben C., "A State of Terror: How many "terrorist" groups has your government established, sponsored or networked latterly", *Nexus Magazine*, Vol. 3. No. 2, February-March 1996. See especially John K. Cooley, *Unholy Wars: Afghanistan, America and International Terrorism*, Pluto Press, London, 1999.

Chapter 5: The Staged 9/11: Pre-Planned Crusade Begins

276 9/11 Commission Report. URL: http://www.9-11commission.gov/report/911Report_Exec.htm

277 Condoleeza Rice, May 16th, 2002: "I don't think that anybody could have predicted that these people would take an airplane and slam it into the World Trade Center, take another one and slam it into the Pentagon, that they would try to use... a hijacked airplane as a missile." FBI director Robert Mueller: "There were no warning signs that I'm aware of that would indicate this type of operation in the country." Ari Fleischer (White House Press Secretary): "Until the attack took place, I think it is fair to say that no one envisioned that as a possibility." See. David Ray Griffin: *The New Pearl Harbor Disturbing Questions About the Bush Administration and 9/11* Massachusetts: Olive Branch Press (2004).

278 David Ray Griffin: *The New Pearl Harbor Disturbing Questions About the Bush Administration and 9/11* Massachusetts: Olive Branch Press (2004). Nafeez Ahmed's *The War on Truth: 9/11, Disinformation and the Anatomy of Terrorism*, published by Olive Branch Press in 2005. Webster Griffin Tarpley's book: *9/11 Synthetic Terror: Made in USA*, Progressive Press, March 2005. David Icke: *"Alice in Wonderland and the World Trade Center*

- 262 See interview of Francis A. Boyle, professor of international law at the University of Illinois, Champaign, on the issue of No Fly Zone at URL: http://www.theexperiment.org/articles.php?news_id=1890 accessed December 7, 2005.
- 263 Dilip Hiro, "The Cost of an Afghan 'Victory,' the *Nation*, February 15, 1999.
- 264 Ibid. Dilip Hero.
- 265 *Sunday Express*, September 16, 2001.
- 266 See China's annual report on America's human rights violations. For the full text of the Human Rights Record of the United States in 2004, released by the Information office of China's State Council Thursday, March 3, 2005. URL: http://www.chinadaily.com.cn/english/doc/2005-03/03/content_421420.htm.
- 267 For details, see "A lesson for the Taliban-bashers." URL: http://www.icssa.org/taliban_bashers.html
- 268 "Taliban for Direct Talks with U.S. on Osama," *Pakistan Observer*, Feb 15, 2001. URL: http://english.people.com.cn/english/200102/15/eng20010215_62454.html.
- 269 Mohammed Omar, "Taliban leader offered U.S. talks after '98 strike," Associated Press, *Arizona Daily Star*, 09.11.2004, URL: <http://www.azstarnet.com/dailystar/relatedarticles/38442.php>.
- 270 Henry Schuster U.S. repeatedly asked Taliban to expel bin Laden: Declassified cable details years of negotiations," CNN Friday, January 30, 2004 Posted: 5:59 PM EST (2259 GMT). URL: <http://www.cnn.com/2004/US/01/30/taliban.talks/>
- 271 "Taliban Want Good Ties With U.S.," reported by People's Daily, Thursday, November 04, 1999, updated at 10:11(GMT+8), <http://english.people.com.cn/english/199911/04/eng19991104W113.html> "Mutawakil said the United States earlier asked the Taliban to expel bin Laden and now when he has offered to leave Afghanistan, Washington has changed its stand."
- 272 Reuters - Wednesday, September 19, 2001. URL: http://www.bostonherald.com/attack/world_reaction/ausmul09192001.htm. URL: http://www.911review.org/Wget/www.robert-fisk.com/speech_mullah_umar_sept19_2001.htm. Daily Dawn September 20, 2001. URL: <http://www.dawn.com/2001/09/20>

- that exposes the farce of Loya Jirga: "Afghans protest over U.S. manipulation of summit influence at loya jirga," June 12, 2002.
- 252 Scott Baldouf, "What's hot and sizzling in Kabul? The New Steakhouse," the *Christian Science Monitor*, March 28, 2004. With regard to embracing other anti-Islam values, such as homosexuality, see: Lou Chibbaro Jr., "New Afghan Rulers Better for Gays?," *Washington Blade*, December 21, 2001.
- 253 Editorial, "Bad Bargain in Afghanistan," *New York Times*, July 13, 1998.
- 254 Marion Lloyd, "Kabul U. struggles amid the ruins," *The Chronicle of Higher Education*, Vol. 45 No. 19; p. A45.
- 255 A UN Reports confirms this fact in these words: "There has been some easing of restrictions in some parts of Afghanistan, particularly in terms of women's and girls' access to health services, education and employment opportunities. The shift is in part due to an increased demand from local communities for health and education for girls and women and for income-generating employment for women, especially for war widows heading households." See "The Implementation of Human Rights with Regard to Women: Report of the Secretary-General on the situation of women and girls in Afghanistan," submitted in accordance with Sub-Commission resolution 1999/14. Page 5, para 18. URL: [http://www.unhchr.ch/Huridocda/Huridoca.nsf/0/4f3b6f16c0088a70c125694d0053823a/\\$FILE/G0014356.pdf](http://www.unhchr.ch/Huridocda/Huridoca.nsf/0/4f3b6f16c0088a70c125694d0053823a/$FILE/G0014356.pdf).
- 256 Ibid., UN Report. See in particular paragraph 29 on Page 7.
- 257 Ibid, UN Report, See para 22.
- 258 Barnett R. Rubin, Director of Studies, Center on International Cooperation, New York, Webpage: URL: <http://www.nyu.edu/pages/cic/index2.html>.
- 259 For details, see Abid Ullah Jan, "Taliban's overdue recognition," *The Frontier Post*, July 13, 1999.
- 260 United Nations summary report on the Celebration of Women's Day in Kabul, Afghanistan 2000.
- 261 Author was on an assessment visit to Afghanistan for UNDP, where he had to interview the communities as well as the Taliban officials to find out if the environment is conducive for poverty alleviation programs under the Taliban government.

- 242 For details see: "Blowing statues Vs satanic savagery," the *Statesman*, Pakistan, June 26, 2001. URL: http://icssa.org/ICSS%20-%20Themes_afghanistan_Statues_vs_savagery.htm
- 243 Michael Voss in Bosnia, "'Slave trade' thrives in Bosnia High unemployment makes women easy prey," Thursday, March 8, 2001
<http://www.uri.edu/artsci/wms/hughes/ukraine/slavebosnia.htm>
 See more: http://news.begrad.com/english/articles_and_opinion/bbc/000524_kosovo_sex_slave_trad_%20warning.html and
<http://www.bhhrg.org/moldova/2001%20sex%20trade/moldova%20sex%20trade.htm>
- 244 Dennis Bernstein and Larry Everest, "Liberated Kuwait: Ever since the emir was returned to his throne, repression, rape, and reprisals have become staples of life in Kuwait," Pacific News Service, September 9, 1992. URL <http://www.sfbg.com/gulfwar/090992.html>.
- 245 Dennis Bernstein. "Liberated Kuwait: Ever since the emir was returned to his throne, repression, rape, and reprisals have become staples of life in Kuwait," San Francisco Bay Guardian September 9, 1992. URL: <http://www.flashpoints.net/LiberatedKuwait.html>. URL accessed December 24, 2005.
- 246 BBC report, "Angry welcome for Palestinian in Kuwait," Wednesday, 30 May, 2001, 22:11 GMT 23:11 UK. URL: http://news.bbc.co.uk/2/hi/middle_east/1361060.stm See Amnesty International report at: <http://web.amnesty.org/library/Index/ENGMDI170021992?open&of=ENG-KWT>
- 247 Ibid. Dennis Bernstein.
- 248 Adrian Levy and Cathy Scott-Clark, "One huge U.S. Jail," *Guardian*, March 19, 2005.
- 249 Ibid. Adrian levy.
- 250 See the *Washington Post* article: "Afghan Crime Wave Breeds Nostalgia for Taliban," by N.C. Aizenman, March 18, 2005; Page A01.
- 251 Read Robert Fisk's write up: "Gangsters, murderers and stooges used to endorse Bush's vision of 'democracy,'" Independent UK, June 10, 2002 to see what kind of democracy the U.S. has brought to Afghanistan. Also see an article by Kate Clark of Independent

Tuesday to extend the mandate of the nearly 180,000-strong multinational force in Iraq for a year, a move the United States called a strong signal of the international commitment to Iraq's political transition."

232 URL:

<http://www.arabicnews.com/ansub/Daily/Day/030425/2003042526.html>

233 Ibid. Craig Karp report.

234 See: *Mohammad Mosaddeq and the 1953 Coup in Iran*, edited by Mark J. Gasiorowski and Malcolm Byrne, New Volume (2004) Reexamines a Seminal Event in Modern Middle Eastern History, A Joint U.S.-British Regime-Change Operation in 1953 that Holds Lessons for Today New Documents Shed Further Light on Secret U.S. Policy, June 22, 2004. URL: <http://www.gwu.edu/~nsarchiv/NSAEBB/NSAEBB126/>

235 Sam Harris tells the world through the pages of *Washington Times* (Dec 02, 2004) that: "It is time we admitted that we are not at war with 'terrorism.' We are at war with Islam. This is not to say that we are at war with all Muslims, but we are absolutely at war with the vision of life that is prescribed to all Muslims in the Koran. The only reason Muslim fundamentalism is a threat to us is because the fundamentals of Islam are a threat to us. Every American should read the Koran and discover the relentlessness with which non-Muslims are vilified in its pages. The idea that Islam is a 'peaceful religion hijacked by extremists' is a dangerous fantasy and it is now a particularly dangerous fantasy for Muslims to indulge."

236 BBC, April 4, 2001, 05:57 GMT 06:57 UK.

237 Ibid. BBC.

238 Taken from the transcript of Sayyid Rahmatullah Hashmi's Lecture at USC Regarding Taliban. Please see: URL: <http://www.rastafarispeaks.com/cgi-bin/forum/config.pl?noframes;read=64794>

239 Sikander Hayat, "Taliban ready for parleys with rivals," *The Frontier Post*, February 02, 2000.

240 Ibid., Sikander Hayat.

241 Carlotta Gall. "Pakistan Army Ousts Afghan refugees in Militants' areas." *New York Times*, July 21, 2004.

- Jihad," *The Washington Post*, Saturday, March 23, 2002; Page A01.
- 219 Ibid., Joe Stephens and David B. Ottaway.
- 220 Ibid., Joe Stephens and David B. Ottaway.
- 221 Ibid., Joe Stephens and David B. Ottaway.
- 222 Ibid., Joe Stephens and David B. Ottaway.
- 223 KHAD or KhAD is an abbreviation for *Khedamat-e Etelea'at-e Dawlati*, the Afghan regime's secret police, also known as the State Information Agency. Successor to AGSA and KAM, KHAD was nominally part of the Afghan state, but it was firmly under the control of the Soviet KGB.
- 224 Craig Davis, "'A' Is for Allah, 'J' Is for Jihad," *World Policy Journal*, Sprint 2002. Page 93.
- 225 "Afghanistan: eight years of Soviet occupation," a report prepared by Craig Karp, Afghanistan analyst, with the assistance of other analysts in the Bureau of Intelligence and Research and Department officials.
http://www.findarticles.com/p/articles/mi_m1079/is_n2132_v88/ai_6536321
- 226 Ibid. Craig Karp report.
- 227 Norman D Livergood, *America, Awake!: We Must Take Back Our Country*, Dandelion Books, LLC, 2003, Page 90. Also see: Grahame Warby, Martin Cunningham, *September 11, 2001: Kindling the Debate*, Media Creations, 2004, page 53, and Arundhati Roy, *Public Power in the Age of Empire*, Seven Stories Press, 2004, page, 37.
- 228 Ibid. Craig Karp report.
- 229 Editorial, "Vice President for Torture," *The Washington Post*, October 26, 2005. CNN Report: "Powell aide: Torture 'guidance' from VP," November 20, 2005; Posted: 5:18 p.m. EST (22:18 GMT). Julian Borger, "Cheney 'may be guilty of war crimes'," *Guardian*, Nov 30, 2005.
- 230 Ibid. Craig Karp report.
- 231 John F. Burns, "the U.N. Extends Approval for U.S.-Led Forces to Stay," the *New York Times*, June 1, 2005. "Security Council extends Iraq mandate," *China Daily*, November 09, 2005. The report reads: "The U.N. Security Council voted unanimously

- 211 "Three of Karzai's Mujahdeen fighters had been seated on the wall, relaxing, waiting to watch the fireworks as the Taliban positions across the valley were systematically destroyed. The three Mujahideen were blown apart, their bodies disintegrating in the blast." Taken from the CIA officer Gary C. Schroen's book, *First in: An inside account of how the CIA spearheaded the war in Afghanistan*, Random House, 2005, Page 277.
- 212 J David Slocum, *Terrorism, media, Liberation*, Rutgers University Press, 2005. Page 300.
- 213 Ibid., J David Slocum. Page 301.
- 214 See "The Bull Inter Caetera (Alexander VI), May 4, 1493 for the background and other details of the Inter Cetra bull: URL <http://www.nativeweb.org/pages/legal/indig-inter-caetera.html>
- 215 Pope Benedict told Muslim leaders in Germany: "It's your job to stamp out terrorism, Pope tells top Muslims. Steer Young Muslims away from 'barbarism, cruel fanaticism,' he instructs leaders." *Ottawa Citizen*, front page, August 21, 2005.
- 216 The reasons are: a) The Pope serves, at least in Catholic theory, as the final living arbiter of Christian doctrine; b) His words are coming at a time when all Muslims have been relentlessly condemning terrorist acts for the past four years; c) Lecturing Muslims on the need to put their house in order and castigating them to denounce terrorists has become a vogue. After Blair's firebrand statements and countless media pundits' threatening all Muslims, the proverbial straw on the camel's back are the front page headlines of Pope Benedict statement, and d) the dangerous aspect of Pope Benedict's comments is that it legitimizes actions of those who have already taken lives of at least 150,000 civilians alone since September 9/11. These warlords are now trying the world to forget about their lies and use the same excuses as justification for their slaughter, which Pope Benedict highlighted in his recent address to Muslims. Like earlier papal bulls, such words from Pope Benedict carry the potential for a new holocaust.
- 217 Blum, Bill (translator), "Interview with Zbigniew Brzezinski", January 15-21, 1998. URL: <http://groups.yahoo.com/group/konformist/message/2429>.
- 218 Joe Stephens and David B. Ottaway, "From U.S., the ABC of

- fatwa.html Steven Emerson immediate rejected it as "bogus" fatwa. See: <http://www.danielpipes.org/comments/24125>
- 197 Jacob G. Hornberger, "Serfs on the Plantation," Part I, The Future of Freedom Foundation, June 1993. URL: <http://www.fff.org/freedom/0693a.asp>.
- 198 All of a sudden people in the West were champions of women rights, playing on the racist stereotype that Muslims, by religious necessity, abuse women. These critics need only look in the mirror of their own societies to see the position of women there and how they are treated. The myth of equality has not only over-worked them beyond their natural capacity but also deprived them of their basic rights as women.
- 199 See complete text on the bill in daily *Dawn*, July 16, 2005. URL: <http://www.dawn.com/2005/07/16/nat18.htm>
- 200 *Weekly Independent*, July 21-27, 2005. URL: <http://www.weekly-independent.com/archives/Issue%2005/news2.htm>
- 201 Quoted in *Impact International*, February 2000.
- 202 *Ibid.*, *Impact International* February 2000.
- 203 *Ibid.*, *Impact International* February 2000.
- 204 Moscow, in Russian, 1942 gmt December 21, 1999.
- 205 *Ibid.*, *Impact International*.
- 206 The Qur'an tells Muslims to do *Jihad* with the Qur'an (Al-Quran 25:52): "Therefore listen not to the Unbelievers, but strive against them with the utmost strenuousness, with the (Qur'an)."
- 207 *Ibid.*, Barry Yeoman.
- 208 Yoginder Sikand, "The Evangelical Challenge: A New Face of Western Imperialism," *The Evangelical Challenge*, March 15, 2005.
http://www.christianaggression.org/item_display.php?type=ARTICLES&id=1110917956
- 209 *Ibid.*, Edward. W. Said.

Chapter 4: From Jihad to Crusade

- 210 Wayne Madsen, John Stanton, *America's Nightmare: The Presidency of George Bush II*. Dandelion Books. LLC, 2003, Page-4.

- 189 See: UK Home Secretary Charles Clarke Delivers Remarks on Counter-Terrorism in Washington, DC British Embassy, Washington D.C., October 05, 2005. URL: http://www.britainusa.com/sections/articles_show_nt1.asp?d=0&i=41020&L1=&L2=&a=39981
- 190 See Abid Ullah Jan's book, *The Musharraf Factor*, Pragmatic Publishing, December 2005.
- 191 Edward W. Said, "The Devil Theory of Islam," *The Nation*, August 12, 1996.
- 192 For example, Friedman promoted the same theme many times in an interview with PBS's Margaret Warner: "It's really a war on what you called religious totalitarianism throughout the Arab and Muslim world." "It can only come from Arabs and Muslims themselves. We can engage in the..." Online Newshour, January 21, 2002. URL: http://www.pbs.org/newshour/bb/international/jan-june02/friedman_1-21.html "Since then, it's been clear to me that unless we partner with Arabs and Muslims to change their context..." "But the good news is that young Arabs and Muslims are starting to have a very different conversation..." quotes from "Brave, young and Muslim," *The New York Times*, March 03, 2005.
- 193 For example, see, Kathleen Christison article, "Why I Liked Thomas Friedman's Latest Column Before I Didn't," which she wrote in response to one of the Friedman's articles. But she used the same language and considers Arabs different than Muslims. See: *Counter Punch*, October 26, 2004. URL: <http://www.counterpunch.org/christison10262004.html>.
- 194 See *The Musharraf Factor*, Pragmatic Publishing, Canada, December 2005.
- 195 *Ijtihad* is a judgment on a legal or theological question, based on the text in Al-Qur'an or *Sunnah*. Contrary to what many think, *Ijtihad* is a painstaking work based initially on Al-Qur'an and *Hadith*. It is considered one of the sources of Islamic *Shari'ah*.
- 196 For example see "North American Muslim Scholars Issue Edict Against Terrorism," by Jason DeRose, All Things Considered, National Public Radio, July 28, 2005. URL: <http://www.wam.umd.edu/~stwright/rel/islam/fiqh-council->

- And whoever fails to judge on the basis of that which Allah has revealed, has committed *Fisq*." (Qur'an, 5:44-47).
- 184 The title given to the collection of recorded words and actions of the prophet Muhammad (pbuh). Most of what he said or did throughout his lifetime is recorded in the *Sunnah*. *Sunnah*: Literally "a path or way, a manner of life". Sunnah is that which Muhammad did, which he enjoined, and which was not forbidden by him when done in his presence.
- 185 "...therefore judge between them by what Allah has revealed, and do not follow their low desires (to turn away) from the truth that has come to you..." (5:48) "...And that you should judge between them by what Allah has revealed, and do not follow their low desires, and be cautious of them, lest they seduce you from part of what Allah has revealed to you..." (5:49). "These are those to whom We have given the book, the authority to rule and the prophethood. And if they disbelieved in any of them (the Book, the authority to rule, and the Prophethood) then We have already entrusted a people who are not disbelievers in it." (6:89).
- 186 "Surely this Islam is your religion, one religion (only), and I am your Lord, therefore serve Me." Shakir Translation of the Qur'an 21:92. "Verily, this brotherhood of yours is a single brotherhood, and I am your Lord and Cherisher: therefore serve Me (and no other)" Yusuf Ali translation of 21:92. "And surely this your religion is one religion and I am your Lord, therefore be careful (of your duty) to Me. But they cut off their religion among themselves into sects, each part rejoicing in that which is with them." Shakir Translation Qur'an 23:52-53. "And verily this Brotherhood of yours is a single Brotherhood, and I am your Lord and Cherisher: therefore fear Me (and no other). But people have cut off their affair (of unity), between them, into sects: each party rejoices in that which is with itself." Yusuf Ali Qur'an 23:52-53.
- 187 Ibid., Patrick Buchanan, page 87.
- 188 Some leading scholars, such as Dr. Israr Ahmed in Pakistan, had clearly lent support to the Taliban. They admitted that the Taliban objectives are right. They only need intellectual support and guidance in achieving their objectives in the proper way. The secularists were calling it "Talibanization."

Subjugation, Authority, Ruling and Having Charge, 2. Obedience and Submission due to Subjugation, 3. The Method and the Habit, 4. Punishment, Reward and Judgment: The Arabs had a saying, which implies the following: you are treated the same way you treat others.

These above-mentioned four linguistic meanings constitute the concept of the word *Deen* in the *Qur'an* where it implies a comprehensive system of life that is composed of four parts: 1. The rulership and the authority belong to *Allah*. 2. The obedience and submission to this rulership and authority by those who embraced this *Deen*. 3. The comprehensive system (intellectual and practical) established by this authority (*Allah*). 4. The reward given by this authority (*Allah*) to those that followed the system and submitted to it and the punishment inflicted upon those who rebel against it and disobey it. According to the *Qur'an*, *Deen* is a submission, following and worship by man for the creator, the ruler, the subjugator in a comprehensive system of life with all its belief, intellectual, moral and practical aspects.

- 181 Further See: "He hath ordained for you that religion which He commended unto Noah and that which we inspire in thee (Muhammad) and that which we commended unto Ibrahim and Moses and Jesus, saying establish the religion and be not divided therein. (Qur'an 42:13) The Deen for Prophet Muhammad (S.A.S) was the same as for Noah, Ibrahim, Moosa and Eisa and as our Prophet came after all the Prophets, he was asked to follow the earlier Prophets in Deen. Hence Allah says: "And afterwards we inspired thee (Muhammad saying) follow the religion of Ibrahim as one by nature upright." (Qur'an 16:123).
- 182 " ... And whoever fails to judge on the basis of that which Allah revealed has committed *Kufr* (disbelief)." " ... And whoever fails to judge on the basis of that which Allah revealed has committed *Dhulm* (Injustice and oppression)." " ... And whoever fails to judge on the basis of that which Allah has revealed, has committed *Fisq* (wickedness)." (Qur'an, 5:44-47).
- 183 " ... And whoever fails to judge on the basis of that which Allah revealed has committed *Kufr*." " ... And whoever fails to judge on the basis of that which Allah revealed has committed *Dhulm*." " ...

- 1992 the US released an updated version of the document that stressed the US will work with the United Nations and its allies. See: Barton Gellman, "Pentagon Abandons Goal Of Thwarting U.S. Rivals, 6-Year Plan Softens Earlier Tone on Allies," *The Washington Post*, May 24, 1992.
- 169 Ibid., David Armstrong.
- 170 The Project for the New American Century (henceforth PNAC) *Rebuilding America's Defenses: Strategy, Forces and Resources for a New Century*, September 2000. URL: <http://www.newamericancentury.org>.
- 171 Paper by Institute for Advanced Strategic and Political Studies by Richard Perle et al (July 18, 1996). Reported in *Chicago Sun-Tribune*, March 06, 2003. Now available at URL: <http://www.freerepublic.com/focus/news/860941/posts> and <http://www.israeleconomy.org/strat1.htm>
- 172 Brian Whitaker, "Playing skittles with Saddam," the *Guardian*, September 3, 2002.
- 173 See <http://service.spiegel.de/cache/international/0,1518,382527-2,00.html> URL Accessed November 22, 2005.
- 174 See, Department of Defense web site: <http://www.dod.mil/transcripts/2005/tr20051101-secdef4201.html>
- 175 CBC New November 20, 2005. URL: http://www.mytelus.com/news/article.do?pageID=cbc/top_home&articleID=2096291
- 176 See: UK Home Secretary Charles Clarke Delivers Remarks on Counter-Terrorism in Washington, DC, British Embassy, Washington D.C., 5 October 2005. URL: http://www.britainusa.com/sections/articles_show_nt1.asp?d=0&i=41020&L1=&L2=&a=39981
- 177 See PNAC Principles, June 6, 1997. URL: <http://www.newamericancentury.org/statementofprinciples.htm>.
- 178 Jonathan Freedland, "Decisions, decisions: While we agonise about whether to go to war, the US has moved on to a different question: what next?," *The Guardian*, February 26, 2003. URL: <http://www.guardian.co.uk/usa/story/0,12271,903075,00.html>.
- 179 ABC – Nightline, "The Plan," March 5, 2003.
- 180 The concept of *Deen*: The word *Deen* is used in the Arabic language to give different meanings, most importantly are: 1.

- published articles about the plans of the Bush Administration influenced by the PNAC.)
- 153 Norman Podhoretz, "World War IV: How It Started, What It Means, and Why We Have to Win," *Commentary Magazine*, September 2004.
- 154 URL: <http://www.projectcensored.org/>
- 155 "The Neoconservative Plan for Global Dominance." URL: <http://www.projectcensored.org/Publications/2004/1.html>.
- 156 John Pilger, "The Quiet Death of Freedom," *Information Clearing House*, January 05, 2006. First published in *New Statesman*.
- 157 Ibid., John Pilger, "The Quiet Death of Freedom."
- 158 Phillip Watts, "Bush Advisor Says President Has Legal Power to Torture Children," *Information Clearing House*, January 8, 2006. URL: <http://www.informationclearinghouse.info/article11488.htm>.
- 159 Jesse, "9/11-PNAC Should be the #1 Topic of Discussion: A Wake-up Call the Alternative and Liberal Media to stop ignoring 9/11 and the project for a New American Century," *TvNewsLIES.org*, July 12, 2005. URL: http://www.tvnewslies.org/html/stop_ignoring_9_11__pnac.html.
- 160 Pepe Escobar, "The War is Brought to You by.....," *Asia Times*, March 20, 2003.
- 161 Mohammed Ali Johar, *Times*, March 04, 1924, the next day when *Khilafat* was abolished in Turkey i.e., March 03, 1924.
- 162 Al-Jazeera report, "Doctor: Uzbek protest toll about 500," May 15, 2005 , 17:21 Makka Time, 14:21 GMT.
- 163 Elisabeth Bumiller, "White House Letter: Watchword of the day - Beware the caliphate," the *New York Times*, December 11, 2005.
- 164 Larry C. Johnson, "The Declining Terrorist Threat," the *New York Times*, July 10, 2001.

Chapter 3: The Real Challenge

- 165 Ibid., Patric E. Tyler.
- 166 David Armstrong, "Dick Cheney's Song of America: Drafting a plan for global dominance," *Harper's*, October, 2002.
- 167 Ibid., Patric E. Tyler.
- 168 *Newsday*, March 16, 2003. In response to the controversy, in May

- 139 Bush's remarks from "Remarks Via Satellite by the President to the National Association of Evangelicals Convention," Office of the White House Press Secretary, March 11, 2004. URL: <http://www.whitehouse.gov/news/releases/2004/03/print/20040311-1.html>.
- 140 Yoginder Sikand, "The Evangelical Challenge: A New Face of Western Imperialism," *The Evangelical Challenge*, March 15, 2005. URL: http://www.christianaggression.org/item_display.php?type=ARTICLES&id=1110917956 and http://theamericanmuslim.org/2005august_comments.php?id=899_0_44_0_C.
- 141 "Viewed from abroad, this messianic militarism appears to millions of people as if President Bush is embarking on a religious war." Ralph Nader, *In Pursuit of Justice: Collected Writings 2000-2003*, Seven Stories Press, 2004, Page 281.
- 142 William Shawcross, *Allies: The U.S., Britain, Europe, and the War in Iraq*, Public Affairs, 2004, page 44.
- 143 See web site of AD2000 and Beyond with the slogan, "A Church for Every People and the Gospel for Every Person by the Year 2000, at URL <http://www.ad2000.org/> for detail. Also see <http://www.ad2000.org/1040broc.htm>.
- 144 Ibid., Vijay Prashad.
- 145 Barry Yeoman, "The Stealth Crusade," *Mother Jones*, May/June 2002.
- 146 Ibid., Barry Yeoman.
- 147 Ibid., Barry Yeoman.
- 148 See Gary C. Schroen, *First in: An Insider Account of how the CIA Spearheaded the War in Afghanistan*, Random House, 2005.
- 149 Barry Yeoman, "The Stealth Crusade," *Mother Jones*, May/June 2002.
- 150 Ibid., Barry Yeoman.
- 151 Patrick J. Buchanan, *Where the Right Went Wrong*, St. Martin's Press, 2004, page 88.
- 152 Full text of *Rebuilding America's Defenses* is available at Information Clearing House web site at URL: <http://www.informationclearinghouse.info/pdf/RebuildingAmericasDefenses.pdf> Also see: <http://www.informationclearinghouse.info/article2326.htm> (this article is followed by a long list of links to

W. Norton & Company, 2004. Page 35.

- 127 John Micklethwait and Adrian Wooldridge, *The Right Nation: Conservative Power in America*, Penguin, 2004, Page 145.
- 128 Ibid., Peter Waldman.
- 129 Chip Berlet, "Apocalypse," "Conspiracism," and "Demonization," in Richard A. Landes, ed., *Encyclopedia of Millennialism and Millennial Movements* as part of Berkshire Reference Works—Routledge Encyclopedias of Religion and Society, Routledge, 2000; Chip Berlet, "Apocalypse," and "Devil and Satan," in Brenda Brasher, ed., *Encyclopedia of Fundamentalism* as part of Berkshire Reference Works—Routledge Encyclopedias of Religion and Society, Routledge, 2001.
- 130 Matthew Rothschild, "Bush's Messiah Complex," *The Progressive*, February 2003.
- 131 Joel Kovel, *Red Hunting in the Promised Land: Anticommunism and the Making of America* (New York, Basic Books, 1994); Berlet and Lyons, *Right Wing Populism in America, Right Wing Populism in America: Too Close for Comfort*, The Guilford Publications, 2000.
- 132 Khurram Husain, "Neocons: The Men Behind the Curtain," *Bulletin of the Atomic Scientists*, November/December, 2003, vol. 59, no. 6, pp. 62-71; URL: <http://www.thebulletin.org/issues/2003/nd03/nd03husain.html> (November 22, 2003).
- 133 Kees van der Pijl, "The Aesthetics of Empire and the Defeat of the Left," *first press: writing in the critical social sciences*, online journal, <http://www.theglobalsite.ac.uk/press/> (November 29, 2003).
- 134 Pierre Tristram, "Subordinating the U.S. nation's secular values to zealots' wills," *Daytona Beach News-Journal* November 9, 2004. Posted Friday, November 12, 2004.
- 135 Vijay Prashad, "Eastward, evangelical soldiers," *Frontline*, Volume 22, Issue 04, February 12-25, 2005.
- 136 Ibid., Kees van der Pijl.
- 137 Wes Allison, "Evangelicals Sway Policy in the New Era," *Times*, October 11, 2004.
- 138 Vijay Prashad, "Eastward, evangelical soldiers," *Frontline*, Volume 22, Issue 04, February 12-25, 2005.

r=NYT&script=411&layout=-6&item_id=780802

- 120 Peter Waldman, "Evangelicals Give U.S. Foreign Policy An Activist Tinge," *the Wall street Journal*, May 26, 2004.
- 121 NPR Survey. See Jeff Brady, "Evangelical Chaplains test Bounds of Faith in Military," NPR. URL: <http://www.npr.org/templates/story/story.php?storyId=4772331> Accessed Nov 22, 2005.
- 122 "The Holy Warrior," CBC News, 60-Minutes-II Report, September 15, 2004. URL: <http://www.cbsnews.com/stories/2004/09/15/60II/main643650.shtml>.
- 123 Ibid., Peter Waldman.
- 124 "My desire is to open a path to this district, that civilization, commerce, and Christianity might find their way there. I consider that we made a great mistake, when we carried commerce into India. in being ashamed of our Christianity; as a matter of common sense and good policy, it is always best to appear in one's true character. . . By encouraging the native propensity for trade, the advantages that might be derived in a commercial point of view are incalculable; nor should we lose sight of the inestimable blessings it is in our power to bestow upon the unenlightened African, by giving him the light of Christianity. Those two pioneers of civilization- Christianity and commerce-should ever be inseparable; and Englishmen should be warned by the fruits of neglecting that principle as exemplified in the result of the management of Indian affairs." From Livingston's Cambridge Speech of 1857 posted by The Cooper Union for the Advancement of Science and Art, New York. URL: http://www.cooper.edu/humanities/classes/coreclasses/hss3/d_livingstone.html For details see: Livingstone, *Missionary Travels and Researches in South Africa* (New York: Harper and Bros., 1858).
- 125 "President Bush is an evangelical Christian who talks openly about his faith and who says America is doing God's work in Iraq and Afghanistan, and whose religion regularly affects his policy, from limiting embryonic stem cell research to proposing nearly \$3-billion to promote traditional marriage." Wes Allison, *Evangelicals Sway Policy in the New Era*, *Times*, October 11, 2004.
- 126 Arthur Meier Schlesinger, *War and the American Presidency*, W.

- William Martin, *With God on Our Side: The Rise of the Religious Right in America*, Broadway Book, 1996; Sara Diamond, *Not by Politics Alone: The Enduring Influence of the Christian Right*, Guilford Press, 1998; Jean V. Hardisty, *Mobilizing Resentment: Conservative Resurgence from the John Birch Society to the Promise Keepers*, Beacon Press, 1999; Chip Berlet and Matthew N. Lyons, *Right-Wing Populism in America*, Guilford, 2000; Jonathan M. Schoenwald, *A Time for Choosing: The Rise of Modern American Conservatism*, Oxford University Press, 2001.
- 114 Stephen Mansfield, *The Faith of George W. Bush*, J. P. Tarcher, 2003; Matthew Rothschild, "Bush's Messiah Complex," *The Progressive*, February 2003, pp. 8-10, online at www.progressive.org/feb03/comm0203.html; Andrew Austin, "Faith Matters: George Bush and Providence," online essay, <http://www.publiceye.org/apocalyptic/bush-2003/austin-providence.html> (November 22, 2003); Bill Berkowitz, "Bush's Faith-Filled Life," online column, *Working for Change* November 5, 2003. URL: <http://www.workingforchange.com/article.cfm?ItemID=15937> (November 22, 2003).
- 115 Paul Boyer, "John Darby Meets Saddam Hussein: Foreign Policy and Bible Prophecy," *Chronicle of Higher Education*, supplement, February 14, 2003, pp. B 10-B11.
- 116 Laurie Goodstein, "Seeing Islam as 'Evil' Faith, Evangelicals Seek Converts," the *New York Times*, May 27, 2003.
- 117 For example, the *New York Times* quotes Don Richardson (a Well-known anti-Islam missionary from his book *Secrets of the Koran*) (Regal Books, 2003): "The Koran's good verses are like the food an assassin adds to poison to disguise a deadly taste. Better to find the same food, sans poison, in the Bible." the *NY Times*, May 27, 2003.
- 118 According to Audit Bureau of Circulations Six-month Average, the *New York Times* annual circulation volume is around 1.36 million in 2005. URL: <http://www.nytc.com/investors-nyt-circulation.html>
- 119 The *New York Times* press release: "TimesSelect Surpasses 270,000 Subscribers in Less Than Two Months," November 09, 2005. URL: http://www.corporateir.net/ireye/ir_site.zhtml?ticke

- Commerce and Veterans Affairs and the Small Business Administration with Respect to Faith-Based and Community Initiatives," White House, Office of the Press Secretary, June 1, 2004. URL: <http://www.whitehouse.gov/news/releases/2004/06/20040601-1.html>.
- 105 Philadelphia Church That Endorsed Bush Gets \$1 Million 'Faith-Based' Grant Wednesday June 23, 2004. "The Rev. Lusk endorsed candidate Bush, and wound up getting a \$1-million faith-based grant from the Bush administration," [Barry] Lynn said. "Now there's a heavenly payoff."
- 106 "The fact is, we are at a moment as epochal as the Reformation itself-a Reformation moment not only for Catholics but for the entire Christian world. Christianity as a whole is both growing and mutating in ways that observers in the West tend not to see." Philip Jenkins, *The Atlantic*, October 2002.
- 107 William Fisher, "By God, another awful Bush appointment," *The Daily Star*, November 29, 2005
- 108 "Vatican warns against marrying Muslims," UPI, Science Daily, December 28, 2005. URL: <http://www.sciencedaily.com/upi/?feed=TopNews&article=UPI-1-20051226-23004600-bc-italy-mixedmarriage.xml> URL Accessed January 19, 2005.
- 109 Seymour Hersh, "Moving Targets: Will the counter-insurgency plan in Iraq repeat the mistakes of Vietnam?" *New Yorker*, December 15, 2003.
- 110 Seymour Hersh, "The Gray Zone: How a secret Pentagon program came to Abu Ghraib," *New Yorker*, May 24, 2004. URL: http://www.newyorker.com/fact/content/?040524fa_fact.

Chapter 2: The Architects of War

- 111 Patrick J. Buchana, *Where the Right Went Wrong*, St. Martin's Press, 2004.
- 112 Ibid., Mark Miller, page 267.
- 113 Jerome L. Himmelstein, *To the Right: The Transformation of American Conservatism*, University of California Press, 1990; Sara Diamond, *Roads to Dominion: Right-Wing Movements and Political Power in the United States*, Guilford Press, 1995;

/wiki/Madeleine_Albright

- 89 Sandro Magister, "Trying Democracy in Baghdad, With the Vatican Blessing," *L'espresso* on line, August 11, 2004. URL: <http://www.chiesa.espressonline.it/dettaglio.jsp?id=19816&eng=y>
- 90 Sandro Magister, "The Vatican Deploys its Divisions in Iraq – Under the Banner of NATO," *L'espresso* on line, September 28, 2004.
- 91 Quoted by Sandro magister in his article at: <http://www.chiesa.espressonline.it/dettaglio.jsp?id=19816&eng=y>
- 92 "Muslims hail Pope's efforts to build ties with Islam," *The Jakarta Post*, April 04, 2005.
- 93 John Thavis, "News of Air Strikes Prompts Prayers, Apprehension at Vatican," Catholic News Service. URL: <http://www.catholicherald.com/cns/retaliate-react.htm>.
- 94 Jeff Israely, "A Moral Justification For War Exists," *Times*, February 16, 2003.
- 95 "Former Afghan King Zahir Shah Meets Vatican Representatives," *Pravda*. RU: World, November 27, 2001. 15:30.
- 96 http://www.theocracywatch.org/irag_yahoo.htm.
- 97 Also see Christian Missionaries Battle For Hearts and Minds in Iraq From the *Washington Post*, May 16, 2004. URL: http://www.theocracywatch.org/missionaries_post.htm.
- 98 George Weigel, "Just War and Pre-emption: Three Questions," *The Catholic Difference*, 2003.
- 99 Ibid., George Weigel.
- 100 Ibid., George Weigel.
- 101 Vittorio E. Parsi, "*L'alleanza inevitabile: Europa e Stati Uniti oltre l'Iraq* (The inevitable Alliance: Europe and the United States beyond Iraq) published by Bocconi University in Milan (2003).
- 102 Jim Wallis, "Dangerous Religion: George W. Bush's theology of empire," Sojourners. URL: <http://www.sojournal.net/index.cfm?action=magazine.article&issue=soj0309&article=030910>.
- 103 Bill Berkowitz, "Slouching toward theocracy. President Bush's faith-based initiative is doing better than you think," published Feb 06, 2004. URL: <http://www.workingforchange.com/article.cfm?itemid=16391>.
- 104 "Executive Order: Responsibilities of the Department of

- believe: "Many people after 9/11 said that 'The Muslims, they worship the same god we do, they just have their way to God. Christians have their way to God. But it's the same God.' No, it's not." His son repeatedly calls Islam "evil and wicked" religion. See: http://www.jesusjournal.com/jj_issues/grahamonislam.html.
- 79 Sheryl Henderson Blunt, "Bush Calls for 'Culture Change'" In interview, President says new era of responsibility should replace 'feel-good.' posted 05/28/2004. URL: <http://www.christianitytoday.com/ct/2004/121/51.0.html>.
- 80 Musharraf told Carla Power of the *Newsweek* on March 04, 2001 that his fellow General prays five times a day, "but I might have a different approach."
- 81 John Micklethwait and Adrian Wooldridge, *The Right Nation: Conservative Power in America*, Penguin, 2004, Page 145.
- 82 Ibid., John Micklethwait. Page 145.
- 83 Rod Martin, "The Christianization of Republican Party," *The Christian Statesman*, See: <http://www.natreformassn.org/statesman/02/chrepub.html> URL accessed December 05, 2005.
- 84 Jim Nicholson, *The United States and the Holy See: The Long History*, Published by "30 Giorni," Rome, 2002.
- 85 Sandro Magister, "Bush brought a gift for the Pope: The Alliance between Catholics and Evangelicals. June 2004. URL: <http://www.chiesa.espressonline.it/dettaglio.jsp?id=7045&eng=y> URL Accessed: December 05, 2005.
- 86 A Jesuit magazine, *La Civiltà Cattolica*, thought of as the semi-official voice of the Vatican, published an article in October 2003, apparently to highlight the "desperate plight" of Christians in Muslim countries, but in reality its objective was to criticize the main concepts of Islam in which Jihad clearly stood out.
- 87 Eric Schmitt and Thom Shanker, "Bombing in London: Hearts and Minds; New Name for 'War on Terror' Reflects Wider U.S. Campaign," *The New York Times*, Late Edition - Final, Section A, Page 7.
- 88 "It's a hard choice, but I think, we, think, it's worth it." Her response to a May 11, 1996 60 Minutes question about the over half a million children killed by the [Iraqi] sanctions Death of 500,000 Children 'Worth It'. URL: <http://en.wikipedia.org>

- based Pakistani daily newspaper, *Ummat*, on September 28, 2001. In this interview, bin Laden explicitly denies involvement in the September 11 attacks in the U.S.: "I have already said that I am not involved in the 11 September attacks in the United States. As a Muslim, I try my best to avoid telling a lie. I had no knowledge of these attacks, nor do I consider the killing of innocent women, children and other humans as an appreciable act. Islam strictly forbids causing harm to innocent women, children and other people. Such a practice is forbidden even in the course of a battle." URL: <http://www.public-action.com/911/oblintrv.html> Accessed November 21, 2005.
- 70 The *New York Times*, September 22, 2001.
- 71 *Ha'aretz*, June 26, 2003.
- 72 Mark Crispin Miller, *Cruel and Unusual: Bush/Cheney's New World Order*, Norton, August 2004, Page: 266.
- 73 Ibid., Mark Miller, page: 267.
- 74 Quoted by L'Espresso reporter Sandro Magister in his June 07, 2004 article: *Bush ha portato al papa un regalo: l'alleanza tra cattolici ed evangelicals*. URL: <http://www.chiesa.espressonline.it/dettaglio.jsp?id=7045>.
- 75 See full article at: <http://www.chiesa.espressonline.it/dettaglio.jsp?id=19921&eng=y> URL accessed, December 5, 2005.
- 76 Ibid., See full article at: <http://www.chiesa.espressonline.it/dettaglio.jsp?id=19921&eng=y> URL accessed, December 5, 2005.
- 77 In the new book by journalist Bob Woodward, *Plan of Attack* based on taped conversations with the President, Bush describes himself as a "messenger" of God who is doing "the Lord's will." April 20 by Robert Scheer, reporter for the *Los Angeles Times* "With God on His Side ..." URL: http://www.theocracywatch.org/with_g_on_his_side.htm.
- 78 Graham believes Christians need to more clearly spell out the differences between their faith and Islam. In his words: "This nation has been attacked, we've been attacked by men who claim to worship Allah. We have been attacked by a people, a group, in the name of Islam, and the clerics, the religious leaders of Islam have not denounced it." The theme that is repeated by Gen. Boykin in the military front, comes from Persons like Graham, who

- "The Provocateur State: Is the CIA Behind the Iraqi "Insurgents" and Global Terrorism?" Centre for Research on Globalization, World War 4 Report, May 10, 2005. URL: <http://WW4Report.com> and www.globalresearch.ca May 12, 2005. URL: <http://globalresearch.ca/articles/MOR505A.html>
- 62 *The Grand Chessboard: American Primacy and its Geostrategic Imperatives* by Zbigniew Brzezinski, October 1997. The link is to excerpts of the book from a From the Wilderness article, URL: <http://www.fromthewilderness.com/free/ww3/zbign.html>.
- 63 Frank Morales, "The Provocateur State: Is the CIA Behind the Iraqi "Insurgents"--and Global Terrorism?" Centre for Research on Globalization Canada, May 07, 2005. URL: <http://globalresearch.ca/articles/MOR505A.html>.
- 64 Judith Greenberg, *Trauma at Home: After 9/11*, University of Nebraska Press. 2003. Page 149.
- 65 "Address to a Joint Session of Congress and the American People," September 20, 2001. URL: <http://www.whitehouse.gov/news/releases/2001/09/20010920-8.html>.

Chapter 1: The Motivational Force Behind the War

- 66 James Carroll, *Crusade: Chronicles of an Unjust War (the American Empire Project)*, Metropolitan Books, July 2004. Page 232.
- 67 Muhammad Najeeb, "Osama Denies Involvement," Rediff report *Indo-Asian News Service*, September 12, 2001. The reporter quoted Pakistani Urdu newspaper *Ausaf*, The story by *Ausaf* editor Hamid Mir said bin Laden's statement was read out to him by a Laden special envoy who translated it from Arabic to Urdu. The message stated: "I don't have any link to the U.S. attacks, but I second it as it is the oppressors' reaction against suppresser." URL: <http://www.rediff.com/us/2001/sep/12ny15.htm>. accessed: November 21, 2005.
- 68 "America widens 'crusade' on terror," BBC report, Sunday, 16 September, 2001, 20:49 GMT 21:49 UK. URL: <http://news.bbc.co.uk/1/hi/world/americas/1547561.stm>.
- 69 An interview with Osama bin Laden was published in a Karachi-

-
- 48 Agence France-Presse report, "US Army to Engage in Largest Military Simulation Exercise Yet," July 23, 2002.
- 49 David Leigh, "Attack and counter-attack: Evidence suggests that Washington had planned to move against Bin Laden in the summer. Was the attack on America a pre-emptive strike?" the *Guardian*, September 26, 2001.
- 50 *News Insight*: The public Affair magazine, June 28, 2001. URL: <http://www.indiareacts.com/archivefeatures/nat2.asp?recno=10∓ctg=policy>
- 51 Ibid., *News Insight*.
- 52 BBC report by George Arney Sept 18, 2001. URL: http://news.bbc.co.uk/1/hi/english/world/south_asia/newsid_155000/1550366.stm
- 53 Jonathan Steele, Ewen MacAskill, Richard Norton-Taylor and Ed Harriman, "Threat of US strikes passed to Taliban weeks before NY attack," The *Guardian*, September 22, 2001.
- 54 George Arney "US 'planned attack on Taleban'," BBC, Tuesday, September 18, 2001, 11:27 GMT 12:27 UK. URL: http://news.bbc.co.uk/1/hi/world/south_asia/1550366.stm.
- 55 Jean-Charles Brisard and Guillaume Dasquie in "*Forbidden Truth*", Nation Books, New York, 2002, Page, 43. URL: <http://www.forbiddentruth.net/>
- 56 Ibid., Damien Cave.
- 57 The *New York Times*, March 5, 2003.
- 58 MSNBC, "U.S. Planned for Attack on al-Qaida: White House given strategy two days before Sept. 11," May 16, 2002, URL: <http://stacks.msnbc.com/news/753359.asp>.
- 59 John Miller, Michael Stone and Chris Mitchell, *The Cell: Inside the 9/11 Plot, and Why the FBI and CIA Failed to Stop It*, Hyperion, August 2002, p. 219.
- 60 London Times, July 17, 2002.
- 61 Leonard G. Horowitz, "The CIA's Role in the Anthrax Mailings: Could Our Spies be Agents for Military-Industrial Sabotage, Terrorism, and Even Population Control?" A Special Report Expressly Prepared for Simultaneous Publication in The Spectrum and Media ByPass. URL: http://www.tetrahedron.org/articles/anthrax/anthrax_espionage.html. Also see: Frank Morales,

- Role," the *Washington Post*, November 18, 2001; Page A01.
- 37 Thomas E. Ricks and Susan B. Glasser, "U.S. Operated Secret Alliance With Uzbekistan," the *Washington Post*, October 14, 2001; Page A01. Also see: "US, Uzbek had secret alliance before Sept 11," *Times of India*, October 14, 2001. URL: http://www1.timesofindia.indiatimes.com/cms.dll/articleshow?art_id=611919343. Accessed January 15, 2006.
- 38 David Ray Griffin: *The New Pearl Harbor Disturbing Questions About the Bush Administration and 9/11* Massachusetts: Olive Branch Press (2004).
- 39 Ibid. David Ray Griffin.
- 40 Eli J. Lake, "CIA had network in Afghanistan before 9-11," UPI State Department Correspondent, October 17, 2002. URL: <http://www.upi.com/inc/view.php?StoryID=20021017-060346-3640r> URL Accessed: January 15, 2006.
- 41 "Written Statement for the Record," CIA Director George Tenet, Senate Select Committee on Intelligence website, October 17, 2002. URL: <http://intelligence.senate.gov/0210hrgrg/021017/witness.htm>
- 42 Robert G. Kaiser, "U.S. Plants Footprint in Shaky Central Asia," the *Washington Post*, August 27, 2002; Page A01.
- 43 William M. Arkin, "Military Moemo: U.S. Air Bases Forge Double-Edged Sword, Deployment: Presence in nine countries ringing Afghanistan enhances capability but also fuels Islamic extremism." *Los Angeles Times*, January 6, 2002; A.1.
- 44 United States Department of Defense. News Transcript. On the web: http://www.defenselink.mil/transcripts/2002/t12042002_t204cent.html.
- 45 Roger Trilling, "Why the War Works: The Pentagon's Path From Osama to Saddam," *Village Voice*, November 13 - 19, 2002.
- 46 "President Talks to Troops in Qatar," Camp As Sayliyah Qatar, Office of the Press Secretary, June 5, 2003. URL: <http://www.whitehouse.gov/news/releases/2003/06/20030605-1.html>.
- 47 S. Frederick Starr, "Afghanistan Land Mine," the *Washington Post*, December 19, 2000.

- Colin Powell promised to make public an evidentiary case against the man whom the U.S. accuses of masterminding last month's attacks. But the Bush administration reneged on this pledge." Jerry White, "Why is Bush refusing to negotiate with the Taliban?" WSWS, October, 16, 2001. URL: http://www.wsws.org/articles/2001/oct2001/tali-o16_prn.shtml.
- 29 Sunita Mehta, "*Women for Afghan Women: Shattering Myths and Claiming the Future*," Palgrave MacMillan, 2002. Also see: "Crimes of the 'Northern Alliance' Seen Through the Eyes of a Grieving Mother," RAWA, December 28, 2001. URL: <http://www.rawa.org/mother2.htm>. "Afghan Women Warn Against the Northern Alliance," Institute for Public Accuracy, USA, November 15, 2001. URL: <http://www.accuracy.org/newsrelease.php?articleId=724>. Patricia Gossman, "In aiding Northern Alliance, U.S. must address past war crimes," EurasiaNet, October 03, 2001. URL: <http://www.eurasianet.org/departments/rights/articles/eav100301.shtml>.
- 30 Henry Weinstein, "Trying Osama bin Laden: A Trial too big for US," the *Los Angeles Times*, October 26, 2001.
- 31 CIA Director George Tenet: "You know, this has bin Laden's fingerprints all over it." ABC News, September 11, 2001. Note that there is no mention to Al-Qaeda.
- 32 Rahul Bed, "India joins anti-Taliban coalition," *Jane's Intelligence Review*, March 15, 2001. URL: http://www.janes.com/security/international_security/news/jir/jir010315_1_n.shtml.
- 33 Shireen M. Mazari, "Warning signs out for Pakistan," *The News*, August 23, 2001.
- 34 Statement by Director of Central Intelligence George J. Tenet before the Senate Select Committee on Intelligence on the "Worldwide Threat 2001: National Security in a Changing World" February 7, 2001. Posted at JINSA web site on October 4, 2001. URL: <http://www.jinsa.org/articles/articles.html/function/view/categoryid/1082/documentid/1276/history/3.2360.656,1082,1276>.
- 35 Barton Gellman, "A Strategy's Cautious Evolution," the *Washington Post*, January 19, 2002; Page A01.
- 36 Bob Woodward, "Secret CIA Units Playing a Central Combat

- 12 On September 24, 2001, the Associated Press headlined, "U.S. vows to prove bin Laden's guilt." The article's body stated, "A solemn President Bush returned the American flag to full staff Sunday as the United States promised to lay out evidence making Osama bin Laden's guilt in the terrorist attacks 'very obvious to the world.'" Just before the bombing on October 7, 2001, the Bush administration reneged on a promise to make public the evidence it claimed to possess proving Osama's guilt. See: Chris Marsden and Barry Grey, "Tony Blair's bin Laden dossier: a pretext instead of proof," WWSWS October 6, 2001. URL: <http://www.wsws.org/articles/2001/oct2001/binn-o06.shtml>.
- 13 The debate inside the White House is chronicled by Bob Woodward, *Bush at War*, New York: Simon & Schuster, 2002, pp. 176-7, 196.
- 14 Ewen MacAskill, "Palestine state essential for peace, says Blair," *the Guardian*, October 16, 2001.
- 15 George Jones and Inigo Gilmore, "Blair backs call for Palestinian state," daily *Telegraph*, October 16, 2001. Ewen MacAskill, "Palestine state essential for peace, says Blair," *The Guardian*, October 16, 2001.
- 16 Andrew Sullivan, *The New York Times Magazine*, October 7, 2001.
- 17 Salman Rushdie, *The New York Times*, November 2, 2001.
- 18 Thomas Friedman, *The New York Times*, March 06, 2002.
- 19 Thomas L. Friedman, "In Pakistan, It's Jihad 101," *The New York Times*, Nov. 13, 2001.
- 20 Robert Worth, *The New York Times*, October 13, 2001.
- 21 Lamin Sanneh, *The New York Times*, September 23, 2001.
- 22 Edward Rothstein, *The New York Times*, January 26, 2002.
- 23 Fouad Ajami, *The New York Times*, November 18, 2001.
- 24 Bernard Lewis, *The New Yorker*, November 19, 2001.
- 25 Thomas Cahill, *The New York Times*, August 9, 2004.
- 26 Judith Miller, Benjamin Weiser and Ralph Blumenthal, *The New York Times*, September 16, 2001.
- 27 Barbara Crossette, *the New York Times*, October 22, 2001, Section B, Page 4. Column 1.
- 28 "Some two weeks prior to launching the war, Secretary of State

Notes

Introduction: The Pre-planned Aggression

- 1 Al-Qaeda was a non-entity before 9/11. Many researchers claim the name al-Qaeda was made up in middle '90s by a variety of American functionaries (one of them being none other than Richard Clarke) as an all-purpose villain the U.S. could blame as a convenient reason for its military adventurism.
- 2 George Gedda, "Colin Powell Mum on al-Qaida Before 9-11," From *Capitol Hill Blue*, Mar 31, 2004.
- 3 Tony Karon, "Bin Laden Rides Again: Myth vs. Reality," *Time* magazine, June 20, 2001.
- 4 See CNN report, "Speaking with reporters after a Pentagon briefing on plans to call up reserve troops, Bush offered some of his most blunt language to date when he was asked if he wanted bin Laden dead. "I want justice," Bush said. "And there's an old poster out West... I recall, that said, 'Wanted, Dead or Alive.'" Sept 17, 2001. URL: <http://archives.cnn.com/2001/US/09/17/bush.powell.terrorism/> URL accessed December 14, 2005.
- 5 BBC report, "Taleban minister's 'peace role' mystery," October 17, 2001, 17:15 GMT 18:15 UK
- 6 Henry Weinstein, "Trying Osama bin Ladin: A trial too big for US," *Los Angeles Times*, October 26, 2001. CNN reported: "White House emphasizes negotiation is not an option," CNN Aired October 6, 2001, 14:04 ET. "President Bush to Taliban: 'No negotiations, Period,'" CNN, October 14, 2001. 16:00 ET.
- 7 *Mirror*, July 8, 2002.
- 8 Associate Press, April 5, 2002.
- 9 *Daily Telegraph*, October 4, 2001.
- 10 ABC News, December 19, 2002.
- 11 *Time Magazine*, May 13, 2002.

اندرونِ سرورق کی تصویر کا مختصر تعارف

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے عیسائیوں کی اکثریت ”پروٹسٹنٹ فرقہ“ پر مشتمل ہے اور ان لوگوں میں سب سے زیادہ رائج العقیدہ فعال اور بائبل کے ابلاغ، اس کی نشر و اشاعت، فروغ اور تشریح و توضیح کے حوالے سے پُر جوش طبقہ ”ایونگلسٹس“ (Evangelists) کہلاتا ہے۔ ان لوگوں میں بعض شعلہ بیان مقررین نے اپنے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذاتی چینلوں کا جال بچھا رکھا ہے۔ ان لوگوں کا ایک ماہنامہ جریدہ ”فلاڈلفیا ٹرمپٹ“ (The Philadelphia Trumpet) فلاڈلفیا سے شائع ہوتا ہے۔ جو تنظیم یہ رسالہ شائع کرتی ہے اس کا بانی ہربرٹ آرم سٹراگ تھا جبکہ اُس کا موجودہ ایگزیکٹو جیری فلیشر ہے۔ اندرونِ سرورق کی یہ تصویر فلاڈلفیا ٹرمپٹ کے اگست 2001ء کے شمارے سے لی گئی ہے۔ یہ لوگ یہودیوں سے بڑھ کر اسرائیل کے حمایتی اور مددگار ہیں، اس لیے کہ ان کا ایجنڈا وہی ہے جو صہیونیوں کا ہے۔ دونوں کی خواہش ہے کہ عظیم جنگ ہرمجدون (Armageddon) جلد سے جلد وقوع پذیر ہو اور اُس کے نتیجے میں ”عظیم تر اسرائیل“ وجود میں آجائے۔ اس کے بعد ہی تیسرے ہیکل سلیمانی کی تعمیر ممکن ہوگی، جس میں حضرت داؤد علیہ السلام کا تخت لا کر رکھا جائے گا۔ اس سے آگے ان میں اختلاف ہے۔ یہودیوں کے مطابق ان کا موعود منتظر مسیحا (Messiah) اس تخت پر بیٹھ کر تمام دنیا پر حکمرانی کرے گا، جبکہ عیسائیوں کے مطابق عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام آسمان سے نزول کے بعد اس تخت پر متمکن ہو کر تمام دنیا پر حکومت کریں گے۔

پروٹسٹنٹ فرقہ رومن کیتھولک فرقہ سے سخت عناد رکھتا ہے، چنانچہ وہ پوپ کو بر ملا شیطان کہتے ہیں۔ ان کا رومن کیتھولک عیسائیوں پر الزام یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفعِ سماوی کے بعد دوسری ہزاری (میلینیم) کے شروع میں پوپ اربن ثانی نے عظیم صلیبی جنگ کی آگ بھڑکا لی تھی، جس کے نتیجے میں 1099ء تا 1187ء عیسائیوں کا یروشلم پر قبضہ رہا۔ اسی طرح اب تیسری ہزاری کے آغاز میں جیری فلیشر کا دعویٰ ہے کہ پوپ جان پال ثانی چاہتا تھا کہ ”مقدس رومن ایمپائر کو حیات نو دے کر یورپ بھر سے لوگوں کو آخری صلیبی جنگ کے لیے اکٹھا کیا جائے“ تاکہ تمام عیسائی دنیا کو فلسطین اور اسرائیل پر اقتدار حاصل ہو، اور وہاں ایک رومن کیتھولک ریاست قائم کی جائے۔ اس پس منظر میں حضور نبی اکرم ﷺ کی وہ حدیث مبارکہ سامنے آتی ہے جس کے مطابق رومی ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہوں گے۔ ان کے پاس اسی (80) جھنڈے ہوں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار فوجیوں پر مشتمل دستہ ہوگا۔

تصویر میں جو گنبد شمالی جانب ہے وہ ”قبة الصخرہ“ (Dome of the Rock) ہے جسے اس چٹان پر اموی حکمران عبدالملک بن مروان نے تعمیر کرایا تھا، جہاں سے نبی اکرم ﷺ کا معراج کے موقع پر آسمانی سفر شروع ہوا تھا۔ جہاں تک جنوبی طرف کے گنبد کا تعلق ہے، تو یہ مسجد اقصیٰ کا گنبد ہے۔ یہودی اب اس کے لیے تیار بیٹھے ہیں کہ ان دونوں گنبدوں کو سمارک کے اس جگہ پر اپنا تیسرا ہیکل تعمیر کریں۔ اس کے نتیجے میں جو خون ریزی وقوع پذیر ہوگی اس کا تصور بھی آدمی پر لرزہ طاری کر دیتا ہے۔ (اسی دوران میں پوپ بنی ڈکٹ ششدہم کے اسلام اور اللہ کے رسول ﷺ کے خلاف نفرت آمیز بیان کو بھی پبل جنگ سمجھنا چاہیے۔)

”جو لوگ اسلام کے خلاف جنگ کے بارے میں حقائق جاننا چاہتے ہیں وہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں۔“

(انور مسعود مصنف: A War on Islam)

”مکارانہ جیلہ سازی اور ماہرانہ کاریگری سے اختراع کردہ 9/11 کے منصوبے کا مقصد درپردہ اسلام کے انقلابی اور بنیاد پرستانہ نظریہ پر ضرب لگا کر اسے جڑ سے اکھاڑنا تھا۔ نام نہاد خدا بیزار سیکولر امریکی سیاست کا دو غلا پن اس حوالے سے نمایاں ہے۔ درپردہ بنیاد پرستانہ مسیحی خارجہ حکمت عملی کے گھناؤنے توسیعی عزائم کے ذریعے مسلمان دنیا پر تسلط جمانا مقصود ہے۔ اسلامی خلافت کی شکل میں بنیاد پرست دین اسلام کو مغربی تہذیب و اقتدار کے لیے ایک بڑا خطرہ سمجھا جا رہا ہے۔ زیر نظر کتاب میں مشرق وسطیٰ کے حوالے سے امریکی خارجہ پالیسی کا اثر و نفوذ اس کی اہم مثال ہے۔“

(جمی ڈی سینڈرز، James D. Sanders)

Author of: The Downing of TWA Flight 800, Altered Evidence, Soldiers of Misfortune, The Men are Left Behind and First Strike)

”بش کے افغانستان پر حملے کا 9/11 کے واقعات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حقیقت میں اس حملے کی منصوبہ بندی بہت پہلے سے کر لی گئی تھی۔ بن لادن نے واشگاف الفاظ میں کہا ہے کہ اُس کا اس واقعہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ بن لادن کے اس بیان کو جھٹلانے کے لیے بار بار اس کے اصرار کے باوجود کوئی ٹھوس ماڈی حقائق پیش نہیں کیے گئے۔ صدافسوس کہ بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے ترقی پسند وائٹ ہاؤس کی اس بات کو درست تسلیم کرتے ہیں کہ 9/11 سب بن لادن کا کیا دھرا ہے۔ عابد اللہ جان نے بہت درست کہا ہے کہ: ”9/11 کے فقط 25 دن بعد افغانستان پر حملہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ کی ابتدا ہے۔ اصل میں یہ تشدد ایجنسیوں کی آزادی اور جمہوریت کے فروغ کے پردے میں کی جانے والی بُرے فریب کار روائی تھی۔ درپردہ یہ سب تیل کے حصول اور امریکی اثر و رسوخ کو پھیلانے کے لیے بش کی خواہش پر کیا گیا۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ سب پہلے سے طے شدہ تھا، لیکن دنیا کو یہی بتایا گیا کہ 9/11 کا حساب چکایا جا رہا ہے۔ تفصیلات معلوم کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں۔“

(یحییٰ عبدالرحمن، ایڈیٹر انٹر نیل مسلم نیوز)